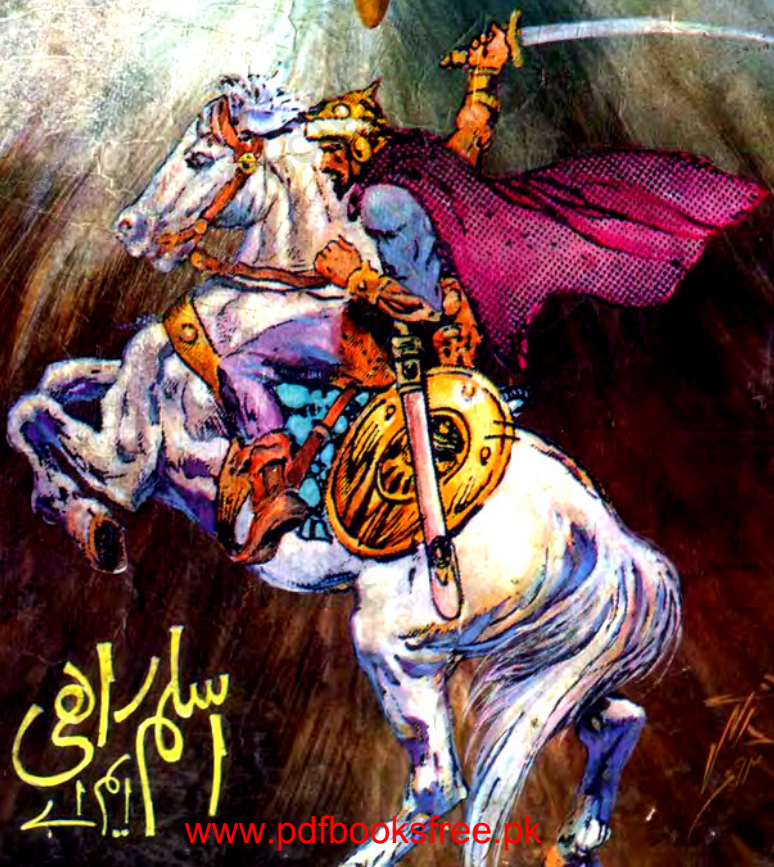


عقاب

PDFBOOKSFREE.PK



اسم راہی

www.pdfbooksfree.pk



شام ہونے کو تھی۔ دمشق سے کوئی تین فرسنگ دور صحرا کے اندر ایک نوجوان اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا۔ وہ ایک فولادی جسم کا کٹریل عرب تھا، اور لق و دق بے آب و گیاہ اور حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے صحرائیں وہ اپنے دراز قد و لمبی نسل کے گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ لگائے مارتا بھگاتا جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے ہند اور سوار بھی تھے جو ذرا فاصلہ رکھ کر اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ شاید وہ اس کے ساتھی تھے اور سب مل کر کسی کا تعاقب کر رہے تھے۔

صحرا کے اندر ایک کے بعد دوسرا گولہ اور گراؤ اٹھ کر مشرق کی طرف جاگ رہا تھا۔ آوارہ وطن طیور دور کہیں سپیڑوں میں سمیرا کرنے کے لیے صحرا کی ضاؤں کو ناپتے جا رہے تھے۔ شمال اور جنوب میں پھیلا ہوا صحرا اب ٹھنڈا و قبا جا رہا تھا۔ ریگستان کے مغرب میں دور ————— کوہستان حرمل کی داویوں ن سر مٹی بادل آہستہ آہستہ پھیل رہے تھے۔ جبکہ مشرق میں آوارہ گے پہاڑی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ جو شمالاً جنوباً دور تک پھیلا ہوا تھا۔

وہ سوار گھوڑے کی عبا پہنے ہوئے تھا جس کے نیچے اس کی ہنی زردہ کی کڑیاں چمک رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں بیابانوں کے وحشیوں کی چمک تھی۔ لگتا تھا وہ کسی کے سر پر موت بن کر کھیل جانے کا عزم کر چکا

ہو۔ اس کی نگاہوں کے تجسس میں اس عقاب جیسی تیزی اور سُرخ تھی جو شام کی غالب آتی سیاہی میں اپنے شکار کے پیچھے بکل کھڑا ہوا ہو۔ اس کے تھکے تھکے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ میں ایک سپاہیانہ وقار و شہت کارا ز اور صحرا کے اسرار جیسا عز و پنہاں تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر اپنے آہنی خود کا نقاب گہرا رکھا تھا اور وہ اپنے چہرے سے سچا نہ جاسکتا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صحرا کی گرم ہواؤں اور ریت کے اڑتے موٹے موٹے ریگ زاروں میں اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا رہا پھر وہ اس کو ہستانی سلسلے میں داخل ہو گیا تھا جو صحرا کے مشرقی حصے کی حد بندی کرتا تھا پہاڑی سلسلے کے اندر تھوڑی دیر تک سفر کرنے کے بعد اسے اپنے سامنے ذرا فاصلے پر کچھ سوار دکھائی دیئے۔ جنہیں دیکھتے ہی اس کے دل اور ذہن میں ستیز کاری شروع ہو گئی تھی۔ شاید وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ انہی سواروں کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا پھر اپنے ہاتھ سے اس دائیں طرف اشارہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے گھوڑے کو بھی وہ اسی سمت مڑ چکا تھا۔ شاید وہ کوئی مختصر ترین کاوا کاٹ کر اپنے آگے جانے والے ان سواروں کو جان لینا چاہتا تھا جن کا وہ تعاقب کر رہا تھا۔

کوہستانی سلسلے سے بکل کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ عرب آ دریا کے کنارے آ کر کا تھا جو شمالی پہاڑوں سے بکل کر جنوب کی طرف بہتا تھا تھوڑی ہی دیر بعد شمال کی طرف سے وہی سوار اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آ جن کا وہ پیچھا کر رہا تھا۔ اپنے سواروں کے ساتھ دریا کے کنارے سے آ کوہستانی چٹانوں تک اس نے ان کا راستہ روک دیا تھا۔ جب وہ سوار نزدیک آ تو اس عرب نے طوفانی انداز میں اللہ اکبر کی تکبیر بلند کی اس کے فہرے کی گونج حملہ آور ہونے کا اشارہ تھا کیونکہ تکبیر کے ساتھ ہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ قضا کا تیر بن کر حملہ آور ہو گیا تھا۔

دریا اور کوہستانی سلسلے کے درمیان ایک طوفانِ صوت اور ہنگامہ موت اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دونوں گروہ اپنے ازل و دشمنوں کی طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ عرب نوجوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ کچھ ایسے انداز میں حملہ آور ہوا تھا گویا اس کی خون آشام تلوار شہر برپا کر دے گی۔ لمحہ بہ لمحہ ایک آفاق گیر طوفان کی طرح اس کے لڑنے کا دائرہ عمل وسیع ہوتا رہا۔ غصے میں اس کی آنکھیں چنگاریوں کی طرح بھڑک اُٹھی تھیں اور چہرے کا رنگ تانبا ہو گیا تھا۔ لگتا تھا قدرت نے اسے طوفانوں سے لڑنے اور بجلیوں سے کھیلنے کو پیدا کیا ہو۔ شمال کی طرف سے آنے والوں نے جن کی تعداد تیس کے قریب ہوئی اپنی پوری قوت و بصارت سے اپنا دفاع کیا تھا۔ لیکن اس عرب کے حملوں میں ایک قابل دید طلسماتی ذوق اور طوفانی شوق تھا۔ وہ اس طوفانِ بلا نیز کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا جو دشت اور بیابانوں میں طوفانوں اور جھکڑوں کے خیابان کھڑے کر دے۔ اس کے حملوں کا ہیکر اس سلسلہ بڑی تیزی سے پھیلتا رہا۔ بلد ہی وہ اپنے دشمنوں پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کیونکہ دو کے علاوہ سب اس کی اور اس کے ساتھیوں کی تلواروں کا شکار ہو گئے تھے۔ صرف نوجوان باقی بچے جو بدحواسی میں شمال کی طرف بھاگنے کے بجائے اپنے گھوڑوں و ایڑ لگا کر مغرب کی طرف بھاگے اور اپنے گھوڑوں کو ایک ٹیلے پر چڑھا دیا تھا۔ اس عرب نوجوان نے ان دونوں کا تعاقب کیا اور جب وہ ایک ٹیلے پر چڑھنے کے بعد دوسری طرف اترنے لگے تو اس عرب نے شکمانہ انداز میں کہا۔ ”ٹھہرو! ورنہ میرے تیر تم دونوں کو چھلنی کر دیں گے۔“ وہ دونوں بے کے اوپر رُک گئے۔ اس عرب نے اپنی خون پسکتی تلوار فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔ ”اپنی تلواریں نیام میں کر لو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے زمین پر سینک دو۔“

وہ دونوں سوار رُک گئے۔ اپنی تلواریں انہوں نے نیام میں کر لیں،

اپنے گھوڑوں کی خرچینوں میں ہاتھ ڈال کر انہوں نے نقدی کی بھاری تھیلیاں نکالیں اور انہیں پتھریلی زمین پر پھینکنے کے بعد وہ سوالیہ کیفیت میں اس عرب کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ اس عرب نے کھولتی آواز میں پوچھا: یہ مال تم نے کس سے اور کہاں سے لوٹا؟ ان میں سے ایک نے گھگھیاہی ہوئی آواز میں کہا۔

”اسے ہم نے بنوزیبان کی ان بستیوں سے لوٹا جو صحرا کے شمالی کنارے کے ساتھ ساتھ پڑتی ہیں، تمہیں ہم سے یہ مال نہیں چھیننا چاہیے اس لیے کہ ہم نے بنوزیبان کی بستیوں کو لوٹا ہے جب کہ تم عبسی ہو اور بنوزیبان اور بنو عبس میں پرانی عداوت اور دشمنی ہے۔“ اس عرب نے غر کر کہا۔ ”کوئی عبسی اور زیبانی نہیں ہے۔ ہم سب مسلمان ہیں اور ایک مسلمان دوسرے بھائی ہوتا ہے۔ یاد رکھو جب تک تم دمشق کے وزیر طاہر المرزغانی کی شہ پر لوٹ مار کرتے رہو گے، میں بھی تمہارے قتل اور تم سے چھینا چھپٹی کا سلسلہ جاری رکھوں گا۔ اس لیے کہ جن کو تم لوٹتے ہو میں تم سے چھین کر انہیں والہ لوٹا دیتا ہوں اور جانتے ہو میرا کام تمہارے کام سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔ تم صرف وزیر کا پیٹ بھرنے کے لیے عوام کو لوٹتے ہو، تمہارے ساتھ لوہہ اور لالچ کے علاوہ المرزغانی کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے جب کہ صرف اپنے خدا کی خوشنودی و رضا کی خاطر لٹے ہوئے لوگوں کو ان کا مال لوٹ ہوں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم اپنی بھیر جیسی خوبدل نہیں لیتے۔“

وہ عرب خاموش ہو گیا۔ اس کے دونوں دشمن انتہائی بے چارے کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ عرب نے پھر غصے اور دزدگی کا عالم میں کہا۔ ”جاؤ چلے جاؤ، میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اس کے بعد اگر تم نے اپنے ان ہی اعمال پر عمل کیا تو پھر دمشق کی فضا تمہارے لیے تنگ

ہو جائے گی۔ یاد رکھو! تمہاری پشت پر بیشک و مشق کا وزیر طاہر المرزغانی ہے، اس کے باوجود میں تم جیسے نقب زنوں کے خلاف اپنی سرزمین جاری رکھوں گا۔

ان دونوں سواروں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور ٹیلے سے نیچے اتر کر وہ دریا کے کنارے کنارے دمشق کی طرف جانے والی ٹیڑھی پگ ڈنڈی پر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔ عرب نے نیچے اتر کر تھیلیاں اٹھا کر اپنی خرچین میں ڈال لی تھیں۔

”افق کے درتچے لال گول ہو گئے تھے۔ گہرے نیلے آسمان پر شام کے ماتمی سائے پھیل گئے تھے۔ رات کے کسی تھکے ہارے مسافر کی طرح سورج مغرب صحرا کے اس پار گھٹنے ٹیک چکا تھا۔ دریا کے وسط میں کشتیوں کے اندر کھڑے ماہی گیر دھڑکھڑکیوں میں عربی گیت گاتے ہوئے اپنے اپنے جہاز کھینچ کر کشتیوں کو کنارے کی طرف لانے لگے تھے۔ بھیڑیے غاروں میں چنچنے لگے تھے، آسمان خاموش تھا اور آہستہ آہستہ شام کی سیاہی پر چاند ستاروں کے فطری گیت غالب آنے لگے تھے۔

وہ عرب ٹیلے سے اُترا۔ وہ سیدھا دریا کے کنارے آیا۔ باگیں کھینچ کر اس نے اپنے گھوڑے کو روکا۔ دنیا کے کنارے کی گیلی ریت سے سوندھی سوندھی خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ وہ عرب نیچے اُترا اور گیلی ریت پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر وہ چلو سے پانی پینے لگا تھا۔ اس کا گھوڑا بھی آگے بڑھ کر پانی پی رہا تھا۔

پانی پی چکنے کے بعد وہ عرب اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ انہوں نے ریت پر نقدی سے بھری ہوئی تھیلیوں کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔ یہ سب تھیلیاں انہوں نے ان سے چھینی تھیں جو ان کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ عرب نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میرے رفیقو! ان تھیلیوں کو اٹھاؤ اور اُرات کی تاریکی میں یہ بیلان بنوزیبان کے ان ہی لوگوں میں بانٹ آئیں جن سے یہ ٹیڑھے چھین کر

میرے آدمیوں کا سامنا کرنے سے باز رہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میرے آدمی دمشق شہر اور اس کے نواح میں امن قائم کرنا چاہتے ہیں جب کہ تمہارا بیٹا ان کے کام میں دخل اندازی کرتا ہے۔ عامر نے طنزاً کہا: ”امن قائم کرتے ہیں یا خاکہ زنی اور لوٹ مار کرتے ہیں۔“

سعد نے مایوسانہ لہجے میں کہا: ”عامر! عامر! میں جانتا ہوں، طاہر المرزغانی کے آدمی لوگوں کو لوٹتے ہیں اور تم ان سے مال چھین کر ان کے وارثوں کو پہنچا دیتے ہو۔ مجھے یہ بھی خبر ہے کہ شہر کا محتسب جمال الدین اور امام یوسف خداوی تمہاری پشت پناہی کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود ایک دست کی حیثیت سے میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ تم یہ کام چھوڑ دو۔ اس لیے کہ اس میں تمہارے لیے منفعت کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔“

عامر نے جرات مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”سعد! میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں ایک نیک کام کے پیچھے ہوں، اب میں اس سے پسپائی نہیں کر سکتا اور پھر اب حالات پہلے جیسے نہیں ہیں۔ پہلے میں صرف امام یوسف کے کہنے پر ایسا کرتا تھا اب محتسب جمال الدین نے میرا نام شہر کے محافظوں کی فہرست میں شامل کر رکھا ہے۔ میں دمشق کی حکومت کا انتخاب دار ہوں۔ اب چور اچکوں کے خلاف کام کرنا میرے ان فرائض میں شامل ہے جو محتسب نے مجھے سونپ رکھے ہیں۔ طاہر المرزغانی کو اگر مجھ سے کوئی شکایت ہے تو وہ جمال الدین سے تکرر کرے، اس لیے کہ وہ دمشق شہر ہی نہیں اس کے مضافات میں بھی لوگوں، جان و مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وزیر المرزغانی دمشق کے حکمران تاج الملوک بوری کے بعد سب سے زیادہ باحیثیت شخصیت ہیں مگر ان کی غلط گیدڑ گھڑکیوں میں آکر میں اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔“

عامر جب خاموش ہوا تو سعد نے ایک عزم کے ساتھ کہا: ”تم جو چاہو میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ نافع کے بیٹے! میں صرف ایک طبیب

لائے ہیں۔“ اس کے ساتھیوں نے تھیلیاں اٹھالیں اور دوبارہ پہاڑی سلسلے سے نکل کر رات کی ہر لمحہ گہری ہوتی ہوئی تاریکی میں وہ صحرا کے اندر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔



دوسرے روز مغرب کی نماز کے بعد جب کہ گھروں میں فانوس روشن ہو گئے تھے وہی عرب دمشق شہر میں داخل ہوا۔ وہ بے حد پرسکون مطمئن تھا۔ اس کے ساتھی جن کا تعلق دمشق شہر ہی سے تھا اپنے اپنے گھر کو جا چکے تھے۔ زرگروں کے بازار سے گزر کر جب وہ اپنے گھر کی طرف جا رہا تو کسی نے اسے پکارا۔

”عامر! عامر! راک جاؤ۔ وہ عرب جس کا نام عامر بن نافع تھا اپنے گھوڑے کو روک چکا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک جوان اس کے قریب جس نے اپنے ہاتھ میں چرمی تھیلیاں پکڑ رکھا تھا۔ عامر بن نافع اپنا گھوڑا اس کے قریب لے گیا اور آنے والے جوان کو پکارتے ہوئے کہا۔

”سعد! سعد! تم نے مجھے روکا ہے۔ وہ جوان جس کا نام سعد کیا تھا قریب آیا اور عامر بن نافع کے گھوڑے کی بائیں پکڑتے ہوئے کہا: ”سے آرہے ہو؟“

عامر بن نافع نے مطمئن دہرے سکون لہجے میں کہا: ”شمالی صحرا کے کنا بنو زیباں کی بستیوں سے آ رہا ہوں۔ تم خود کہاں سے لوٹ رہے ہو؟“ سعد ایک طبیب تھا اپنے چرمی تھیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

”وزیر طاہر المرزغانی اور مدرسہ الحرمیہ کے ناظم مجیر الدین کے لڑے آج شکار کھیلے ہوئے زخمی ہو گئے تھے، میں ان دونوں کی مرہم پٹی کر کے لو رہا ہوں۔“ طبیب سعد نے اس بار گہری افسردگی میں کہا: ”عامر! عامر! آج المرزغانی نے تمہارے اہل کو طلب کر کے تنبیہ کی تھی کہ اپنے بیٹے سے

تک محفوظ نہیں ہے۔ وہ مرمری ایوانوں میں شاعروں کے قصائد سننے خوابوں میں مٹی کے گھوڑے دوڑانے کے عادی ہیں۔ آپ بے فکر رہتے تھے اُن سے خطرہ نہیں ہے۔ میرے لیے ان کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے بھیڑیے کے سامنے لومہ کے بھٹ اور عقاب کے سامنے چیلوں کے گھونسے۔

بوڑھا نافع چند ثانویوں کی سختی اور بچاہنگ سے عامر کو دیکھتا رہا پھر آواز میں اس نے کہا۔ 'بیٹے! آج طاہر المرزغانی نے مجھے بلا کر کہا تھا کہ تم وشتق ایک معمولی آہن گر ہو اپنے بیٹے سے کہو کہ وہ اپنے بازوؤں کی قوت کو اپنی چا کے اندر سمیٹ کر رکھے۔ میرے بچے! میں جانتا ہوں وشتق کا محتسب جمال الہ اور امام یوسف فندلادی تمہاری نشت پناہی کر رہے ہیں اور یہ دونوں قوم اور کے مخلص و غمگسار ہیں۔ اس کے باوجود میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ تم محتسب کی یہ بات ترک کر دو۔ ایسا نہ ہو کبھی یہ ہمارے لیے نقصان اور تکلیف کا باعث بنے گا۔ تم میرے ساتھ اپنی دوکان پر کام کیا کرو۔ تمہارے جاکے بعد آج شام تک صرف تلواریں اور خنجر بنا سکا ہوں۔ بہت سے گاہک خالی ہاتھ لوٹ گئے ہیں اور پھر طاہر منقسم مزاج انسان ہے۔ وہ آؤٹ کی طرح کینہ پرور اور لومڑی کی طرح عیار وشتق کا موجودہ حکمران تاج الملوک بوری انتہائی نیک نفس اور مذہب پسند ہے لیکن وزیر طاہر المرزغانی اس پر ایسا چھایا ہوا ہے کہ وہ اس کی ہر بات آنکھ بند کر کے مان لیتا ہے۔ اس کے علاوہ میں تم پر ایک اور انکشاف بھی کروا رہا ہوں جس قدر اسمعیلی ہیں وہ سب طاہر المرزغانی کے ساتھ ہیں اور تم جانتے اسمعیلی اپنے دشمن کو ہلاک کرنے میں کیسے طاق اور عیاردار ہیں۔ اگر وہ ہمارے حرکت میں آگئے تو خدا معلوم ہمارا انجام کیا ہوگا۔'

عامر نے نہایت سادگی اور متانت سے کہا۔ اے میرے باپ! احمد جمال الدین اور امام یوسف فندلادی بھی اپنے حلقے کے ساتھ بیدار اور چوکس اگر وقت آیا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وزیر طاہر المرزغانی صداقت کی آواز کا

کرہم پر زبان بندی کا دستور نافذ نہ کر سکے گا۔ ایک وقت ضرور آئے گا کہ ہم وشتق کے حکمران تاج الملوک بوری کو طاہر المرزغانی کا اصل چہرہ دکھانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ نافع کبھی غصے کبھی تفکرات کے عالم میں کھڑا عامر کو دیکھتا رہا۔ پھر غمگین اور یکسر آواز میں اس نے کہا۔ میرے بیٹے! طاہر المرزغانی کہہ رہا تھا اگر عامر اس کے آدمیوں کے ساتھ ٹکرانے سے گریز کرے تو وہ تاج الملوک سے کہہ کر اسے ابرید میں کوئی بھی ملازمت دے گا۔

عامر کا حلق کڑوا سا ہو گیا۔ پھر اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ نہیں بابا! میں بیڑیوں سے اتحاد نہیں کر سکتا۔ میں ان بھیڑیوں کی شکار گاہ میں رہ کر زندگی بسر نہیں کر سکتا جو بے گناہ لوگوں کو گرسنگی اور فاقہ کشی کا شکار دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ میرے باپ! انتظار کیجئے، میں مانتا ہوں ہماری منزل ابھی دور ہے لیکن ایک روز آپ ضرور دیکھیں گے کہ ہم بے لگاموں کو لوہے کی لکڑیوں میں چڑھا کر ان کی ساری کجی درست کر دیں گے۔ لوگ اب بیدار ہو رہے ہیں۔ وہ المرزغانی کے آدمیوں کی وحشت اور بددلتی کے سامنے محتسب اور اس کے حواریوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے ہیں۔ میرے باپ! میں غریبوں اور بیواؤں کے کام آتا ہوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں وقتی سمندر میں گر جائیں، میرے مٹی میں مل جائیں تو میں اس نیک ہم سے کنارہ کش ہو جاؤں گا۔

نافع تھوڑی دیر تک چپ رہا۔ اس کی آنکھوں میں رحم انگیز استفسار تھا پھر خزاں نودہ سی آواز میں اس نے کہا۔ اے میرے فرزند! پہلے میں ارادہ کر چکا تھا، تو تم اس کام سے باز نہ رہے تو تمہیں واپس قبیلے میں تمہارے چچا کے پاس بھیج دوں گا۔ لیکن تمہاری باتیں سن کر میں محسوس کرتا ہوں تم حق اور سچائی پر ہو۔ بیٹے! تم میری نوری امید ہو اور میں نہیں جانتا آئے والے دنوں میں کیا ہونے والا ہے اس کے وجود اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اپنے ضمیر کے مطابق اپنے فرائض انجام دے رہے ہو تو میں آخری تک تمہارا ساتھ دیتا رہوں گا۔ اچانک نافع کی حالت بدل گئی اور خستہ ناک لہجے میں

رحیم پر سورج کی کرنیں پھیلی چاندی اور تہا سونا بکھیر رہی تھیں، عامر اپنے گھر سے نکلا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور اسے میانہ روی سے ہانکتا ہوا وہ اس طرف جا رہا تھا۔ ماں محسب جمال الدین کے تحت کام کرنے والے معافوں کا مرکز تھا۔ اپنی ہمسائی نامہ کے مکان سے وہ چند ہی قدم آگے بڑھا ہو گا کہ اسے اپنے سامنے گلی کے اندر سوانی چیخ باری سنا دی۔ عامر ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس نے دیکھا کہ گلی کے چھوٹے کنوئیں سے پانی بھرنے کے بعد شامہ اپنے گھر کی طرف جانے ہی والی تھی کہ دو نوجوانوں نے اُسے پکڑ لیا۔ شامہ بڑی طرح چلا اور بے بسی کی حالت میں ان کی منت سماجت کر رہی تھی۔ ”چھوڑ دو مجھے! میں خداوند کا واسطہ مجھے تنگ نہ کرو۔“

شامہ کی التجا پر کان دھرے بغیر وہ اسے ایک طرف کھینچنے لگے تھے۔ جب کہ نامہ اپنے آپ کو ان کی گرفت سے آزاد کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ اسی شمش میں پانی کا برتن شامہ سے چھوٹ گمز میں پرگرا اور پاش پاش ہو گیا۔ بے بس ہو کر شامہ زور زور سے مدد کے لیے پکارنے لگی تھی۔ یہ سنا دیکھتے ہی مرنے اپنے گھوڑے کو ایک سخت ہمیز لگا دی تھی اپنے گھوڑے کو سر پٹ دوڑا کر وہ کنوئیں کے قریب نیچے اُترا۔ پلک جھپکنے میں اس نے شامہ سے اُلٹنے والے دونوں نالوں کی گمزدہ پکڑیں اور دونوں کے سر پوری قوت سے آپس میں ٹکرائے۔ پھر عامر پر تھوٹی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اس نے ان دونوں پر گھونسوں کی بارش شروع کر دی تھی۔ انہیں عامر پر ہاتھ اٹھانے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ پھر وہ دونوں مجرم تھے اور جرم کے احساس نے انہیں اور زیادہ بزدل بنا با تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ یونہی عامر کے ہاتھوں پٹتے رہے۔ پھر وہ جان بچا خاطر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کیونکہ انہیں یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر محلے کے لوگ درمکن کر باہر آگئے تو ان کی زندگی موت کا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہو گا۔ ان کے بھاگ جانے شامہ کے چہرے پر حیات بخش رنگ بکھر گئے تھے بالکل اس مسافر کی طرح جس

اس نے کہا۔ اے میرے بیٹے! اپنے مقصد کو اپنی زندگی کی طرح عظیم جان کر رکھنا۔ میں جانے لگا ہنگاموں کے اونگھتے ضمیر کو جھٹکے دیتے ہوئے لوگ تم پر آفاق تنگ کر دیں گے۔ تر و افکار نہ ہونا اور بیداری و حق پرستی کا احساس لے کر آگے بڑھتے رہنا۔ خدائے بزرگ برتر تمہاری نصرت و راہنمائی کرے گا۔ آداب و دونوں مل کر دکان میں کام کریں۔ کسی گاہک کو مایوس کرنا کام نہ لونا پڑے۔

عامر نے اپنے باپ کا ہاتھ بڑی عقیدت سے تھامتے ہوئے کہا۔ آپ آرام میں اکیلا ہی دکان کا سارا کام ختم کر دوں گا۔ نافع بن کعب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لگی تھی اور وہ کوئی جواب دینے کے بجائے خاموش رہا۔ عامر اُٹھ کر دکان میں دا ہوا۔ پہلے اس نے بھٹی گرم کر کے لوہے کی سلاخوں کو گرم سرخ انگاروں میں رکھا لوہے کے ٹکڑے سرخ ہو گئے تو اس نے تھوڑا سنبھال لیا اور اپنی تیز ضربوں۔ وہ لوہے کی سلاخوں کو تلواروں اور خنجروں کی شکل دینے لگا تھا۔

عامر آندھی اور طوفان کی طرح اپنے کام میں مصروف تھا کہ ایک لڑکی میں داخل ہوئی وہ جوان حسین اور پراز جمال تھی۔ وہ شامہ تھی، عامر کی ہمسائی و مشق شہر کی عیسائی رقاصہ۔ چند لمحوں تک وہ خاموش کھڑی عامر کو دیکھتی رہی پھر پُرشوق آواز میں اس نے پوچھا۔ ”کیا کر رہے ہو عامر؟“ عامر نے بے اعتنائی اور بے حسّی میں کہا۔ ”دیکھ تو رہی ہو کیا کر رہا ہوں۔ یاد رکھو! تیرے اور میرے کام فرق ہے۔ تم جسم کا رقص کرتی ہو۔ میں اپنے بازوؤں اور تلوار کا رقص کرتا ہوں۔ تیرے اور عیاں جذبول میں کوئی آتش ناک نہیں ہے۔ جب کہ میرے حملوں میں سبکیاں سلسا ہے۔ جاؤ اپنے گھر چلی جاؤ کہ میرے اور تمہارے درمیان ایک بعد و دوری ایک اور ایک آ رہے۔ شامہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ چند ثانیوں تک وہ بڑی حسرت سے کو دیکھتی رہی پھر اپنے آنسو پونچھتی ہوئی وہ باہر نکل گئی تھی۔

دوسرے روز صبح سویرے جب کہ سورج طلوع ہو رہا تھا اور کائنات

بے بڑھا اور اپنی پوری قوت سے چلاتے ہوئے اس نے عامر سے کہا۔ آگے بڑھو! بیٹ جاؤ ان پر کہ میرا رب جو بیدار اور منصف ہے تمہاری حفاظت کرے گا۔ ہو تمہارے سامنے ان کی حالت ایسے ہی ہے جیسے عقاب کے سامنے گرگس اور عقاب کے سامنے گرگس کا احتجاج کوئی حیثیت اور وقعت نہیں رکھتا۔ عامر ہمہ سوز، سموم اور طوفانِ بلاخیز کی طرح اپنے ساتھیوں کے ساتھ لڑنا بہزوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔ بہزوں نے عامر اور اس کے ساتھیوں کے حصارِ اندر سے نکل بھاگنا چاہا۔ لیکن ان کی حالت ان بکریوں جیسی ہو گئی تھی جو خونخوار ہوکے بھیڑیوں کے اندر گھر گئی ہوں۔ چند ہی لمحوں تک عامر نے ان پر قابو ور وہ سب نقدی کی تھیلیاں پھینک کر بھاگ چکے تھے۔ اپنے ساتھیوں ساتھ عامر نے تھیلیاں اٹھائیں اور اسی سمت لوٹا جس سمت سے وہ المیزغانی دمیوں کا تعاقب کرتا ہوا شہر میں داخل ہوا تھا۔ جب وہ اپنا گھوڑا سرپٹا ہوا بڑھے عیس کے پاس سے گزر رہا تھا تو عیس نے چلاتے ہوئے کہا۔ ”اے مشق کے فرزند مہربان! تو وحشت و بربریت کی ستم آرائیوں کے دل میں غریبوں کی حمایت میں خوب کفارہ ادا کرتا ہے۔ خدا کرے تو ان بے کوکچے دھاگے اور ریت کے گھروندے سمجھ کر ان پر اعضا شکنی طاری کرتا رہے۔ اے نافع کے نیک نژاد فرزند! میرا رب تجھے نیکی کے کاموں میں بے چین ل کاخروش، فطرت کی نشنماں چمک اور شرارِ بدق بنائے رکھے۔ اے کے اونگھتے لوگوں کو جگانے والے رات کے مسافر! تو ایک گنہگار مجاہد ہے رکھو آزادی کی تاریخ کو گنہگار مجاہد ہی اپنے خون سے رنگین حروف ہیں ہیں۔ میرا رب تیری نگاہوں میں عقاب کی سی تیزی اور تیرے سر پر طلسماتی لہریں رنگوں جیسی خوب صورت کامیابی کا سایہ برقرار رکھے۔

عامر نے سرگھا کر مسکراتے ہوئے عیس کی طرف دیکھا تھا پھر وہ اپنے دل کے ساتھ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا شہر سے باہر نکل گیا تھا۔ ان

کے سامنے جاڑے کی ٹھٹھرتی لمبی سیاہ رات میں آگ کا الاؤ روشن کر دیا گیا ہوا۔ نے عامر کی طرف مسکرا کر دیکھا اور اس کی اس مسکراہٹ میں بے لوثی، جاں نثار اور خلوص تھا۔ عامر نے کوئی اثر نہ لیا اس کے چہرے پر وہ دور تک بے بسی بے اعتنائی تھی۔ پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور ایڈر لگا کر آگے بڑھ گیا اور شامہ صحرائیں تپتے تنہا درخت کی طرح خاموش و لڑکھڑی رہ گئی تھی۔



مشق کے ایک پر رونق چوراہے میں ان گنت لوگ دائرے کی صورت میں گھڑے تھے اور اس دائرے کے اندر حسین شامہ قص کر رہی تھی کہ یہ اس پیشہ تھا اور اسی سے وہ اپنی گزر بسر کرتی تھی۔ لوگوں کے اس اجتماع کے قمر ہی بوڑھا اور بزرگ عیس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بربط تھا اور سر جھکا وہ نہ جانے زندگی کی کن تاریک الجھنوں میں کھویا ہوا تھا۔ اچانک بوڑھا عیس گھوڑوں کی ٹاپیں سن کر چونک اٹھا۔ اس نے جب سر اٹھا کر سامنے دیکھا اسے احساس ہوا چوک میں کئی گھوڑے سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

کچھ دیر تک بوڑھا عیس اپنی جواب طلب نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر شاید اُنہیں پہچان گیا کیونکہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اس نے دیکھا عامر بن نافع اپنے ساتھیوں کے ساتھ ظہر المیزغانی کے لیٹروں کا تعاقب رہا تھا۔ عامر کو دیکھتے ہی لوگ شامہ کا قص دیکھنا بھول گئے اور ہر طرف سودا بکھڑا ہوا۔ ”عقاب آگیا عقاب!“

چوک میں آکر عامر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے سارے دشمنوں کو نذرے میں لے لیا تھا۔ چوک میں لوگوں کے اجتماع کے اندر سے طرح طرح کی آوا بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں جو سب عامر کی حمایت میں تھیں۔ بوڑھا عیس بھی اٹ

سب کا رخ ان نواحی بستیوں کی طرف تھا جہاں سے المرزغانی کے آدمی لوٹ مار کے لوٹے تھے۔ شاید وہ وقت ضائع کیے بغیر نقدی کی تھیلیاں ان کے اصل مالکوں تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔

○

دشمن کا وزیر بڑا ہر المرزغانی ایک روز اپنے دیوان خانے میں بیٹھا کہ وہ سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ بار بار بیرونی دروازے کی طرف دیکھ لیتا تھا جیسے کہ آنے والا ہو اور وہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا ہوں، چند ہی لمحوں بعد کڑیل اور لمبے قد کے جوان دیوان خانے میں داخل ہوئے اور بڑا ہر المرزغانی کے سامنے بیٹھ گئے۔ ان دونوں کی شکلیں آپس میں ملتی تھیں اور لگتا تھا جیسے وہ دونوں بھائی ہوں۔ ان دونوں کے نام پولوس اور مقلاج تھے۔ دونوں اسکے بھائی اور منافق تھے۔ بظاہر وہ مسلمان تھے لیکن اصلاً وہ عیسائی تھے اور اسماعیلی فرقے کے لیے کام کر رہے تھے۔ دشمن میں جس قدر اسماعیلی تھے المرزغانی ان دونوں بھائیوں کی مدد سے ان سب کو اپنی حمایت پر آمادہ کر رکھا تھا۔ علاوہ مقلاج المرزغانی کے لڑکوں کو تنبیہ زنی کی تربیت دینے کا استاد بھی تھا۔ المرزغانی نے ان دونوں بھائیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ کیا تم دونوں قدر مخبر اور بے دست ہو گئے ہو کہ تم عامر بن نافع کی روک تھام نہیں کر سکتے وہ جب اور جہاں چاہتا ہے ہمارے آدمیوں کو لوٹ کھسوٹ لیتا ہے۔ اگر اگلے ارادوں کے آگے بندھنا باندھا گیا تو یاد رکھو ایک روز ہماری اپنی گردن پر بھی وہ تیز زہریلی تلوار بن کر لہرا رہا ہوگا۔

پولوس نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ اگر ہم اس کا خاتمہ کر دیں تو آ کوئی اعتراض ہے۔ المرزغانی نے پرسکون لہجے میں کہا۔ اگر تم اس کا خاتمہ کرے تو یہ ہمارے حق میں ایک نیک فال اور اچھا تسکون ہوگا۔ پولوس نے چھاتی تباہ ہوئے کہا۔ تو پھر ہر روز انتظار کیجیے۔ عنقریب آپ سب سے گئے کہ عامر بن نا

یسی گناہ قاتل کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔

تھوڑی دیر اور بیٹھ کر پولوس اور مقلاج المرزغانی کے ساتھ عامر کے تل پر بحث کرتے رہے۔ اس کے بعد دونوں بھائی وہاں سے اٹھ کر چل دیے جب وہ دروازے کے پاس پہنچے تو مقلاج نے وزیدہ نگاہوں سے المرزغانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کیا یہ بہتر نہ ہوگا جس روز عامر بن نافع قتل ہوا اسی رات ہم دشمن کی حسین قاصدہ شامہ کو یہاں اٹھا لائیں۔ اس نے ہمیشہ ہمارے ارادوں اور خواہشات کی توہین کی ہے۔ یہاں آکر اسے ہماری ہر آرزو اور ہر خواہش کا احترام کرنا ہوگا۔ عامر پولوس اٹھ ڈالے گا اور شامہ کو میں اٹھا لاؤں گا۔

المرزغانی نے عیار نہ اور مکر وہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ تمہارا یہ اقدام نہایت نفع بخش اور دلچسپ ہوگا۔ پھر وہ دونوں بھائی مڑے اور دیوان خانے سے باہر نکل گئے۔

○

شام گری رات میں دھلتی جا رہی تھی۔ چاروں طرف ظلمت سیاهی، ریکی اور اندھیرا پھیل گیا تھا۔ فضا میں خاموش اور چپ تھیں جیسے سحر سامری کا کار ہو گئی ہوں۔ کائنات کی ہر شے ساکن تھی گویا ازلی اور وہی قوتوں نے ان سے لڑتے کے گیت چھین کر ان کے لبوں پر سکوت کی مہر لگا دی ہو۔

عامر گھوڑے پر سوار اپنے گھر میں داخل ہوا۔ چھپرنا اصطبل میں اپنا گھوڑا بندھ کر جب وہ اس کمرے میں داخل ہوا جس میں بھٹی تھی تو اس نے دیکھا اس کا بوڑھا پاپو ذرنی تھوڑا تھا کام میں مصروف تھا۔ عامر نے آگے بڑھ کر اپنے باپ سے عورت لے لیا اور شکایت آمیز آواز میں کہا۔ میں نے آپ سے کہا بھی تھا آپ کام نہ کریں، میں رات کو سارا کام نٹالوں گا پھر آپ نے تھوڑا کیوں سنبھال لیا۔

بوڑھے نافع بن کعب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اے میرے بیٹے پہلے کھانا الو پھر کام کرنا۔ عامر نے تھوڑے کا دستہ زمین پر مار کر اسے ٹھونکتے ہوئے کہا۔ اے امام یوسف نے بلایا تھا۔ میں ان کے ہاں سے کھانا کھا کر آ رہا ہوں۔ نافع جب

کا پھیلاؤ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ صحرائی رات کی اس خاموشی میں زمین پر دریائے ابانا کے بہتے پانی کے دھیمے راگ نے اور فضاؤں میں اپنے اپنے آشیانوں کو جاتے ہوئے صحرائی پرندوں کی ملوکانہ آوازوں نے چاروں طرف لذت کش نغمگی، آسودہ و مسرت زمزمے اور آرزو انگیز حرارت پھیلا دی تھی۔

عامر دریا کے کنارے اپنے گھوڑے کو بھگتا جا رہا تھا۔ اب اس کی منزل بھی نزدیک آگئی تھی۔ ایک دم وہ چونک اٹھا اور فوراً اپنے گھوڑے کی بائیں کھینچ کر اس نے گھوڑے کو روک لیا تھا۔ فضاؤں کے اندر سیاہ پوش رات میں ایک چمک دوزخ جگمگاتی ہوئی تھی اور رات کے سکوت آلود دھندلے حرفِ ناز کش کش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ عامر کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ چنچ ایک بار پھر کچھ اس طرح بند ہوئی جیسے دُور افتادہ افق کے تلخے دھبوں میں ہوا کے بے نشان جھونکے سسکیاں بھرنے لگے ہوں۔ آواز کسی نوجوان اور نوجیز لڑکی کی تھی۔

عامر نے اپنے گھوڑے کو آواز کی سمت ایڑ لگا دی۔ تھوڑی دُور آگے جا کر اس نے دیکھا دریا کے کنارے چار گھوڑے سوار کھڑے تھے جن میں سے ایک اپنے گے ایک نوجیز لڑکی کو دبوچے ہوئے تھا۔ جو اس بے رحم بھیرے سے اپنا آپ چھڑا کر لاکوشتش کر رہی تھی جب کہ دریا کنارے ریت پر ایک جوان زخمی حالت میں کراہ رہا تھا اور اس کے قریب ہی دو فالتو گھوڑے کھڑے ہوئے تھے۔

عامر جب نزدیک ہوا تو وہ ان چاروں گھوڑوں کو پہچان گیا۔ ان میں سے بس پولوس تھا جس نے طاہر المزغانی کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ مناسب موقع دیکھ کر عامر کو قتل کر دے گا اور دوسرے تین سوار اس کے ساتھی تھے۔ شاید پولوس کو مائیکہ خمریوں نے اطلاع کر دی تھی کہ عامر اپنے قبیلے میں جا رہا ہے لہذا اس نے ملکہ کر کے کہ وہ راستے میں ہی عامر کو ختم کر دے گا۔

عامر کو دیکھتے ہی پولوس نے لڑکی کو نیچے گرا دیا اور وہ بھاگ کر اس جوان بیکھنے لگی جو زخمی حالت میں ریت پر پڑا کراہ رہا تھا۔ عامر کی عقابانی لگا ہوں میں

باہر نکلنے لگا تو اسے پھر کوئی بات یاد آگئی اور عامر سے کہا۔ آج قبیلے کا ایک آدمی تمہارے چچا کا پیغام لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا ابھیجا ہے کہ اپنے باغات اور فصل خریف کی آمدنی آکر لے جاؤ۔ میرا ارادہ ہے تم کل قبیلے میں چلے جاؤ اور اپنی رقم جاکر لے آؤ۔ عامر نے بڑی نرمی سے کہا۔ آپ مطمئن رہیں میں کل قبیلے میں جا کر چچا سے رقم لے آؤں گا نافع باہر نکل گیا اور عامر اپنے کام میں لگ گیا تھا۔



دوسرے روز عصر کی نماز کے بعد اپنے چچا کے پاس نبو عبس میں جانے کے لیے عامر اپنے گھر سے روانہ ہوا۔ دمشق سے نکل کر وہ دریائے ابانا کے کنارے کنارے شمال کی طرف بڑھنے لگا۔ یہ دریا کوہستان حرمل کی طرف سے آتا ہے۔ پہاڑوں سے نکلنے کے بعد یہ مشرق کی طرف رخ کر کے دمشق کی طرف آتا ہے۔ اسی دریا کے دائیں کنارے زیدانی اور بردہ کی وادیاں ہیں اور ان ہی وادیوں میں عرب کے مشہور قبائل بنو عبس اور بنو زیدان آباد تھے۔ زمانہ جاہلیت سے ہی ان دونوں قبائل میں دشمنی و حقپیش چلی آتی تھی اور دونوں قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔

جس وقت عامر اپنے گھوڑے کو بھگتا ہوا دریائے ابانا کے کنارے کنارے شمال کی طرف جا رہا تھا اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور شام کے غمگین اندھیرے پھیلنے لگے تھے۔ ہوا بہت تیز ہو گئی تھی اور طوفانی شام کے ٹھٹھکے سکوت میں کہہ

۱۔ دریائے ابانا کا دوسرا نام دریائے بردی ہے تاہم توریت میں اسے دریائے ابانا لکھا گیا ہے۔ ۲۔ دریائے اگے چل کر پانچ شاخوں میں بٹ جاتا ہے اور اس کا پانی دمشق کے ان باغات کو سیراب کرتا ہے جو انعطوہ کے نام سے مشہور ہیں۔

۳۔ کوہستان حرمل لبنان کا مشرقی پہاڑی سلسلہ ہے اس کی بلندی ۹۳۸۳ فٹ ہے۔ ۴۔ زیدانی اور بردہ وہی وادیاں ہیں جن کے اندر سے آج کل وہ ریلوے لائن گزرتی ہے جو شام کے دارالحکومت دمشق اور لبنان کے دارالحکومت بیروت کو آپس میں ملاتی ہے

نواب سے بیدار ہونے والے اڑدھے کی سی چمک آگئی تھی۔ اس نے سخت آواز میں پوچھا۔ پولوس! پہلے تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ لوٹ مار کا کام کرتے تھے اب تم نے لوگوں کی عصمتوں کو کھلونا بنانا بھی شروع کر دیا ہے۔

پولوس نے بڑے گھمنڈ اور تکبر میں کہا۔ ہمارا اصل شکار تو تم ہو۔ یہ لڑکی تو دمشق سے آتی ہوئی اتفاقاً ہمارے ہاتھ لگ گئی ہے۔ یاد رکھو میں نے کسی کے ساتھ تمہارے قتل کا وعدہ کر رکھا ہے اور یہ عہد آج میں ضرور پورا کروں گا۔

عامر نے غصے میں شعلے کی طرح چمکدار اور گرج کی طرح وزنی آواز میں کہا پولوس! میں کوئی ابراہیم کا نکڑا نہیں کہ تم سوا بن کر مجھے اڑا دو۔ تمہیں میری تلوار کا سامنا کرنا ہوگا اور میری تلوار کی کاٹ ایسی ہے کہ وہ تیری رُوح کی تڑپ اور زندگی کے ثبات و دوام کو کاٹ کر رکھ دے گی۔ عامر کا پھر بارعب نوا اور پشوک لہجے میں کہا۔ اے بد باطن منافق! اے بشر غلیظ! آگے بڑھو اور دیکھو کس کا انجام عبرت انگیز ہوتا ہے۔

پولوس اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر عامر کے گرد گھیر ڈالنے لگا تھا۔ عامر نے اپنے چہرے پر خود کا نقاب گر لیا تھا اور تلوار اور ڈھال سنبھالنے کے بعد اس کی آنکھوں میں چیتے کی سی چمک اور چوڑے پھن والے ناگ کی سی خوفناکی چھا گئی تھی۔ اس کے چٹانوں میں ڈھلے جسم میں زندگی کی پوری حرارت حرکت میں آچکی تھی۔ اس کے چہرے پر جنگلی جلال اور وحشی تمرا نیت چھا گئی تھی۔ ایک دم اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا شاید پہلے ہی اپنے مالک کے اشارے کا منتظر تھا ایک دم بائیں طرف مڑ گیا۔

عامر سیلاب کے ریلے اور بجلی کے خوفناک کوندے کی طرح حملہ آور ہوا اور پولوس کے دو ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر رکھ دیا تھا۔ اتنی دیر تک پولوس اور اس کا ایک ساتھی بھی عامر پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ عامر نے پھر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ذرا ہٹ کر بائیں طرف سے گزرتا ہوا وہ پولوس کے آخری ساتھی کی گردن بھی

کاٹ گیا تھا۔

پولوس وحشت زدہ کھڑا عامر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اُجڑے اور پرانے معبد کی سی اُداسی اور مایوسی کے اندھیرے کی گہرائی تھی۔ عامر اسے چیلنج دیتی نظروں سے گھور رہا تھا۔ پھر جنگاریوں کی طرح بھڑکتی آواز میں عامر نے کہا۔ پولوس! مرگ کا یہ کھیل اتنا آسان نہیں جتنا جان کر تم نے کسی سے میرے قتل کا وعدہ کر کے دریاے ابالکے کنارے میری راہ روکی ہے۔ یاد رکھو تمہارے ساتھیوں کی طرح دریا کا یہ کنارہ تمہاری مرگ کا گاہ بنے گا۔

پولوس نے نہ جانے کیا سوچا ایک دم اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ دمشق کی سمت بھاگ کھڑا ہوا۔ عامر نے چلا کر کہا۔ پولوس! مجھ سے بھاگ سکتا ہے اسان نہیں ہے، ساتھ ہی عامر نے اپنا بھاری خنجر نکالا اور تاک کر مارا جو پولوس کی پشت سے ہوتا ہوا اس کے سینے سے پار ہو گیا تھا۔ پولوس ایک وحشت ناک رنج کے ساتھ گھوڑے سے گر گیا تھا۔ عامر بھی اپنے گھوڑے سے اترا اور سسکتے ہوئے پولوس کی گردن کاٹ دی تھی۔

اپنی تلوار اور خنجر پونچھ کر میان میں ڈالتے ہوئے عامر اس لڑکی کی طرف بڑھا۔ زخمی جوان کا سر اپنی گود میں رکھے بیٹھی تھی۔ چاندنی رات میں عامر نے دیکھا اس جسم جوانی اور شباب میں خوب بھرا بھرا تھا۔ آنکھیں چمکیں اور چہرے پر کھوار اپنے اتارنی تھی۔ صحرا کے نارنجی پھول کی طرح اس کے چہرے پر حسن کا ریلہ پن اور تابندہ قیاسی طفلانہ سادگی تھی۔ اس کے حسن میں صحرا کا اچھوتا پن تھا۔

عامر آگے بڑھا اور مہر دوی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ تم کون ہو؟ نا ہونے والے جوان سے تمہارا کیا رشتہ ہے اور تم دونوں کہاں جا رہے تھے؟ لڑکی نے اپنی پُرا سر اور گرم نکایں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں رکاری تھی۔ پھر فضا میں اس کی آواز بند ہوئی جیسے جیسے ظنورے کا ماش جیسے ارغفون کی نغمہ سرائی۔ یہ زخمی ہونے والا جوان میرا بھائی ہے۔ ہمارا

خود کا نقاب گرایا ہوا تھا۔ چند ثانیوں بعد وہ کھجور، انار، سیب اور انجیر کے باغوں میں سے گزرتے ہوئے ایک بہت بڑی بستی میں داخل ہوئے جس کے شمال اور مغرب میں کوہستانی سلسلہ تھا جب کہ مشرق اور جنوب میں دُور دور تک باغات اور سرسبز کھیتیاں تھیں۔ شمال اور مغرب کا کوہستانی سلسلہ بھی چنار و دیودار اور پھلدار درختوں سے اُٹا پڑا تھا۔ جس نے ماحول کو انتہائی خوب صورت اور جاذبِ نظر بنا دیا تھا۔ جب وہ بستی میں داخل ہوئے تو ولید نے کہا

”میرے محسن! یہ ہماری بستی ہے اس کا نام حوران ہے اور اس کے جنوب مغرب اور جنوب مشرق میں دریائے اباناکے معاونوں تک جس قدر بستیاں ہیں وہ سب بنو زیباں کی ہیں، شاید میں تمہیں یہ بتانا بھول گیا تھا کہ میرا باپ سالم بن عقبہ بنو زیباں کا سردار بھی ہے۔“

عامر نے مدہم سی آواز میں کہا۔ ”میں جانتا ہوں۔“ ولید نے تعجب خیز لہجے میں پوچھا۔ ”آپ کیسے میرے باپ اور ہمارے قبیلے کو جانتے ہیں؟“ عامر نے بات کو ختم کرنے کی نیت سے کہا۔ ”کبھی وقت آیا تو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔“

ولید خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد نائرہ کے پیچھے پیچھے وہ ایک وسیع جھیلی میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ صحن میں چند مسلح جوان اور ایک باوقار شخصیت کا بوڑھا کھڑا ہوا تھا۔ نائرہ جب گھوڑے سے اُتری تو اس بوڑھے نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ ”میری بیٹی! تم نے بہت دیر لگا دی۔ میں تم دونوں بہن بھائی کے لیے سخت فکر مند ہو رہا تھا اور اب میں چند مسلح جوانوں کو تم دونوں کی تلاش میں دمشق کی طرف بھیجنے والا تھا۔ پھر اس بوڑھے نے عامر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ یہ مسلح جوان جس نے اپنا چہرہ خود کے نقاب سے ڈھانپ رکھا ہے کون ہے اور اس کے آگے ولید نہڑا اور تھکا تھکا

تعلق عربوں کے قبیلے بنو زیباں سے ہے۔ ہم دونوں بہن بھائی دمشق سے آ رہے تھے کہ ان بد معاشوں نے میرے بھائی کو زخمی کر کے مجھے اغوا کر لینا چاہا۔ میں آپ کی احسان مند ہوں کہ آپ نے میری عزت بچائی۔“

چند لمحوں تک فضا میں لامحدود خاموشی طاری رہی۔ پھر عامر آگے بڑھا اور لڑکی کے بھائی کا جائزہ لیا۔ وہ بُری طرح زخمی تھا۔ عامر جھاک کر اپنے گھوڑے کی طرف آیا۔ خرچین کے اندر سے اس نے مرہم پٹی کا سامان نکالا۔ پہلے اس نے دریائے اباناکے پانی لے کر اس کے زخم دھوئے پھر زخموں پر مرہم لگا کر پٹیاں باندھ دی تھیں زخمی ہونے والے جوان نے تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ تم ہم دونوں بہن بھائی کے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو۔ تمہارا نام کیا ہے۔

عامر نے بڑی ہمدردی سے کہا۔ ”میں عامر بن نافع ہوں۔ تمہارا نام کیا ہے۔ اس جوان نے کہا جتے ہوئے کہا۔ ”میں ولید بن سالم ہوں یہ میری چھوٹی بہن نائرہ بنت سالم ہے۔ ہمارا باپ بنو زیباں کا ایک مشہور تاجر ہے۔“

عامر آگے بڑھا اور ولید کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اُڈھائیٹھاتے ہوئے کہا۔ ”چلو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں۔ ولید خاموش رہا اور تشکر آمیز نگاہوں سے عامر کی طرف دیکھتا رہا۔ عامر اسے اپنے گھوڑے پر بٹھانے کے بعد خود بھی اس کے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کی پیٹھ اپنی چھاتی سے لگا کر اسے سہارا دیتے ہوئے اس نے نائرہ سے کہا۔ آپ اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر ہمارے آگے آگے چلیے اور اپنی بستی کی طرف میری راہنمائی کیجیے۔“

ناائرہ چپ چاپ ایک گھوڑے پر سوار ہوئی اور اسے اڑ لگا کر لگا دیا۔ اس کے پیچھے پیچھے عامر نے بھی اپنے گھوڑے کو ہمیز لگا دی تھی۔ فالتو بھی ان کے ساتھ چلنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر تک دیا کے کنارے کنارے آگے بڑھنے کے بعد وہ بائیں طرف مڑ کر وادی بردہ میں داخل ہو گئے تھے۔ عامر نے ابھی تک اپنے چہرے پر اپنا

لہ حوران نام کی بستی اب بھی دمشق کے نواح میں موجود اور آباد ہے۔

ہو سکتا ہے۔ ایک عرب کا محسن اسے اپنا چہرہ دکھائے بغیر رات کی تاریکی میں کیونکہ
جنیوں کی طرح یہاں سے رخصت ہو سکتا ہے۔ اپنے چہرے سے خود کا نقاب ہٹا
دیویر نے محسن ورنہ میں خود آگے بڑھ کر یہ نقاب ہٹا دوں گا۔

عامر نے چند لمحوں تک اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ کچھ سوچا پھر اس نے اپنے
چہرے سے خود کا نقاب ہٹا دیا تھا۔ سالم بن عقبہ کے پاس کھڑے بنو زیان کے ایک
سلاح جو ان نے چلا کر کہا۔ میں اسے ابھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بنو عبس کا عامر بن نافع
ہے۔ اس کا باپ امن پسند ہے اور وہ قبائلی جنگوں سے تنگ آ کر دمشق چلا گیا
تھا جہاں وہ آہن گر کا کام کرتا ہے۔ پھر اس سلاح جو ان نے سخت غصے اور غضب
کی حالت میں سالم کو مخاطب کر کے کہا۔

”سر دار! بنو عبس کا یہ جوان آج یہاں سے بچ کر نہ جائے۔ یہ گھر اس
کی قتل گاہ بنا چاہیے۔ تاکہ بنو عبس کو ہم ایک کرٹیل جوان سے محروم کر دیں جو انڈہ
قبائلی جنگوں میں ان کی مدد کر سکتا ہے۔“

عامر نے فی الفور اپنی تلوار بے نیام کر لی۔ اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی۔
گویا وہ کسی رسم قدیمانہ کی ابتداء کرتے ہوئے رستم کی آندھی اور لہو کی بارش برپا کرنے
کا عزم کر چکا ہو۔ پھر اس نے اپنے لہجے کی بھرپور سنگینی اور مخصوص صحرائی انداز
بیان میں کہا۔ اے جوان! تیری باتوں میں ٹھنڈ اور کبر ہے۔ تیرا لہجہ متبدل اور
حقیر ہے۔ کاش اس گھر کو رزم گاہ بنانے کی بجائے تو نے مجھے کسی مرگ کے کھیل
میں پکارا ہوتا، کسی موت کی وادی میں مجھے صدادی ہوتی تو میں تیرے تصورات کے
بت توڑ دیتا۔ تیری ان گنت صدیوں کی تاریکی کو مٹا ڈالتا۔ اب بھی اگر تیری ترغیب
اور تحریص بڑھی تو یاد رکھ میری تلوار کی زبان تجھے خمیدہ سر بے کلاہ اور سر بریدہ کر
دے گی۔

نائرہ بے چاری کمرے کے ایک کونے میں بچھے ہوئے شعلے کی طرح اداس اور
بے صدا روشن ستاروں کی طرح خاموش اور چپ کھڑی تھی۔ عامر کی آواز پھر کمرے

کیوں بیٹھا ہوا ہے۔

قبل اس کے کہ نائرہ جواب میں کچھ کہتی عامر اپنے گھوڑے سے اتر آ اور
اس بوڑھے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ کا نام سالم بن
عقبہ ہے اور آپ بنو زیان کے سردار ہیں۔ اس بوڑھے نے گھبرائے ہوئے لہجے
میں کہا۔ اے جوان! تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں ہی سالم بن عقبہ ہوں
عامر نے کوئی جواب نہ دیا اور جب وہ ولید کو سہارا دے کر نیچے اتارنے لگا تو سالم
بن عقبہ چلا اٹھا۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ میرے بیٹے کے کپڑے خون آلود کیوں
ہیں۔ اس کے شانوں کی پچھلی طرف پٹیاں کیوں بندھی ہیں، کیا یہ زخمی ہے۔“

عامر ولید کو گھوڑے سے اتار چکا تھا۔ سالم کی بات کا کوئی جواب نہ
کیا اور نائرہ نے حویلی کے ایک کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ آپ انہیں اٹھا
کر اندر لے آئیں۔ عامر چپ چاپ ولید کو اٹھائے نائرہ کے پیچھے ہو گیا۔ سالم
بن عقبہ اور اس کے ساتھ تینوں سلاح جو ان بھی ان کے ساتھ ساتھ کمرے کی طرف
چلے گئے تھے۔ نائرہ کے کہنے پر عامر نے ولید کو ایک پلنگ پر لٹا دیا۔ سالم
بن عقبہ نے پھر ولید کے زخمی ہونے کی وجہ پوچھی اور جواب میں نائرہ نے اسے پو
داستان کہہ دی تھی۔

سالم بن عقبہ نائرہ سے پوری داستان سننے کے بعد عامر کی طرف مڑا
بڑی شفقت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے اجنبی! تو نے میری بیٹی
عزت اور میرے بیٹے کی جان بچا کر اس گھر پر عظیم احسان کیا ہے۔ تم اس گھر
محسن ہو۔ اپنے چہرے سے اپنے خود کا نقاب ہٹا دو کہ میں دیکھوں میرا محسن
ہے۔ عامر نے مدھم آواز میں کہا۔ ”میں اب جاتا ہوں۔ میرا چہرے سے نقاب
ہٹانا یہاں کئی مسائل کھڑے کر دے گا اور میں ان تعصباتہ مسائل سے پہلو تہی کر
یہاں سے چلا جانا چاہتا ہوں۔“

سالم بن عقبہ نے بڑی بے تابی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ایسا کیوں

میں گونجی۔ اب بھی اگر تجھے کوئی شک، کوئی شبہ ہے تو آگے بڑھ لاریب کے تو اپنی قضا کو آواز دے گا۔

وہ جوان اپنی تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھنے لگا تھا کہ سالم بن عقبہ گرج کر کہا۔ عبداللہ! اپنی تلوار نیام میں کر لو۔ عامر بن نافع گو عبسی ہے کیا یہ اس گھر کا ہی نہیں بنو زیان کا محسن ہے۔ اپنی تلوار نیام میں کر لے عبداللہ! میں خود تیرے لیے پیام موت بن جاؤں گا۔ عبداللہ نے تلوار نیام میں کر لی اہٹ کر اپنے دونوں مسلح ساتھیوں کے قریب جا کھڑا ہوا۔

سالم بن عقبہ نے عامر کو مخاطب کر کے کہا۔ اے جوان! کیا تو بن کعب کا بیٹا اور بنو عبس کی بستی بلاس کے عمرو بن کعب کے بھتیجے ہو نے اپنی تلوار نیام میں کرتے ہوئے کہا۔ ہاں میں نافع بن کعب کا بیٹا اور کعب کا بھتیجا ہوں۔ مجھے اب اجازت دیں۔ میں یہاں سے رخصت ہوں۔ پلنگ پر زخمی حالت میں پڑے ولید نے پہلی بار بولتے ہوئے کہا من! آج کی شب ہمارے ہاں قیام کرو۔ آج سے تم میرے بھائی اور باز تمہاری مہانداری اور خدمت کر کے ہمیں خوشی ہوگی۔ عامر نے مغرور لہجے میں کہا۔ میں ضرور رک جاتا لیکن میں ایک اہم کام کے سلسلے میں اپنے چ کعب کے پاس بلاس جا رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی عامر کمرے سے نکل آیا کی باگین سنبھالیں اور سالم بن عقبہ کی حویلی سے باہر نکل گیا تھا۔

بنو زیان کی بستی حوران سے نکل کر شمالی کوہستانی سلسلے سے عامر شمال کی طرف بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ عشاء کی اذان کے وقت وہ قبیلے بنو عبس کی بستی بلاس میں اپنے چچا کے دروازے پر دستک دے، تھوڑی دیر بعد ایک جوان نے دروازہ کھولا اور عامر کو دیکھتے ہی وہ آ

اس سے بغل گیر ہو گیا۔ وہ عامر کا چچا زاد بھائی عدنان تھا۔ اتنے میں گھر کے اندر سے کسی لڑکی کی آواز سنائی دی۔ انھی! کون آیا ہے اور آپ دروازے پر ہی کیوں کھڑے ہیں۔

عدنان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جس کا تم روز انتظار کرتی رہی ہو وہی آ گیا ہے۔ وہ لڑکی دروازے کی طرف بھاگی اور عامر کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں اپنے بھائی کو خوش آمدید کہتی ہوں۔ پھر وہ دونوں عامر کو صحن میں اس جگہ لے گئے جہاں ان کا باپ عمرو بن کعب بیٹھا ہوا تھا۔ عمرو بن کعب اٹھا اور عامر کو اپنے ساتھ لپٹا کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

اے ابن انھی! تو پہلے سے خوب تنومند اور کٹر مل ہو گیا ہے۔ میرا بڑا بھائی اور تیرا بوڑھا باپ کیسا ہے اُسے دیکھے ہوئے مجھے کئی ماہ ہو گئے ہیں کاش وہ اپنی بستی چھوڑ کر دمشق شہر نہ چلا گیا ہوتا۔ عامر نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا اے عم! میرا باپ صحت مند ہے اور آپ کو بہت یاد کرتا ہے۔ عدنان عامر کے گھوڑے کو مضطرب میں بلند کیا تھا۔ اتنی دیر تک عامر کی چچا زاد بہن جس کا نام عروب تھا عامر کے لیے کھانا نکال لائی اور وہ خاموشی سے بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا۔



دامن شب دراز ہو چکا تھا۔ سنسان اور زو لیدہ رات پر خاموشی مسلط تھی۔ سقف آسمان پرستاروں اور تارکیوں کے درمیان غلگمت و نور کی کش مکش جاری تھی۔ رات کی اس گھمبیر خاموشی میں تین جوان جو اپنے چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے تھے۔ شامہ کے مکان کی دیوار کے قریب رُکے۔ ان میں سے ایک صقلاج تھا اس پولوس کا بھائی جسے اس کے ساتھیوں سمیت عامر نے دریائے ابانہ کے کنارے قتل کر دیا تھا اور دوسرے دو اس کے ساتھی تھے۔ تینوں چند لمحوں تک خاموش رہ کر اپنے ارد گرد کا جائزہ لیتے رہے۔ چاروں طرف سکوت چھایا

سہ یہ بستی دمشق سے دس میل شمال کی جانب ہے۔

ہوا تھا۔ گلی میں سامنے والے مکان سے باہر کچھ بکریاں بندھی ہوئی تھیں اندر بکریوں کا چرواہا سویا ہوا تھا۔

ہا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں تم عامر بن نافع کو پسند کرتی ہو لیکن اس وقت تک میرا پولیس اور اس کے ساتھی عامر کی گردن کاٹ کر اس کے بے جان جسم کو دیا گئے ہیں پھینک چکے ہوں گے۔

شامہ نے فکر گیر آواز میں کہا۔ عامر تم جیسے بھڑیلوں سے نمٹنا جانتا ہے۔ دل کہتا ہے وہ زندہ ہے۔ یسوع مسیح کا خداوند اسے لمبی عمر دے گا۔ صقلاج کے بڑھ کر جب شامہ کو دوبارہ اٹھا لینا چاہا تو شامہ اپنے دفاع میں جد کرنے کے علاوہ زور زور سے مدد کے لیے بھی پکارنے لگی۔ صقلاج نے زبردستی اٹھا لیا اور جب وہ اسے لے کر کمرے سے باہر نکلنے والا تھا۔ ساتھ مکان سے دیوار پھانڈ کر کوئی اندر کودا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سنگی اور چپتی ہوئی تھی وہ عامر کا بوڑھا باپ نافع بن کعب تھا۔

صقلاج نے شامہ کو چھوڑ دیا، فوراً اس نے اپنی تلوار بے نیام کر لی اور سے کہا۔ شامہ کے ساتھ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ تم بچ میں دیوار نہ بنو اور بوڑھے۔ میرا تمہارا کیا مقابلہ اور پھر شامہ کو میں اپنے ساتھ لے جانے کا عہد ہوا۔ بوڑھے نافع نے اپنی تلوار لہرا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ میں نہیں تم کون ہو لیکن تمہیں تنبیہ کرتا ہوں اپنے شعور و حواس اور ہوش و خرد میں۔ میرے قلب میں ایمان کی اتنی حرارت ضرور ہے کہ میں ایک بے بس لڑکی زنت بچانے کی کوشش کر سکوں۔ صقلاج نے کمر گنبدہ لہجے میں کہا۔

”اے بوڑھے انسان! میرے رشتے سے ہٹ کر میرا وقت ضائع ہوتا اور مجھے شامہ کو لے کر بہت جلد واپس لوٹ جانا ہے۔ نافع نے حقارت و ادا طعن کے سنگ پھینکنے والی آواز میں کہا۔

”اے بوسیدہ ذہن اور گندی ذہنیت کے جوان میں شامہ کی حفاظت بری راہ ضرور روکوں گا۔“ صقلاج نے حملہ آور ہوتے ہوئے کہا۔ یہاں سے نل جانے کے لیے پھر مجھے تمہارا خاتمہ کرنا ہی ہوگا۔ دونوں ایک دوسرے

صقلاج نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ تم دونوں باہر ہی میں دیوار پھانڈ کر اندر جانا ہوں اور شامہ کو اٹھا لاتا ہوں۔ اس کے سامنے اثبات میں اپنی گردنیں ہلا دیں اور صقلاج دیوار پھانڈ کر شامہ کے گھر گیا۔ وہ ایک معمولی نوعیت کا مگر صاف ستھرا گھر تھا۔ بائیں ہاتھ ساتھ سا کمرے تھے جن کے سامنے چھوٹا سا ایک صحن تھا۔ صقلاج سیدھا اس کمرے گیا جس کے اندر شامہ سوئی ہوئی تھی۔ صقلاج کا ارادہ تھا کہ وہ سوئی ہو کر اٹھا کر لے جائے گا۔ لیکن جب وہ قریب گیا تو شامہ گھبراہٹ میں اُ بیٹھ گئی اور غضب ناک آواز میں پوچھا۔ تم کون ہو اور رات کے اس د میرے کمرے میں کیوں داخل ہوئے ہو۔

صقلاج نے طنزاً کہا۔ تم ایک رقاصہ ہو اور جس کے پاس بھی رقص یہاں آکر تمہارا رقص دیکھ سکتا ہے۔ پھر میرے یہاں آنے پر اعتراض؟ شامہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ میں رقاصہ ضرور ہوں فحشہ نہیں بازاروں میں رقص کر کے اپنی روزی ضرور کماتی ہوں لیکن اپنی عزت کا تو کے لیے کسی کو اپنے گھر دعوت نہیں دیتی جس رات سے آئے ہو اسی رات چلے جاؤ۔

صقلاج نے بھڑیے جیسی آواز میں کہا۔ ”تمہیں ہمارے ساتھ ہوگا۔“ شامہ بھی پھر گئی۔ کہاں جانا ہوگا؟ وہیں جہاں ہم رہتے ہیں اور تمہیں ہماری ہر خواہش کا احترام کرنا ہوگا۔ شامہ نے صقلاج کے منہ پر ایک دار طمانچہ دے مارا۔ ”کیسے! یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ غصے میں صقلاج نے زور کی طرح چھٹکار تے ہوئے کہا۔ ہمیں صرف عامر بن نافع کی طرف سے خوف تھا وہ یہاں نہیں اپنے قبیلے میں گیا ہے۔ آج تمہیں میرے ہاتھوں سے کوئی چھ

پر خطرناک دار کرنے لگے تھے۔ نافع گو بڑھا اور ضعیف تھا۔ پھر بھی اس کے میں قدرت اور وقار تھا۔ پر کمزور اور ضعیف نافع زیادہ دیر تک مقلاج نہ کر سکا، وہ تھک کر چور ہو گیا اور ایک موقع پر اس کے ہاتھ سے تلوار چھڑ گئی۔ مقلاج جب اس کے پیٹ میں تلوار بھونکنے لگا شامہ بھاگ کر اس کے گئی اور مقلاج کی تلوار دونوں کے دل کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔

مقلاج اپنی تلوار نیام میں کر کے بھاگ گیا۔ شامہ زمین پر گر گرتے ہی گئی۔ نافع بھی زمین پر گر گیا اور دیوار بچا نہ تے ہوئے مقلاج کی طرف دیکھتے ہو آواز میں کہا۔ "اے اجنبی قاتل! کاش میرا بیٹا یہاں ہوتا تو میں تمہاری سرتابی شہامت و دلیری اور شجاعت و بہادری دیکھتا۔" پھر بڑھے نافع بن کعب کی طرف ڈھلک گیا اور وہ ختم ہو گیا۔



دوسرے روز جب کہ سورج چڑھا آیا تھا اور دھوپ نے کوہستانو چوٹیوں پر اپنی تمازت پھیلانا شروع کر دی تھی۔ عامر کے گھر کے سامنے رہنے چرواہا جس کا نام ربیع تھا، امام یوسف فندلاوی کے دیوان خانے کے در پر دستک دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھولا، وہ امام یوسف فندلاوی تھے۔ خوب لمبے قد کے باوقار بزرگ تھے، ان کے کچھ بولنے سے قبا نے پوچھا۔ "کیا شہر کے محتسب جمال الدین اس وقت آپ کے گھر میں؟" آواز میں بے چینی اور خوف پہنچا تھا۔

امام یوسف نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔ "کیا کسی نے تمہارے

یہ وہی امام یوسف فندلاوی تھے جو اس وقت عیسائیوں کے خلاف لڑتے ہوئے گئے تھے۔ جب جرمنی کے بادشاہ کانرڈ، فرانس کے شہنشاہ لوئیس اور بریٹن عیسائی حکمران بالڈون ثالث نے دمشق پر حملہ کیا تھا۔

یادتی کی ہے۔ ربیع نے کہا۔ "پہلے مجھے شہر کے محتسب کے پاس لے چلیے پھر آپ سے پوری داستان کہوں گا۔" امام یوسف ایک طرف ہٹتے ہوئے بولے۔ "اندر آ جاؤ۔" ربیع دیوان خانے میں داخل ہوا۔ اندر شہر کے محتسب جمال الدین بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی عمر پینتالیس برس کے قریب ہو گئی اور جسمانی ساخت میں ایک کٹر دل و دراز قدر آدمی تھے۔ ربیع نے اندر جلتے ہی جمال الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں پہلے آپ کے گھر گیا تھا۔ وہاں آپ کے بیٹے نے بتایا کہ آپ امام یوسف کے گھر میں لہذا میں ادھر چلا آیا ہوں، میں ایک نہایت بُری خبر لایا ہوں۔ عامر کے باپ دران کے ہمسائے میں رہنے والی عیسائی لڑکی شامہ کو رات کے وقت کرسی نے قتل کر دیا ہے۔"

جمال الدین بدحواس ہو کر اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے اور کپکپاتی آوازیں پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے، کیونکر ہو سکتا ہے، کس کو جسارت ہوئی کہ وہ عامر کے بڑھے اور بزرگ باپ پر ہاتھ ڈالے؟" امام یوسف کی گردن جھک گئی تھی اور ان کی ہلکی بھینکتی جارہی تھیں۔

ربیع نے پھر کہنا شروع کیا۔ "میرا نام ربیع ہے، میں چرواہا ہوں اور عامر کے گھر کے سامنے رہتا ہوں۔ شامہ کے گھر کے اندر میں نے خود عامر کے باپ اور شامہ کی لاشیں دیکھی ہیں۔ میں روزانہ شامہ کو دودھ دینے جاتا تھا۔ آج صبح جب میں گیا تو وہاں دونوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ کسی نے دونوں کے سینے میں تلوار آنا دے دی تھی۔ عامر گھر پر نہ تھا۔ وہ اپنے چچا کے پاس اپنے قبیلے میں گیا ہوا ہے۔"

غمزوہ آواز میں جمال نے کہا۔ "مجھے خبر ہے، وہ مجھے بتا کر اور مجھ سے مل کر گیا تھا۔" امام یوسف پہلی بار بولے اور اپنی غصیلی اور گرجتی آوازیں کہا۔

"جمال الدین! نافع اور شامہ کے قاتلوں کا سراغ ضرور ملتا چاہیے۔ خدا کی قسم! میں اس وقت سے خوفزدہ ہوں جب عامر واپس لوٹے گا، اسے اپنے باپ کے قتل کی خبر ہوگی اور میں اس کا سامنا کر رہا ہوں گا۔"

امام یوسف اور جمال الدین فوراً وہاں سے نکلے۔ چند محافظوں کو انہوں نے اپنے ساتھ لیا اور ربیع کے ساتھ شامہ کے گھر آئے۔ انہوں نے دیکھا دونوں لاشیں قریب قریب پڑی تھیں، ساتھ ہی نافع کی تلوار بھی پڑی ہوئی تھی۔ جمال الدین نے بڑی حسرت سے کہا: "یوں لگتا ہے بوڑھا نافع شامہ کی جان و عزت بچاتے ہوئے مارا گیا ہے۔" امام یوسف جواب میں کچھ کہنا چاہتے تھے کہ وہی بزرگ اندر داخل ہو جن کا نام عمیس تھا۔ ان کے ہاتھ میں بربط تھا۔ شاید انہیں بھی نافع اور شامہ کے قتل کی خبر ہو گئی تھی۔

چند لمحوں تک وہ دونوں لاشوں کو دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے جمال الدین اور امام یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے ایسی آوازیں کہا جس سے جگر جگر دھک اٹھے۔ "کیا دمشق کا محتسب اس قدر بے بس اور بے پائے ہے کہ وہ قاتلوں کو ہمارا ذمہ نہیں ڈال سکتا ہے۔ کیا یہ دمشق کے لیے آشوب اور آرائش نہیں ہے کہ ایک کوہ جگر اور باحوصلہ فرزند کا باپ مارا جائے اور شہر میں قرار و سکون ہو۔ محلات پر صحت و سکوت طاری ہو اور انصاف کے لبوں پر مہر لگا دی گئی ہو۔"

عمیس چند لمحوں کوڑے پھر بے جھجک و بے درنگ گبولے سے طوفان بنتے ہوئے انہوں نے کہا: "اے محتسب! کیا یہ اُمید رکھی جائے کہ ان قاتلوں کو ان کے اس قتل کی سزا ضرور ملے گی۔"

جمال الدین نے بڑی ہمدردی سے کہا: "میرے بزرگ! انتظار کیجئے! انشاء اللہ قاتل ہم سے سچ کر نہ جائیں گے۔" جمال الدین پیچھے ہٹا اور گھوم پھر کر صحن کا جائزہ لینے لگا۔ اس جگہ اکروہ اچانک رک گیا۔ جہاں سے صقلاج دیوار پھانڈ کر باہر کودا تھا۔ جمال الدین فوراً باہر گلی میں آیا۔ امام یوسف، عمیس اور ربیع کے علاوہ پانچ محافظ سپاہی بھی ان کے ساتھ تھے۔ گلی میں اکرا انہوں نے دیکھا دیوار کے قریب صقلاج جہاں کو دھاوا وہاں اس کے سوتوں کے واضح نشان تھے۔ جمال الدین نے فوراً سپاہیوں سے کہا: "پاول کے ان نشانات پر کوئی چیز رکھ کر انہیں محفوظ کر لو بہتر ہے

مامہ کے گھر سے پانی کا کوئی ٹنکا اٹھا لاؤ اور اس کا ٹنہ توڑ کر ان نشانات کے اوپر لکھ دو۔"

سپاہی حرکت میں آنے ہی والے تھے کہ دائیں جانب سے عامر گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ جمال الدین، امام یوسف اور عمیس کے چہروں پر مایوسی کے اندھیرے پھیل گئے۔ وہ سب اس کی طرف بڑھے۔ جب وہ اپنے سامنے گھوڑے سے اُترا تو جمال الدین نے اسے کچھ کہنا چاہا لیکن عامر نے بولنے میں پہل کرتے ہوئے کہا: "مجھے راتے میں ایک رست کی وساطت سے یہ خبر ہو گئی ہے کہ میرے باپ اور شامہ کو قتل کر دیا گیا۔ قاتل بھی ہو۔ خواہ المرزغانی ہی کیوں نہ ہو میرے انتقام سے بچ نہ سکے گا۔"

پھر عامر اندر چلا گیا، چند ثانیوں تک وہ اپنے باپ اور شامہ کی لاشوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مدھم اور سنگتی ہوئی آوازیں کہا: "یہاں ایسے نشانات بھی موجود ہیں قاتلوں کے ہو سکتے ہیں۔" جمال الدین نے کہا: "پاول کے دو نشانات مکان کے باہر دیوار کے ساتھ نہایت واضح ہیں۔ شاید قاتل وہاں سے کودا تھا۔"

عامر نے جمال الدین سے کہا: "مجھے وہ نشانات دکھائیے۔ میں قاتل کو ڈھونڈ لوں گا۔" ایک بار وہ سب باہر آئے۔ عامر چند لمحوں تک پاول کے وہ نشانات دیکھتا اور جب وہ پیچھے ہٹنے لگا تو وہ بارہ سوار اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے وہاں آئے۔ جمال الدین انہیں پہچان گیا، ان سب کا تعلق دمشق کے حاکم تاج الملک بوری کے محافظوں سے تھا۔ قبل اس کے کہ ان میں سے کوئی کچھ کہتا، جمال الدین نے بولنے میں پہل کرتے ہوئے کہا: "تم کس لیے یہاں آئے ہو؟"

ان میں سے ایک نے جو شاید ان کا کماندار بنا کر بھیجا گیا تھا، اپنے گھوڑے پر بند قدم اگے بڑھاتے ہوئے کہا: "ہم عامر بن نافع کو لینے آئے ہیں۔ دمشق کے حاکم اسے طلب کیا ہے۔"

جمال الدین نے تشویشناک لہجے میں پوچھا: "کیوں اور کس لیے؟" اس کماندار نے اس کو مختصر کرتے ہوئے کہا: "مجھے علم نہیں کہ عامر بن نافع کو کیوں طلب کیا گیا ہے۔"

تاہم یہ تاج الملوک بوری کا حکم ہے کہ عامر بن نافع کو ان کے سامنے پیش کیا جائے اور اگر وہ مزاحمت کرے تو اس پر سختی بھی کی جاسکتی ہے۔

قبل اس کے جمال الدین کچھ کہتا، عامر نے اس کماندار کی طرف دیکھتے ہوئے کہ ”میں عامر بن نافع ہوں، چلو میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ عامر نے جب اپنے گھوڑے کی باگ پکڑی تو جمال الدین نے کہا ”ہاں چلو“ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ عامر خاموشی سے ان سپاہیوں کے ساتھ ہوا۔ اس کے ہمراہ جمال الدین، امام یوسف اور عمیس بھی تھے۔ جمال الدین کے کہنے پر چرواہا ذبیح جمال الدین کے محافظوں کے ساتھ چل کر عامر کے باپ اور شامہ کی مجبیز و تکفین کا انتظام کرنے لگا تھا۔



دشمن کا حکمران تاج الملوک بوری اپنے محل کے اس کمرے میں بیٹھا ہوا تھا، جہاں وہ مقدمات کے فیصلے کرتا اور لوگوں کو انصاف مہیا کرتا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی نشست پر وزیر طاہر المرزغانی تھا اور اس کے دائیں طرف اس کے دو چھوٹے بھائی شمس الملوک اسماعیل اور شہاب الدین بیٹھے ہوئے تھے کہ عامر کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ جمال الدین، امام یوسف اور عمیس بھی اس کے ساتھ تھے۔ تاج الملوک نے بڑے احترام کے ساتھ پہلے ان تینوں کو بیٹھنے کے لیے نشستیں دیں پھر اس نے اپنے سامنے کھڑے عامر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے نافع کے بیٹے! میں ایک عرصہ سے

تاج الملوک بوری کی وفات پر ۵۲۵ھ کو شمس الملوک و دشمن کا حکمران بنا۔ اس نے ایک جنگ میں بانیاس شہر عیسائیوں سے جیت لیا۔ عیسائیوں کے خلاف ایک مضبوط محاذ بنانے کی غرض سے اس نے نور الدین زنگی کو اپنا امیر تسلیم کر لیا جس پر اس کی سنگدل ماں نے اسے مروا ڈالا۔

شمس الملوک اسماعیل کے بعد شہاب الدین و دشمن کا خود مختار حکمران بنا۔

تمہارے خلاف شکایات سننا آرہا ہوں لیکن میں خاموش تھا کہ تمہاری وجہ سے شہر کے امن کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ اب تم نے دریائے ابانا کے کنارے شہر کے اسماعیلیوں کے ایک معزز درکن پولوس کو اس کے تین ساتھیوں سمیت قتل کر دیا ہے۔ اب بھی اگر تم تمہارے خلاف حرکت میں نہ آئے تو دشمن شہر میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھے گی جس پر قاپو بانا ہمارے لیے اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جائے گا، لہذا میں تمہیں آج ہی شہر بدر کرتا ہوں۔ یہ فیصلہ میں نے تمہارے حق میں بڑی سوچ بچار اور تحمل سے کیا ہے، ورنہ کچھ لوگ مجھے تمہارے قتل کا مشورہ دے چکے تھے۔ کیا تم اس فیصلے کے خلاف کچھ کہنا چاہتے ہو، جب کہ یہ بہت نرم فیصلہ ہے اور تمہارے حق میں جاتا ہے۔

عامر کے بولنے سے قبل ہی جمال الدین کھڑا ہوا اور تاج الملوک بوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اگر آپ چاہیں تو اس فیصلہ کے متعلق میں بھی کچھ عرض کروں۔ بوری نے فراغت لہجے میں کہا۔ آپ تینوں کو اس فیصلہ سے متعلق بولنے کی اجازت نہیں میں جانتا ہوں تم تینوں عامر بن نافع کی طرف داری کرو گے۔

جمال الدین چپ چاپ بیٹھ گیا تاہم وہ غمگین اور ادا اس تھا۔ امام یوسف اور عمیس بھی افسردہ تھے۔ بوری کے بھائی شمس الملوک اور شہاب الدین کے چہرے بھی بتا رہے تھے کہ انہوں نے اس فیصلے کو قطعی پسند نہیں کیا۔ تاہم وزیر طاہر المرزغانی خوش تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔

عامر نے پہلی بار بولتے ہوئے بوری کو مخاطب کر کے کہا ”کیا آپ جانتے ہیں کہ میرے باپ اور میری ہمسائی لڑکی شامہ کو بھی قتل کر دیا ہے اور یہ اسی واقعہ کی ایک کڑی ہے جس کے تحت پولوس اپنے ساتھیوں سمیت دریائے ابانا کے کنارے میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ حالانکہ میں نے اپنے دفاع میں اپنی تلوار بند کی تھی اور۔۔۔

بوری نے عامر کی بات کاٹتے ہوئے سخت لہجے میں کہا ”تم نے پولوس کو قتل کیا ہے اور اس کے لواحقین نے قصاص میں تمہارے باپ کو قتل کر ڈالا۔ میں تمہارے باپ کے نقل سے غافل نہیں ہوں لیکن یہ تو قصاص ہے۔ اگر تمہارا باپ قتل نہ ہوتا تو میں تمہیں گردن

زونی کی سزا سنا چکا ہوتا۔ اب تم جاسکتے ہو۔

عامر واپس مڑا اور باہر نکل گیا۔ جمال الدین اپنی جگہ سے اٹھا اور بوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ کے وزیر طاہر المرزغانی کے باعث دمشق میں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا نہیں کر سکتا۔ لہذا میں محتسب کا عہدہ آپ کو واپس کرتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو اس منصب کے قابل نہیں سمجھتا۔“ بوری نے خشک لہجے میں کہا۔ ”ہم تمہاری سبکدوشی کو بھی قبول کرتے ہیں۔“ جمال الدین بھی امام یوسف اور عمیس کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔



اپنے باپ اور شہنشاہ کی تکفین کے بعد عامر نے اپنے گھر کا ضروری اثاثہ ایک اونٹ پر لاد لیا تھا اور جب شام سے کچھ دیر پہلے وہ دمشق سے کوچ کر جانے کے لیے اپنے گھوڑے پر زین ڈال رہا تھا جمال الدین، امام یوسف اور دمشق کے حکمران بوری کا بھائی شمس الملوک اسمعیل اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ عامران کی طرف توجہ کیے بغیر اپنے گھوڑے کا تنگ کٹا رہا۔ جب وہ فارغ ہوا تو شمس الملوک نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے نافع کے نور العین! یہاں سے رخصت ہوتے وقت اپنے چہرے پر غم و آلام کی گرد نہ اڑنے دینا۔ یہ نہ سمجھنا کہ تم کوئی بے قیمت شے ہو اور تمہارا کوئی ساتھی و ہمسفر نہیں ہے۔ ربِ سماوات و ارض کی قسم ہم تمہارے حامی و ناصر اور مددگار و معین بن کر کام کرتے رہیں گے۔“

شمس الملوک چند ثانیے کا چہرہ درو میں ڈوبی اور کھٹی کھٹی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”یاد رکھو ایک روز ظلم کا سینہ چیر کر دوڑیں لیتا کوئی طوفان اٹھے گا اور دمشق کے خزانہ نفعہ لوگوں کے چروں پر امید کی چنگاریوں جیسی روشنی ہوگی۔ اس روز قوم کے اکابر بیلار ہوں گے اور وحشت و بربریت کی پرچھائیاں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گی۔ ہم جانتے ہیں وزیر طاہر المرزغانی دمشق میں کیا کھیل کھیل رہا ہے۔ اس معاملے میں

ایک عمارت کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بربط تھا اور وہ گارہا تھا۔ عیس کی سیدھے میں آکر عامر تک گیا اور اسے سُننے لگا۔

”صحرا کی گرم ہواؤ! اُٹھو! اور دمشق کے ان ایوانوں میں آگ لگا دو! جہاں انصاف کا ترازو عیار اور مکار لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیا گیا ہے۔ گرم ریت کے تپتے ریگ زارو! اڑو اور ایسے لوگوں کو آنکھوں کی روشنی سے محروم کرو جو دوست دشمن غدار اور محب وطن میں تمیز نہیں کر سکتے۔ کاش دمشق میں ایسے کابر ہوتے جو ابو بکرؓ کی صداقت، فاروقؓ کی عظمت، انصاف، عثمانؓ کی جاں نثاری اور علیؓ کی شجاعت کو تلاش کر کے سنگدل حکمرانوں کے خلاف جہاد کا اعلان کرتے۔“

عیس بن حزن عامر کو دیکھ کر چند ثانیوں تک رکا، وہ عامر کو دمشق سے کوچ کرتے دیکھ کر افسردہ خاطر، مضطرب و غمگین اور گشتہ و پرتہ مردہ ہو گیا تھا۔ پھر وہ سنبھلا اور اپنی سرمدی آواز میں گانا چلا گیا تھا۔

”اے میرے دوست! دیکھ تا ہی اور بربادی نے دمشق پر اپنے سیاہ پردے ڈالنے شروع کر دیئے ہیں۔ مجھے اس گھڑی قسم جن کے گرد لوگ طواف کرتے ہیں میں اس تا ہی اور عذاب سے قبل ہی دمشق چھوڑ دوں گا جس میں اب دائمی غم اور سیاہ رات کی سختیوں کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔ کاش کوئی نوسنبرہ اور مولف، کوئی مصلح و عامل، کوئی ادیب و دانا دمشق کے حکمرانوں کو سیدھی راہ کی طرف گامزن کر چکا ہوتا۔“

عیس بن حزن خاموش ہو گیا۔ بربط پر کھلتی ہوئی اس کی انگلیاں بھی رُک گئی تھیں، پھر وہ اپنی گردن جھکائے آہستہ آہستہ عامر کی طرف بڑھا۔ قریب جا کر اس نے نظر بھر کر عامر کو دیکھا پھر اس نے دل نگار و اندوہ گین آواز میں کہا۔ یہی

میرا چھوٹا بھائی شہاب الدین بھی میرا ہم راز ہے۔ وہ یہاں میرے ساتھ آنے پر بضد تھا لیکن میں نے اسے منع کر دیا تھا۔ میں تمہارے ساتھ ملاقات کو راز میں رکھنا چاہتا ہوں مجھے احساس ہے تمہارا یہاں سے کوچ کتنا دل فگار ہے۔

شمس الملوک جب ذرا دیر کا تمام پوسف نے عامر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ بیٹے! موت کے تاریک مہو لے اور بے یقینی کے یہ دھندلے زیادہ دیر نہ رہیں گے۔ ایک روز ظلم و استبداد کی زنجیریں ٹوٹیں گی۔ دمشق میں جس قدر زہریلے سانپ ہیں ان کا پھن کچلا جائے گا اور ظالم و غدار اپنے خول سے باہر کھڑے ہوں گے۔ عامر نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مجھے آپ لوگوں سے کوئی شکوہ نہیں میں مطمئن ہوں کہ دمشق میں میرے آپ لوگوں جیسے مرنے والے اور مہربان بھی ہیں۔ میں تقریر اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لیے پھر دمشق شہر میں داخل ہوں گا۔“

جمال الدین نے آگے بڑھ کر عامر کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ اس کام میں ہم تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔ دمشق کے آسمان پر طاہر المرزغانی ایک منحوس و ملامت ساز کی مانند نمودار ہوا ہے۔ پر عنقریب ایک نئی صبح کا آغاز ہوگا جب طوفانوں کے سائے سمٹ جائیں گے۔ میں بڑی بے تابی سے اس رس دار رنگین اور خوب صورت صبح کا انتظار کروں گا جب تم دوبارہ با عزت طوع پر دمشق میں داخل ہو گے۔ اب تم یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ سیدھے اپنے چچا کے پاس جانا تاکہ ہم تمہارے ساتھ رابطہ قائم کر سکیں۔ اس مکان کو مقفل کر جانا ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

وہ تینوں عامر سے مل کر چلے گئے۔ عامر اپنے اونٹ اور گھوڑے کو لے کر باہر آیا۔ دروازے کو باہر سے اس نے قفل لگایا۔ اونٹ کی نکیل گھوڑے کی زین کے پچھلے ہتے سے باندھ دی پھر وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور کوچ کر گیا۔ دمشق شہر باہر نکلنے کے بعد عامر جب بابائے قواء کے پاس آیا تو اس نے دیکھا وہاں عیس بن حزن

’نافع کے بیٹے! بیشک میری حالت اس وقت قبا دریدہ اور تہی دامن جیسی ہے پر تم مہمت نہ ہارنا، میں تمہاری اس وقت کی واپسی کا انتظار کروں گا تم دمشق کے اندر اہلیس کے گماشتوں کے لیے موت کا فرزند، عداوت کا جگر، کینہ خواہ اور غضب آلود اور مرگ بے زنجیر بن کر اور شہر کے بے کس، سادہ لوح اور مظلوم لوگوں کے لیے قافلہ نو بہار بن کر داخل ہوگا۔ عیس نے چند لمحے رُک کر حیف و حسرت بھری آواز میں کہا مجھ سے رابطہ رکھنا کہ میں تمہاری سلامتی و سکونت آگاہ رہوں۔

عمیس بن حزن خاموش ہو گیا۔ عامر نے محسوس کیا اس کی آواز میں خانہ کے گیت جیسا سوز اور کسی ہشکے ہوئے اور مدد کے لیے پکارتے مسافر جیسا گہ رقت تھی۔ عامر چند لمحوں تک نہایت احسانندی کے سے انداز میں عیس کو دیکھتے پھر دلیبری سی آواز میں اس نے کہا۔ میرے بزرگ! میں جہاں کہیں بھی ہوں تمہاری آواز اور تمہارے خلوص کو فراموش نہ کر سکوں گا۔ میں خوش اور مطمئن ہوں کہ دمشق، مکہ جمال الدین، امام یوسف فندلاوی اور آپ جیسے لوگ موجود ہیں۔ میں اب کو اللہ حافظ کہتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی عامر نے اپنے گھوڑے کو مہیز لگا دی عمیس بن حزن وہیں کھڑا ہو کر اسے دیکھتا رہا۔

جب عامر باب تو ما سے نکل کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس کو ہچک گئی۔ وہ مڑا اور بوجھل قدموں سے شہر کے اس حصے کی طرف بڑھنے لگا۔ دمشق کا بڑا بازار تھا۔



شام گہری رات میں ڈھل گئی تھی۔ مہم چاند اب خوب تیز ہو کر چہرے کھجور، انجیر، انار اور سبب کے باغات چاندنی میں نہا گئے تھے اور عامر بنو عیس بلاس میں اپنے چپا کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ عامر کا چچا زاد بھائی عدنان سامنے کھڑا تھا۔ چند لمحوں تک وہ عامر کو دیکھتا رہا۔

مرد دی سے اس نے پوچھا۔ اے میرے عم زاد! تو اُداس و دلگیر پریشان و محزون اور خاموش و حیران کیوں ہے۔ آج تمہارے ساتھ اُدٹ کیوں ہے اور اس پر تم نے اپنے گھر کا سامان کیوں لا کر رکھا ہے۔

عامر خاموش رہا۔ اتنی دیر تک اس کا چچا عمرو بن کعب اور عم زاد بہن عرب بھی دروازے پر آگئے تھے۔ عروب نے عامر کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ’باخی! آپ چپ کیوں ہیں اور آپ نے بھائی کے سوالوں کا جواب کیوں نہیں دیا؟ عمرو بن کعب بھی آگے بڑھا اور عامر کو اپنے ساتھ لپٹا کر اندر لے گیا۔ عدنان اس کے اُدٹ اور گھوڑے کو مہبل میں لے گیا اور اُدٹ کے گھٹنے پر مہار کی رسی مار کر زمین پر بٹھا دیا تھا۔ پھر وہ بھی اس جگہ آگیا جہاں عامر، عمرو بن کعب اور عروب اندر آکر بیٹھ گئے تھے۔

عمرو بن کعب نے بڑی شفقت سے پوچھا۔ اے میرے بھائی کے فرزند عزیز! یہ سب ساتھ کیا بیتی جو تو اُداس ہے اور اپنے گھر کا سامان بھی لے آیا ہے۔ عامر نے پھل مٹی ہوئی سی آواز میں کہا۔ میرے باپ کو قتل کر دیا گیا ہے اور مجھے دمشق شہر سے نکال دیا گیا ہے۔ عمرو بن کعب چلا اُٹھا۔ کیسے اور کیونکر میرا بھائی مارا گیا اور جواب میں عامر انہیں اپنی پوری داستان سناتا رہا تھا۔

عامر جب خاموش ہوا تو عمرو بن کعب نے پوچھا۔ تمہارے خیال میں یہ قتل کس نے کیا ہے۔ عامر نے اپنی کھولتی ہوئی آواز میں کہا۔ یہ کام دمشق کے وزیر طاہر المرزفانی کا ہے۔ اور مجھے شک ہے کہ میرا باپ کا قاتل ایک اسمعیلی مقلد ہے۔ جس کا بھائی پولوس میرے ہاتھوں دیباے امان کے کنارے مارا گیا تھا۔ اس شک کی بنیاد میں نے دمشق کے حکمران بوری کی گفتگو سے قائم کی ہے۔

عمرو بن کعب نے کہا۔ تمہارا اندازہ درست نہیں، اس قتل کے ذمہ دار بنو زیان ہیں جو ہمارے ازلی اور ابدی دشمن ہیں۔ عامر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ آپ غلطی پر ہیں۔ بنو زیان کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ عمرو بن کعب نے تینبہ

کرتے ہوئے کہا۔ طاہر المرزغانی کے خلاف حرکت میں نہ آنا۔ قاتل یقیناً بنو زیباں سے تعلق رکھتے ہیں۔ عامر نے کہا۔ اے میرے عم! اپنے قبائلی عصبیت کو تھوڑا نہ دیکھیے۔ یہ جانتا ہوں قاتل کون ہیں اور میں موت کا ہمزاد بن کر ان پر نازل ہوں گا۔ عروب نے ذل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ اے میرے باپ! اس بحث میں نہ پڑیے۔ پہلے بھائی کھانا کھانے دیجئے۔ عمرو بن کعب خاموش ہو گیا۔ عروب عامر کو کھانا کھلانے لگی تھی اور عدا عامر کے اونٹ سے سامان اتار کر اندر لے جا رہا تھا۔

○

بنو زیباں کا سردار سالم بن عقبہ اپنے گھر کے صحن میں کھجور تلے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا بیٹا ولید اصطلیل میں اپنے گھوڑے کو کھریا کر رہا تھا جب کہ اس کی بیٹی نائره صحن کی دہلیز طرف صبح کا ناشتہ تیار کر رہی تھی۔ اتنے میں قبیلے کا ایک جوان جو خوب کڑیل ادا تھا گھر میں داخل ہوا اور سالم بن عقبہ کے قریب آکر اس نے زخمی سہمی آواز میں کہا۔ سردار! میں آپ کے لیے ایک بڑی خبر لایا ہوں۔ سالم نے چونک کر پوچھا۔ تم کیسی بڑی خبر لائے ہو نقیب! شاید آنے والے کا نام نقیب تھا۔ نوادار نے پھر کہا۔ میں بنو عد کے عامر بن نافع کے متعلق آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ عامر کا نام سن کر کام میں مصروف نائره کے ہاتھ رک گئے تھے اور اصطلیل میں اپنے گھوڑے کو کھریا کر رہا ہوا ولید وہاں ہٹ کر اپنے باپ کے پاس آکھڑا ہوا تھا۔

سالم بن عقبہ نے پوچھا۔ تم عامر بن نافع کے متعلق کیا کہنا چاہتے ہو۔ نقیب کہا۔ دمشق میں عامر کے باپ کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ سالم بن عقبہ نے چونک کر پوچھا۔ عامر کے باپ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ چو لھے کے پاس بیٹھی ہوئی حسین نائره اداس و غم زدہ ہو گئی تھی۔ نقیب نے پھر کہا۔ آپ نے میری پوری بات تو سنی ہی نہیں نائره کو اغوا ہونے سے بچانے کے لیے عامر نے جن چار جوانوں کو دریا کے کنارے قتل کیا تھا وہ وزیر المرزغانی کے آدمی تھے اور اس نے دمشق کے حاکم بوری سے کہ عامر کو دمشق سے شہر بدر کر دیا ہے۔

سالم نے بے تاب ہو کر کہا۔ عامر بن نافع ہمارا محسن ہے وہ عزت و آزادی باں اور زندہ دل و سرفروش جوان ہے۔ مجھے بتاؤ وہ شہر سے نکل کر کہاں گیا ہے۔ میں اُسے اپنے قبیلے میں لے آؤں گا۔ وہ ان جوانوں میں سے ایک ہے۔ ستاروں کے راز کو کھلی کتاب کی طرح پڑھنے کا فن جانتے ہیں۔

نقیب نے پھر کہا۔ عامر دمشق شہر سے نکل کر اپنے قبیلے میں آ گیا ہے۔ اب اپنے چچا عمرو بن کعب کے ہاں رہ رہا ہے۔ سالم نے پھر غمزہ آواز میں کہا۔ تم ہی طرح عامر سے ملو اور اُسے میرے پاس لے آؤ۔ اس جوان کے تعاون سے میں بنو بان اور بنو عبس کی برسوں پرانی دشمنی ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا تو یہ میرے لیے ایک سعادت ہوگی لیکن اس سے ملتے ہوئے احتیاط برتنا کسی نے تمہیں اس کے ساتھ دیکھ لیا تو بنو عبس عامر سے بطن ہو جائیں گے اور جو میں اس کی مدد سے لینا چاہتا ہوں دشوار اور مشکل ہو جائے گا۔ شاید تم عامر کو نہیں جانتے۔ اس کام کے لیے تم ولید کو ساتھ لے جانا۔ یہ ایک بار اُسے دیکھ چکا ہے۔ زرغانی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ شہر کا خضر اور پاسبان ہے اور جب خضری دے تو تھیلی کون دے۔ بہر حال عامر بن نافع کو میری بیٹی کو اغوا کرنے والوں کے قتل جرم میں شہر سے بدر کیا گیا ہے۔ لہذا ہم پوری طرح اور ہر حالت میں عامر بن نافع ساتھ دیں گے۔ ہم اپنے محسن کو خواہ وہ عیسیٰ ہی کیوں نہ ہو بے بسی کی حالت میں دیکھیں اور تنہا نہ رہنے دیں گے۔ نقیب نے مڑ کر کیا ہر بھلتے ہوئے کہا۔ میں چند روز سالم سے ملنے کی کوشش کروں گا۔

○

عامر کو اپنے چچا کے ساتھ رہتے ہوئے کئی روز ہو چکے تھے۔ بستی میں اس اپنا گھر بھی تھا جو خالی پڑا تھا تاہم اس کی عمراد بہن عروب اس گھر کی صفائی اور بھر بھال کا اہتمام کرتی تھی۔ یہاں رہتے ہوئے عامر کے تعلقات اپنے چچا کے شہید ہوتے رہے تھے اس لیے کہ عامر اپنے باپ کے قتل کا انتقام طاہر المرزغانی کے آدمیوں سے

لینا چاہتا تھا جب کہ عمرو بن کعب اپنی اس ضد پر اٹا ہوا تھا کہ عامر کے باپ اس کے بھائی کو بنو زبیاں نے قتل کیا ہے۔ لہذا عامر کو بنو زبیاں کے خلاف میں آنا چاہیے۔

عامر چند دن اور انتظار کر کے صفحہ جلا کے خلاف حرکت میں آنا چاہتا تھا کہ اس کا باپ کا قتل آئی گئی بات ہو جائے اور صفحہ جلا کا قتل اس کے ذمہ نہ لہذا وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ ان دنوں وہ دمشق کا رخ بھی رہا تھا تاکہ اس کے خلاف کوئی اور معاملہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ بہر حال وہ اپنی بستی تک ہو گیا تھا اور اپنے باغات اور زمین کی دیکھ بھال کرنے لگا تھا۔



وقت گذرتا رہا، دن گذرتے رہے، سائے گھٹتے بڑھتے رہے، چاند رہا، سورج طلوع ہوتا رہا۔ بنو عبس کی بستی بلاس اور بنو زبیاں کی بستی حوران کہ جو کہ ہشانی سلسلہ پٹا تھا وہ آدھا بنو عبس اور آدھا بنو زبیاں کے پاس تھا۔ یہ درختوں سے اٹا رہتا تھا اور ہر سال ان کو ہشانی جنگلات کی کانٹ چھانٹ ہوتا ان دنوں بھی دونوں بستیوں کے جوان اس پہاڑی سلسلے کے درختوں کی کانٹ کمر رہے تھے۔ عامر اور اس کا عم زاد بھائی عدنان بھی اس کام میں حصہ لے رہے ایک روز جب کہ دونوں قبیلوں کے جوان درخت کاٹنے کاٹتے ایک کے سامنے آئے تو بنو عبس کے ایک دراز قد اور خوب کڑیل سے جوان نے بنو زبیاں جوانوں کو آگے بڑھنے سے روکا۔ بنو زبیاں کے جوانوں میں نائرو کا بھائی ولید بن اور اس قبیلے کا شیر دل فرزند محبت وطن اور مذہب پرست حمان نقیب بن شامل تھے جس عیسیٰ جوان نے بنو زبیاں کے جوانوں کو آگے بڑھنے سے روکا تو مخاطب کرتے ہوئے عامر نے کہا۔

”جابر! جابر! تم بنو زبیاں کے جوانوں کو روک کر غلطی کر رہے ہو جانتا ہوں وہ اپنی حدود میں درخت کاٹ رہے ہیں۔ اس جوان نے گہڑے لہجے

دمشق شہر میں رہ کر اٹھے ہو گئے ہو، میں جانتا ہوں ہماری حدود کہاں تک۔ عامر کمال صبر اور تحمل سے کام لیتے ہوئے خاموش رہا اور دوبارہ درخت کاٹنے۔ اس کا عم زاد بھائی عدنان حیران تھا کہ بیک وقت چار چار پانچ پانچ تیغ زنوں مقابلہ کرنے والا اس کا جری اور بے باک بھائی چُپ اور خاموش کیوں ہو گیا۔ دوسری طرف بنو زبیاں کے جوانوں کے اندر نائرو کے بھائی ولید نے نقیب ناٹب کر کے عامر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ نقیب! نقیب! وہ عامر بن ح ہے۔ نقیب نے کمال رشک میں کہا۔ کیسا دراز قد، دیو سیکل اور عمدہ شخصیت جوان ہے۔ خدا کی قسم یہ ان کو جتنا ان میں لکڑیاں کاٹتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔ ام آسے زیب نہیں دیتا۔ کاش یہ بنو عبس کا سردار ہوتا یا کسی تندخو و طوفانی لڑکے کا سالار اعلیٰ ہوتا۔ اس کی صورت سے ایسا لگتا ہے یہ لکڑیاں کاٹنے کے لیے بن خوش معرکہ و جانباز سپاہی بننے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ نقیب کہتے نے رک گیا۔ کیونکہ بنو عبس کے جابر بن اسود نے ایک بار پھر لڑکار کو بنو زبیاں جوانوں کو پیچھے ہٹ جانے کو کہا تھا۔

عامر نے اس بار ذرا سخت لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہا۔ جابر! جابر! اپنی باتوں سے دونوں قبائل میں جنگ اور لڑائی کے طبل بجانے کی کوشش کر رہے ہو کیا یہ بات تیرے لیے شرم نہیں کہ تمہارے دوبار لڑکارنے کے باوجود بنو زبیاں کے جوان چُپ اور پُر سکون ہیں، تو خواہی نخواہی آمادہ یلغار اور درپے دار ہے۔

جابر بن اسود نے کھوتے لہجے میں کہا۔ وہ سب تمہاری طرح بزدل ہیں سائے سب نے عورتوں اور زن مریدوں جیسی چُپ سا دھ رکھی ہے۔ قبل اس بنو زبیاں کے جوانوں میں کوئی جابر کی اس سخت بات کا جواب دیتا عامر نے خوفناک لہجے میں غراتے ہوئے کہا۔ اسود کے بیٹے! تو دوبار میری امانت کر چکے ہو تو خاموش رہا، تیسری بار تو بولا اور کوئی ایسی بات کی جس سے جلال اور فساد

کی بو آئے تو یاد رکھو، میں گدھی سے پکڑ کر تمہاری زبان پھینچ دوں گا۔ یاد رکھو نے زندگی کا ایک حصہ شہر میں ضرور گزارا ہے لیکن میں اپنے صحرائی اندازِ نقش نہیں بھولا۔ خدا کی قسم اگر کوئی سنبھلا تو میں تجھے اپنے سب جوانوں کے سامنے اور دل بریدہ کر دوں گا۔

جابر نے خوفناک انداز میں دھاڑتے ہوئے کہا۔ "نافع کے بیٹے! تم ہو۔ میں ہزار بار کہتا ہوں تو بزدل ہے اگر اس میں تجھے شک ہے تو امیرے۔ آ۔ میں تجھے مقابلے اور نبرد کی دعوت دیتا ہوں۔ عامر نے کھانا زمین پر پھینک دیا اور اس انداز میں جابر کی طرف بڑھا جیسے رات کی تاریکی میں کوئی تیندوا شکار کی غرض سے نکلا ہو۔

جابر نے بھی اپنا کھانا پھینک دیا اور عامر کا مقابلہ کرنے کے لیے مسد کیا تھا۔ عامر نے آگے بڑھ کر جو نبی جابر کی گردن پر ہاتھ ڈالنا چاہا، جابر نے ہاتھ پکڑ لیا۔ عامر بجلی کے کوندے کی طرح حرکت میں آیا اس نے فوراً جابر کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر مچا میں بلند کیا پھر رُبری طرح زمین پر پٹخ دیا۔ پھر اس نے پر پاؤں کی ٹھوکروں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے کہا۔ جابر اپنا باغی پن دُور کر دیا۔ نوزیبان سے کوئی جھگڑا نہیں، ہم سب مسلمان ہیں اور مسلمان آپس میں بوجھائی ہوتے ہیں۔ جابر کو کوشش کر کے اٹھ کھڑا ہوا لیکن اسی لمحہ عامر نے اس کی گردن پکڑ لی اور اس قدر زور لگا کر جابر کو نیچے کی طرف دبایا کہ جابر کی ناک سے جا لگی۔ عامر نے غرا کر کہا۔ آج میں تیری ساری سرکشی زائل کر کے رہوں گا۔ عامر نے ایک بار پھر جابر پر مکتوں کی بوچھاڑ کی تھی۔ حتیٰ کہ جابر نے مزاحمت تو کر دی اور وہ بے سدھ ہو کر زمین پر گر گیا۔

عامر پیچھے ہٹا اور اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اس نے کہا۔ اب تیری اور شہ زادی کا نشہ اتر گیا ہوگا۔ اگر پھر کبھی تو نے ایسے رویے کا اظہار کیا تو پھر ہاتھوں سے نہیں اپنی تلوار سے تیری خامیاں اور کوتاہیاں دُور کر دوں گا۔ جابر بن

نوشی سے اٹھا، اپنا کھانا اٹھایا اور بد دلی سے دوبارہ اپنے کام پر لگ گیا تھا۔ دُور کھڑے نقیب بن حوہ نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے شاہباز! یہی میں تیری شجاعت، تیری عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ کاش بنو عبس میں تیرے سے چند اور جوان پیدا ہوتے تو یہ قبائلی عصبیت، برسوں کی عداوتیں کبھی کی ختم ہو جاتیں۔ اے جانا نازیکانہ اور میری قوم کی سعادت و برکت تیری معرکہ آرائی، تیری متانت و منزلت کو ایک بار پھر سلام۔ دونوں قبیلوں کے جوان اپنی اپنی حدود، رہ کر درخت کاٹنے لگے تھے۔

دوپہر کے قریب جب بنو عبس کے جوان کام ختم کر کے واپس جانے لگے۔ تو رہ کے بھائی ولید نے موقع دیکھ کر عامر کو خصوصی اشارہ کیا جس کا مطلب تھا میری تائید۔ عامر ذرا رک گیا اور اپنے قبیلے کے جوانوں سے کچھ پیچھے رہ گیا۔ ولید پلک پلک میں قریب آیا اور عامر سے کہا۔ آج مغرب کی نماز کے بعد اپنے باغ میں میرا کارکنا۔ ولید نے اتنا ہی کہا اور دوبارہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔ عامر اپنے گھر کی نِ روانہ ہو گیا۔ نوزیبان کے جوان بھی اپنی بستی کی طرف لوٹ گئے تھے۔



شام ہونے کو تھی۔ سورج دن بھر صحرائوں اور نخلستانوں کی فضاؤں جنگ کرتا ہوا مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔ عامر کا چچا عمرو بن کعب اپنے گھر کے منہ کھجوروں کے جھنڈ تلے ایک چٹائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ سورج غروب ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا اور چاہتا تھا کہ اپنی چٹائی سمیٹ کر اپنے گھر جائے کہ عامر کے ہاتھوں لہانے والے جابر کا باپ اسود بن علقمہ وہاں آ گیا۔

اسود بنو عبس کے معززین اور رؤسائیں سے تھا۔ عمرو بن کعب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خوشامد لہجے میں کہا۔ آؤ اسود! آج کدھرائے ہو۔ بنو عبس علقمہ نے غصیلی آواز اور مہرکتے لہجے میں کہا۔ میں تمہارے پاس تمہارے بچے عامر بن نافع کی شکایت لے کر آیا ہوں۔ اسے باہر بلاؤ اور اس سے پوچھو

اس نے آج جبلِ ہلال پر درخت کاٹتے ہوئے میرے بیٹے کو کیوں مارا ہے۔

اسود بن علقمہؓ کا پھر گونجتی آوازیں کہتا چلا گیا۔ بنو زیان کے جوان درخت کاٹتے ہوئے اپنی حدود سے تجاوز کر رہے تھے۔ میرے بیٹے جابر نے لٹکا کر کہا: روکا لیکن تمہارے بزدل بھتیجے نے بنو زیان سے جنگ کرنے کے بجائے میرے بیٹے جنگ کی اور اُسے خوب مارا۔ ابھی جا کر دیکھ لو اس کی ماں اس کے درووں پر سینا کر رہی ہے۔ اس واقعہ سے میرے گھر میں طوفان اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ میرا بڑا باغیغہ تلوار سونت کر میرے ساتھ آ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا میں عامر بن نافع کی گردن کر رہوں گا لیکن میں نے بڑی شکل سے اسے پر امن کیا اور گھر میں اسے اس کے بھائیوں کے پاس بٹھا کر آیا ہوں۔ اس بزدل کو باہر بلاؤ تاکہ میں اس سے باز پرس سکوں کہ اس نے آج میرے بیٹے پر کیوں ہاتھ اٹھایا ہے۔

عمرو بن کعب نے منت کرنے کے انداز میں کہا۔ میں خود عامر کی بعض عدا کو ناپسند کرتا ہوں۔ لیکن تم آہستہ بولو۔ میں وعدہ کرتا ہوں میں اسے سمجھا دوں گا اسود نے زور سے گرجتے ہوئے کہا۔ میں آہستہ کیوں بولوں۔ کیا میں نافع کے بڑے سے ڈرتا ہوں، یا وہ قبیلے کا سردار ہے کہ اس کا اتباع مجھ پر واجب ہے۔ اب اچھی طرح سمجھا دینا کہ اگر وہ دمشق شہر میں رہتے ہوئے بزدل ہو گیا ہے اور بنو زیان سے جنگ کرتے ہوئے خوفزدہ ہے تو باہر نکلنے کے بجائے چوڑیاں پہن کر اپنے میں پڑا ہے۔ ہم بنو زیان سے نمٹنا خوب جانتے ہیں۔ اس کا باپ بھی بزدل تھا بزدل نہ ہوتا تو اپنے قبیلے سے نکل کر دمشق شہر میں آہن گری کا پیشہ نہ کرتا۔

عمرو بن کعب نے اس بار ملتجی لہجے میں کہا۔ اسود! اسود! بات کو طے نہ دو۔ عامر اس وقت گھر پر ہے اگر اس نے یہ بات چیت سن لی تو طوفان کھڑا کرے گا۔ میں تم سے اس کے غلط اور منفی رویے کی معافی مانگتا ہوں۔ اسود بن علقمہؓ

لے دمشق شہر کے مضافات میں ایک طویل کوہستانی سلسلہ

مڑا ہو گیا اور گرج کر کہا۔ اس کو سمجھا دو کہ وہ اپنے آپ کو بدل لے ورنہ اسے ہاں سے نکلنا ہوگا۔ جس طرح دمشق شہر والوں نے تنگ آکر اسے نکالا ہے ہم بھی سے اپنے قبیلے سے بدر کر دیں گے اور یہ قدم اس کے لیے ہی نقصان دہ نہیں تمہارے لیے بھی افسوسناک ہوگا اس لیے کہ۔

اسود بن علقمہؓ اپنی بات مکمل نہ کر پایا تھا کہ عامر غصیلی اور غضب ناک حالت میں گھر سے نکلا اور چلاتے ہوئے کہا۔ اسود! اسود! میں نے مکان کے اندر رک کر بڑے صبر اور تحمل سے تمہاری گفتگو کی ہے۔ تم نے مجھے اور میرے باپ کو بزدل کہہ کر پکارا ہے، دوبارہ یہ الفاظ اگر تمہاری زبان پر آئے تو یاد رکھو تمہاری بگدی اور ناپاک زبان میں کاٹ کر تمہاری تھیلی پر رکھ دوں گا۔

اسود بن علقمہؓ نے بھی منہ سے جھاک چھوڑتے ہوئے غصے میں کہا۔ تم نے بنو زیان کے جوانوں سے معاملہ طے کرنے کے بجائے آج میرے بیٹے کو بلا وجہ مارا ہے۔ اگر تم بنو زیان سے ڈرتے ہو تو گھر میں پڑے رہو ہم تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔

عامر نے طنزاً کہا۔ اس قدر بڑی عمر کے ہو کر تمہیں شرم تو نہ آتی ہوگی، کہ ہمارے بیٹے اور تم بہادر اور شجاع ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور تم اس شخص کو بزدل کہہ کر پکار رہے ہو جس نے تمہارے بیٹے کو مارا۔ تمہاری سمجھ کہاں چلی گئی ہے نہ ہمارا شعور کہاں کھو گیا ہے۔ اسود! اسود! میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ام اور تمہارے بیٹے بنو زیان کے ساتھ جنگ کرنے میں سب سے آگے ہوتے ہو اور لڑائی کے دوران تم سب سے پہلے فرار ہونے کے لیے پیچھے رہتے ہو۔ بنو زیان کی خصلت اور نحو کو سمجھتا ہوں۔ تمہارا بیٹا جابر آج بغیر وجہ سے بنو زیان سے اُلجھنا چاہتا تھا لیکن اس میں بھی تم جیسا مکار اور عیار خون گردوش کرتا ہے۔ مذا اس نے بھی تمہاری طرح مجھے بزدل کہہ کر پکارا۔ میں نے دوبار اسے برداشت لیا اور تیسری بار میرا ہاتھ اس کی گردن پر تھا۔ اسود! اسود! آئندہ کبھی بھی مجھے

اور میرے باپ کو بُزدلی کا طعنہ نہ دینا ورنہ تیری گندی زبان کاٹ کر میں تیری تھپتھپا پر رکھ دوں گا۔ تم بنوعین میں سے کوئی بھی جوان میرے سامنے لے آؤ اگر کو مجھے مات کر گیا تو میں اپنا قبیلہ چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔

اسود بن علقمہ اس بار شرم سار سا ہو کر بولا۔ قبیلے کے جوان اپنوں سے نہیں لڑتے۔ تیرے برعکس وہ بنو زیان سے عداوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ تیری دشمنوں کے سامنے اپنوں سے لڑ کر سدا نیت کا اظہار نہیں کرتے۔ عامر نے فو اپنی تلوار بے نیام کر لی اور غصے میں چلا کر کہا: 'اسود! تمہارا کوئی حمایتی ہے تو آواز دے لو۔ میری تلوار تمہاری گردن پر برسے لگی ہے۔ اگر باتیں بنانے کی طرح جنگجو بھی ہو تو مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں تلوار نکالنے کا موقع دیتا ہوں تم پر ابلیس کی سی لعنت اگر تم اپنے آپ کو ناچار اور لاغر جانتے ہو تو جاؤ اپنا کرسی بیٹے کو بلا لاؤ۔ میں یہیں کھڑا ہو کر انتظار کرتا ہوں۔

عامر کے ہاتھ میں ننگی اور چمکتی ہوئی بھاری تلوار دیکھ کر اسود کا رنگا پیلا پڑ گیا تھا۔ وہ خوف اور وحشت سے پیچھے ہٹنے لگا تھا۔ عامر جب ادا بڑھا تو عامر کا چچا عمرو بن کعب درمیان میں آتا ہوا بولا۔ عامر! عامر! تم گ چلے جاؤ میں اسود کو سمجھا لیتا ہوں۔ عامر نے غضب ناک آواز میں کہا۔ اے یہ عم! آپ پیچھے ہٹ جائیے میں اس شرنپند کا سر کاٹ کر ہوں گا جو بنوعین بنو زیان میں جلال اور فساد کی سب سے بڑی اور پرانی جڑ ہے۔

اتنی دیر تک گھر سے عامر کی عم زاد بہن عروب اور بھائی عدنان بھی ہوئے باہر آ گئے تھے۔ عروب نے عامر کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ انھی! چھوڑیے جھگڑے کو آپ گھر چلیے۔ عامر نے غصے میں عروب کو بھی ایک طرف ہٹا دیا۔ عمرو بن کعب ابھی تک دونوں کے درمیان حائل تھا۔ اس کے ایک طرف غصہ حالت میں عامر تھا اور دوسری طرف اسود بن علقمہ جو خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ عامر نے جب عروب کو بھی پیچھے ہٹا دیا تو عروب نے اپنے بھائی عد

کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یا انھی! انہیں روکیے ورنہ جھگڑا طول پکڑ جائے گا۔ میرا ایک ہی عم زاد ہے اسے اگر کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہ رہ سکوں گی۔

عدنان فوراً آگے بڑھا اور عامر کا بازو پکڑ کر پیچھے کھینچنے لگا۔ عروب فوراً دوبارہ پھر آگے بڑھی اور عامر کا بازو پکڑ کر اس بار انتہائی پُردردا اور دل نگرانہجے میں کہا۔ انھی! خدا کے لیے گھر چلیے۔ میں آپ کی وہ بہن ہوں جن کا کہا آپ نے کبھی نہیں ٹالا۔ کیا آپ لوگوں کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عروب بن عمرو اپنے عم زاد کے آگے ایسی بے بس ہے کہ اس کا کوئی وقار و استقلال نہیں ہے۔ عروب کے ان الفاظ نے خاطر خواہ اثر کیا۔ عامر نے مزاحمت ترک کر دی۔ اپنی تلوار اس نے نیام میں کر لی اور گھر کی طرف چل پڑا۔ عروب اور عدنان اس کے ساتھ تھے، اسود بن علقمہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور وہ فوراً وہاں سے کھسک گیا۔ اس جھگڑے اور تکرار کے باعث جو لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے واپس لوٹ گئے۔ عمرو بن کعب بھی سر جھکائے اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

اندر آ کر عامر فوراً اپنے گھوڑے پر زین ڈالنے لگا تھا۔ عمرو بن کعب انان اور عروب حیرت اور پریشانی سے دیکھ رہے تھے۔ عروب آہستہ آہستہ کے بڑھی اور عامر سے وہ کچھ پوچھنا ہی چاہتی تھی کہ عمرو بن کعب نے گرتی ہوئی ناز میں کہا۔ کہاں جا رہے عامر! کوئی نیا جھگڑا کھڑا کرنے سے قبل یہ سوچ لےنا کہ مجھ میں اتنی سمیت اور قوت نہیں کہ میں تمہاری خاطر قبیلے میں اپنے نول کی تعداد میں اضافہ کرتا رہوں۔ یاد رکھو! تم نے اسود بن علقمہ کے بیٹے ہاتھ اٹھا کر غلطی کی ہے۔ تمہیں چاہیے تھا جب اس کے بیٹے نے بنو زیان، جہانوں کو لالکا رہا تھا تو تم اس کا ساتھ دیتے۔ جب کہ تمہارے باپ کے قاتل ازبانی ہیں۔ ولید نے گھوڑے کا تنگ کتے ہوئے کہا۔ اے میرے عم! یہ انکی غلط فہمی ہے کوئی زبانی میرے باپ کا قاتل نہیں ہے۔

عمرو بن کعب نے نفرت اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ تم اپنے

کی طرف دیکھا۔ پھر وہ اپنا گھوڑا لے کر مکان سے باہر آکر سوار ہوا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ دائیں طرف دوڑنے لگا تھا۔

اپنے باغات میں آکر عامر نے گھوڑا انجیر کے ایک درخت سے باندھ دیا اور پھر باغات کے اندر بہنے والے چشمے کے پانی سے وضو کرنے لگا تھا۔ یہ پانی جبل ہلال کے چشموں سے آتا تھا جن سے دونوں قبائل کے باغات اور کھیتیاں سیراب ہوتی تھیں اور جو باغات دریائے ابانا کے کنارے تھے انہیں دریا کے کنارے کنوئیں کھود کر دریا کے پانی سے بھی سیراب کیا جاتا تھا۔ عامر وضو کرنے کے بعد مغرب کی نماز ادا کرنے لگا تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر عامر نے اپنا گھوڑا اٹھولا پھر وہ گھوڑے کی باگ پکڑے آہستہ آہستہ چلتا ہوا باغات سے باہر نکلا اور اس پگ پکڑی پر آکھڑا ہوا۔ جو دونوں قبیلوں کے درمیان پڑنے والی چراگاہوں سے ہوتی ہوئی بنو زیبا کی بستی حوران کی طرف چلی گئی تھی۔ اندھیرا اب گہرا ہو گیا تھا اور مشرقی جانب دریائے ابانا کے اس پار کو ہٹانے کے پیچھے سے چاند نمودار ہو رہا تھا۔ وہاں کھڑے عامر کو تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ چاند پر اُسبھرا اور نہر حنیہ کو اپنی ٹھنڈی اور سہانی چاندنی میں نہلا گیا تھا۔ تنے میں بنو زیبا کی بستی حوران کی طرف سے آنے والی پگ پکڑی پر ٹاپوں کی آواز سنائی دی تھی۔ عامر فوراً سنبھل گیا اور اپنی تلوار بے نیام کر لی۔ شاید اسے خدشہ تھا کہ اس کے ساتھ دھوکہ نہ ہو۔

تھوڑی دیر بعد عامر کو ذرا فاصلے پر تین گھوڑے سوار آتے دکھائی دیے۔ وہ اپنے گھوڑوں کو سر پٹ دوڑاتے آ رہے تھے۔ عامر نے کچھ سوچا پھر وہ حرکت میں آیا۔ اپنا گھوڑا اس نے وہیں کھڑا رہنے دیا اور خود وہ چھوٹے قد کے انجیر کے ایک درخت ل اوٹ میں ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ تینوں سوار عامر کے گھوڑے کے پاس آکر کئے اور اپنے گھوڑوں سے آتر کر پریشانی کی حالت میں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ چاندنی ت میں عامر انہیں پہچان گیا۔ وہ نقیب، ولید اور دمشق میں رہنے والا عامر کا مخلص

باپ کی طرح سختی ہو۔ اگر تمہارے یہی اطوار رہے تو قبیلے والے تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔ عامر نے پھر بھی نرم لہجے میں کہا۔ اگر قبیلے والوں نے مجھے یہاں سے نکال دیا تو میں آپ سے مدد کی درخواست نہ کروں گا۔ اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔

عمر بن کعب نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ اگر تم قبیلے کی مرضی کے خلاف بنو زیبا کی حمایت پر تلے ہوئے ہو تو بہتر ہے تم اپنے گھر چلے جاؤ۔ یہاں رہتے ہوئے میرے اور تمہارے درمیان تلخی اور بے تعلقی کی خلیج اور وسیع ہوتی رہے گی۔ عام جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ عروب نے غصے میں چلاتے ہوئے کہا۔

اے میرے باپ! اگر آپ نے انجی عامر کو یہاں سے نکالا تو میں اور عدنان بھائی بھی ان کے ساتھ چلے جائیں گے۔ پھر آپ اکیلے اس گھڑی میں رہیں گے۔ یاد رکھیے جو بات بھی میرے بھائی کے خلاف ہوئی میں اسے برداشت نہ کروں گی۔ میرا بھائی اسی گھر میں رہے گا اور میں اس کی خدمت کروں گی۔

عمر بن کعب غصے میں پاؤں ٹپختا ہوا کمرے میں چلا گیا۔ عامر جب اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر باہر جانے لگا تو عروب نے درد بھری آواز میں پوچھا۔ اے اُمّ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ عامر نے پیار سے عروب کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ تم نہ مکر مند نہ ہونا۔ میں کسی سے جھگڑا نہ کروں گا۔ میں ذرا اپنے باغات تک رہا ہوں۔ اگر ہو سکے تو میرا سامان اٹھا کر میرے گھر میں رکھ دو، میں سچا کا دل نہیں توڑنا چاہتا اور پھر ساتھ والا گھر ہی تو میرا ہے۔ میں کون سا درد ہوں گا۔ وہاں رہنا ہوئے بھی تم مجھے کھانا پکا کر دے سکتی ہو۔

اس بار عدنان نے ملتی لہجے میں کہا۔ نہیں عامر! تم ہمارے ساتھ گے۔ بابا کی باتوں کا بُرا نہ ماننا میں ان کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔ عامر جب باہر نکلنے لگا تو عروب نے کہا۔ انجی جلدی آجانا۔ جب تک تم واپس نہ آؤ گے اور عدنان بھائی کھانا نہ کھائیں گے۔ عامر نے ایک بار نرمی اور شفقت سے غروب

اور ہمدرد دوست طیب سعد بن حوہ تھے۔ عامر انجیر کے پودے کی اودھ سے باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ ولید نے اسے زرداری سے پکارا۔ عامر! تم کہاں ہو؟ عامر فوراً اودھ سے نکل آیا اور آگے بڑھ کر وہ تینوں سے بغلیں ہو کر پھر اس نے ساری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ سعد! سعد! تم یہاں کیسے آئے ہو۔

سعد نے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ افسوس میری غیر موجودگی میں تم کیا کچھ نہ بیت گیا۔ مجھے تمہارے باپ کے مرنے کا انتہائی افسوس ہے۔ میں مدینہ النبیؐ گیا ہوا تھا۔ وہاں میری مانی سخت بیمار تھی۔ وہاں سے میرے ماموں نے پیغام بھیجا تھا۔ میں اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ جلدی میں گیا تھا۔ لہذا جاتے جاتے تم سے مل نہ سکا۔ میں کل ہی وہاں سے لوٹا ہوں۔ آج مجھے دمشق کے سابق مختص جمال الدین سے تمام حالات کا علم ہوا۔ لہذا میں تم سے ملنے تمہارے قبیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں نے تمہاری بستی دیکھی ہوئی تھی لہذا غلطی سے میں بنو زبیاں کی بستی حوران میں داخل ہو گیا۔ وہاں خوش قسمتی سے میری ملاقات ولید سے ہو گئی۔ یہ مجھے اپنے گھر لے گیا اور بتایا کہ عامر آج رات ان کے گھر آنے والا ہے ہم اسے یہاں جانیں گے۔ لہذا میں وہاں رگ کہہ ان کے ساتھ تمہیں لینے چلا آیا ہوں۔ یہاں آکر پتہ چلا کہ بنو عبس اور زبیاں میں سخت جھگڑا چل رہی ہے لیکن میں وہاں کے باپ سالم بن عقبہ سے مل کر انتہائی طور پر خوش ہوں۔ گو وہ قبیلے کا سردار ہے اس کے خیالات بہت شستہ اور پاکیزہ ہیں۔ وہ دونوں قبیلوں کے درمیان منا کو انتہائی مضر اور ناقابل تلافی نقصان سمجھتا ہے۔

سعد جب خاموش ہوا تو ولید نے نقیب کی طرف اشارہ کر کے عامر سے کیا آپ جانتے ہیں یہ کون ہے۔ عامر نے جب نفی میں سر ہلا دیا تو ولید نے کہا۔ نقیب بن حوہ ہیں۔ ہمارے قبیلے کا سب سے بہادر و ماہر تیغ زن اور آپ زبردست ملاح۔ عامر نے ایک بار مسکراتے ہوئے پھر نقیب سے ہاتھ ملا ولید پھر بولا۔ اب آپ ہمارے ساتھ چلیے۔ عامر نے چونک کر پوچھا۔

ہمارے گھر میرے باپ نے آپ کو بلایا ہے۔ عامر نے استفسار کیا کہ میں پوچھا۔ کیوں آیا ہے مجھے۔ ولید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھے معلوم نہیں انہوں نے آپ کو بول بلایا ہے۔ لیکن آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا آپ کو ہم پر اعتماد نہیں ہے جب کہ آپ کے دوست سعد بن حوہ بھی ہمارے ساتھ ہیں۔

عامر اپنے گھوڑے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے چلو تمہارے ساتھ تمہارے قبیلے میں چلتا ہوں۔ پھر وہ سب اپنے گھوڑوں پر بار بار ہوئے اور چاندنی رات میں اس تنگ پگڈنڈی پر گھوڑے دوڑانے لگے۔ پھر آگاہوں اور جبل ہلال کے ایک حصے کے اندر سے گذرنے کے بعد بنو زبیاں بستی حوران کی طرف چلی گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ولید انہیں لے کر اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ عامر نے حاسویلی کے صحن میں ولید کا باپ اور بنو زبیاں کا سردار سالم بن عقبہ کھڑا تھا مکے ساتھ ادھیڑ سی عمر کا ایک اور آدمی بھی تھا جسے ولید نہ جانتا تھا۔

ولید جو نہی گھوڑے سے اترتا سالم بن عقبہ آگے بڑھا اور عامر کو گلے لگاتے لگاتے کہا۔ میں اپنی حویلی میں نافع کے بیٹے اور اپنے محسن کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ سالم نے اپنے ساتھ کھڑے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ نصر بن اسد ایک رئیس۔ میرے پوتے دوست ہیں۔ یہ غریب شام کی ایک سرحدی بستی کے نالے والے ہیں اور اس بستی کے سردار بھی ہیں۔ قلعہ حارم جو کبھی مسلمانوں کا تھا بس پر عیسائیوں نے پچھلی صلیبی جنگوں میں قبضہ کر لیا تھا ان کی بستی سے نزدیک ہے۔

عامر نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی کے ساتھ نصر بن اسد سے مصافحہ کیا

ارض شام کا ایک مضبوط قلعہ جس پر دوسرے صلیبی دور میں عیسائیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔

دائیں طرف کے کمرے میں پردے کے پیچھے کھڑی نائرو بڑے شوق اور مٹھی نگاہوں سے عامر کو دیکھ رہی تھی۔ سالم عامر کا بازو پکڑ کر دیوان خانے میں لے گیا۔ بن اسد، نقیب، سعد اور ولید بھی ان کے ساتھ دیوان خانے میں آکر بیٹھ گئے۔ سالم نے گفتگو کی ابتدا کرتے ہوئے کہا۔

عامر! عامر! میرے بیٹے! میرے محسن! پہلے تو میں تمہارے باپ کی موت پر دلی صدمے کا اظہار کرتا ہوں۔ مجھے تمہارے باپ کی موت پر سخت غم اور تشویش ہوئی۔ وہ ایک نیک خواہ اور صلح پسند عسی تھا۔ عامر کی گردن جھک گیا اور وہ اُداس ہو گیا۔ چند لمحوں تک کمرے میں سکوت رہا پھر سالم بن عقبہ نے دہانے بولتے ہوئے عامر کو مخاطب کر کے کہا۔ عامر! عامر! نقیب اور ولید مجھے تمہاری کی کارگزاری تباہ کی ہے۔ تم نے دونوں قبیلوں کو ٹکراؤ سے بچانے کے لیے بن اسود پر ہاتھ اٹھا کر ثابت کر دیا ہے کہ تم ایک امن خواہ اور صلح جو عسی آج سے اس گھر کے دروازے ہمہ وقت تمہارے لیے کھلے ہیں تم۔

عامر نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ آج کے حادثہ نے میرے مسائل بھی کھڑے کر دیئے ہیں۔ آج اسود بن علقمہ نے میرے چچا سے اس کی شکایت کی جس کے باعث میرے اور اسود کے درمیان تلخ کلامی ہوئی اس وجہ سے میرا چچا مجھ سے ناراض ہو گیا اور اس نے مجھے یہاں تک کہہ دیا کہ بہن تم میرے مکان سے نکل کر اپنے مکان میں چلے جاؤ۔ گو میرے چچا کے ساتھ میرا ہے اور وہاں اکیلے رہتے ہوئے مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی لیکن میری عمر زاد اور بھائی آئے۔ انہوں نے چچا سے کہہ دیا کہ اگر مجھے اس گھر سے نکالا جائے تو دونوں بھی گھر چھوڑ دیں گے۔ لہذا چچا خاموش ہو گیا ہے۔

سالم بن عقبہ نے بڑی شفقت سے کہا۔ ”عمرو بن کعب احمق ہے جو امن پسند مہتجے کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ بہر حال تم فکر مند نہ ہونا اگر ایسا نہ ہو جائے تو سیدھا میرے ہاں چلے آنا۔ یہاں اس گھر میں تمہاری حیثیت ایک

دکی سی ہوگی۔ سالم جب خاموش ہوا تو نصر بن اسد پہلی بار مخاطب ہوا۔ اگر یہاں کے حالات تمہارے حق میں نہ رہے تو میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم سیدھے میرے پاس چلے آنا۔ عیسائیوں کا قلعہ حارم ہمارے نزدیک پڑتا ہے۔ ہاں کا عیسائی حاکم طیطوس اکثر مسلمان بستیوں پر یلغار کر کے لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتا ہے۔ تم ایک بہادر اور شجاع جوان ہو۔ سالم نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی لڑکی کی رزت بچاتے ہوئے تم اکیلے نے چار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اگر تم ہاں آگے تو میں تمہاری رانہائی میں مسلمان جوانوں کو مسلح کر کے طیطوس ترکانہ کو وک دوں گا۔

عامر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اگر مجھے کبھی وقت ملا تو میں ضرور آپ کی لوف آؤں گا۔ یہ کام میرے لیے ایک سعادت سے کم نہ ہوگا۔ نصر بن اسد پھر بلا۔ میری بستی کا نام اسفیرہ ہے اور وہ حلب اور انطاکیہ کے درمیان سرحد پر واقع ہے۔

عامر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ اب مجھے اجازت دیجیے، میں چلتا ہوں۔ سالم نے چونکتے ہوئے کہا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ آج نصر بن اسد کی ہمارے ہاں دعوت تھی اس دعوت میں تمہیں بھی بلایا گیا تھا۔ تم میری بیٹی کے محسن ہو، اسے خبر ہو گئی تھی کہ اس دعوت میں تم بھی شرکت کر رہے ہو۔ لہذا وہ اپنی رشتہ دار لڑکیوں کے ساتھ مل کر بڑی محنت سے تمہارے لیے مختلف انواع کے کھانے تیار کرتی رہی ہے۔ عامر نے بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میں ضرور اس دعوت میں شرکت کرتا لیکن میں مجبور ہوں۔ آج میرا چچا مجھ سے خطا ہوا تھا تو میری عمر زاد بہن اور بھائی نے میری طرف داری کی تھی۔ میں جب ادھر آنے کے لیے گھر سے نکلا تھا تو میری بہن نے کہا تھا جلدی آنا جب تک آپ نہ آئیں گے ہم دونوں بہن بھائی کھانا نہ کھائیں گے۔ وہ دونوں مجھ کے پیٹھے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اگر میں یہاں سے کھا کر گیا تو انہیں مایوسی ہوگی اور میں

ان کا سامنا نہ کر سکوں گا۔

سالم بن عقبہ کھڑا ہو گیا اور عامر سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ میں تمہارا جہز کی قدر کرتا ہوں، تمہیں ضرور جانا چاہیے۔ ورنہ وہ دونوں بہن بھائی تم سے مایوس ہو جائیں گے۔ عامر نے سب سے مصافحہ کیا پھر سعد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ چلو میرے ساتھ۔ سالم نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔

”عامر! عامر! تمہارے گھر کی حالت درست نہیں ہیں۔ بہتر ہے تم سو کو ساتھ نہ لے جاؤ۔ اسے یہیں رہنے دو۔ آج کی رات تمہاری جگہ یہ ہمارا مہاں ہو گا۔ سعد نے تاکید کرتے ہوئے کہا۔ یہ درست ہے عامر! میں کل یہیں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ تم فکرمند نہ ہو، اب میں تم سے ملتا رہوں گا۔ عامر نے سعد سے بھی مصافحہ کیا اور باہر نکل گیا۔

نوزیبان کی بستی حوران سے نکل کر عامر جبل ہلال کی اس تنگ پٹی میں داخل ہوا جو حوران کے بالکل قریب تھی اور بستی کے کچھ گھر پہاڑی سلسلے سے بالکل ملحقہ واقع تھے۔ جب وہ اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا ایک تنگ گھاٹی سے گزر رہا تھا تو ایک دم پتھروں کی اوٹ سے نائرہ بنت سالم نمودار ہوئی اور عامر کا راستہ روک کر کھڑی گئی۔ عامر نے فوراً اپنے گھوڑے کی بائیں کھینچتے ہوئے اسے روک لیا اور حیرت نائرہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ”نائرہ تم!“

نائرہ پہلے کچھ ہچکچی پھر بھلتی ہوئی بولی اس روز اپنے باپ اور بھائی کا موجودگی میں اپنے عرس کا میں شکریہ ادا نہ کر سکی تھی۔ میں آپ کی احساندہ ہوں کہ آپ نے ایک عیبی ہوتے ہوئے میری جان اور عزت بچائی تھی۔ عامر نے محسوس کیا۔ نائرہ کا آواز کسی معنی و مطرب کی صدا جیسی پُر لطف اور نوشین و انگبین تھی۔ عامر نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہیں احسان مند ہونے کی ضرورت نہیں، یہ میرا فرض تھا۔

نائرہ نے پھر نغم و گیت اور سنگنی نوا میں کہا۔ کاش آپ کا تعلق نبوہ

سے نہ ہوتا۔ عامر نے پوچھا۔ کیا میرا عیبی ہونا گناہ ہے۔ نائرہ نے بے چینی کی حالت میں کہا۔ یہ بات نہیں، سوچتی ہوں شاید میں اپنے محسن کو پھر کبھی نہ دیکھ سکوں۔ عامر نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور غور سے نائرہ کو دیکھنے لگا۔

نائرہ بھی اسے اس قدر میٹھی لگا ہوں، فرح بخش و شیریں اور نہال و خرم نواز میں دیکھ رہی تھی جیسے وہ پھوار و درم جھم بن کر، رنگ و آہنگ کا روپ دھار کر، شہد و شکر ہو کر اور ترانہ و زمزمہ بن کر اپنی زندگی کا پورا رس عامر پر نچھاور کر دے گی۔

عامر نے مدھم اور افسردہ آواز میں کہا۔ نائرہ! نائرہ! میری زندگی کے اب ڈوبی مقاصد ہیں، اولاً! اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام۔ ثانیاً! بنو عس اور بنو زبیاں کو جنگ کی بھڑکتی آگ سے دودھ رکھنا۔ اگر میں دونوں قبیلوں کے تعلقات استوار کرنے میں کامیاب ہو گیا تو شاید میرے تمہارے ملنے کی راہیں بھی استوار ہو جائیں۔ نائرہ نے درود بھری آواز میں کہا۔ شاید آپ اکیلے اس کام کو انجام نہ دے سکیں۔

عامر نے افسردہ لہجے میں کہا۔ تو پھر میں اپنے باپ کا انتقام لے کر ہمیشہ کے لیے اپنے قبیلے کو چھوڑ دوں گا۔ نائرہ نے تشویشناک لہجے میں پوچھا۔ پھر آپ کہاں چلے جائیں گے۔ بہت دور جہاں تعصب اور رقابت کی گرم جھٹیاں نہ ہوں۔ جہاں مسلمان آپس میں امن و سکون اور اتحاد و اتفاق سے زندگی بسر کرتے ہوں۔ اپنے قبیلے سے نکل کر شاید میں حلب کا رخ کروں کہ وہاں ایک بہادر اور شیر دل مجاہد حکمران بن گیا ہے۔ اس کا نام عماد الدین ہے۔ میں اس کے لشکر میں جا کر شامل ہو جاؤں گا۔

نائرہ نے بے تاب ہو کر کہا۔ میں پردے کی اوٹ میں اپنے باپ کے ساتھ آپ کی پوری گفتگو سن چکی ہوں۔ اگر آپ کا چچا آپ سے تنگ ہو۔ اگر بنو عس آپ کو بوجھ تصور کریں تو آپ سیدھے ہمارے قبیلے میں آجائیں، میں آپ کو یقین دلاتی ہوں نوزیبان آپ جیسے ادراک مند و مزاج آشنا، وحید و یکسا

کرنا چاہتی تھی۔ لہذا اس بار اس نے ذرا بیاک ہو کر کہا۔ میرا مطلب ہے اگر آپ دونوں قبیلوں کے درمیان حامل نفرت، عداوت اور جنگی جنون کے ساگر کو پار کر سکیں وہیں ہر روز، سنبل، ریحان، یاسمین اور گلاب کے پھولوں سے اتنی جہل ہلال کی اس چوٹی پر مغرب کی نماز کے بعد آپ کا انتظار کیا کروں گی۔ نائروہ نے ہاتھ سے پہاڑ کی ایک چوٹی کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔

عامر نے بڑے عزم اور ثبات میں کہا۔ میں تمہارے جذبات کی قدر اور تمہارے انتظار کی حفاظت کروں گا۔ اس کے ساتھ ہی عامر نے اپنے گھوڑے کو یڑ لگا لی اور آگے بڑھ گیا۔ نائروہ وہیں کھڑی ہو کر اسے دیکھتی رہی۔ جب وہ اس کی نظروں سے اس طرح ادھل ہو گیا جس طرح صبح کا ستارہ سحر کی آغوش میں چھپ جاتا ہے تو وہ بھی مڑی اور ہرنی کی طرح پھلاکتی ہوئی اپنے گھر کی طرف بھاگ رہی تھی۔

عامر جب گھر داخل ہوا تو اس کے دیکھا۔ اس کا چچا گھر نہ تھا۔ گھوڑے کی زین اتارنے کے بعد اور اسے باندھ کر وہ اس کمرے میں داخل ہوا جس میں عروب اور عدنان بیٹھے ہوئے تھے۔ عامر کو دیکھتے ہی دونوں کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے کسی نے بھی عامر سے یہ نہ پوچھا کہ وہ کہاں رہا۔ شاید وہ یہی سمجھتے رہے تھے کہ عامر اپنے باغات میں گیا ہوا ہے۔ عروب کھانا بیکال لائی اور تینوں بہن ہائی کچور کی چٹائی پر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ عامر مطمئن اور خوش تھا۔ شاید نائروہ بنت سالم کے اس عہد پر کہ وہ کل سے جہل ہلال کی چوٹی پر مغرب کی نماز کے بعد ہر روز اس کا انتظار کیا کرے گی۔



اور بے بیش و بے نظیر جوان کو نامساعد و ناموافق حالات اور نا اتفاقی و کم توجہی / احساس نہ ہونے دیں گے۔ عامر نے دیکھا نائروہ خاموش ہو کر اس کے سامنے عزم و ایثار کی تصویر اور وفا کا پسیر بنی کھڑی تھی۔

عامر نے بڑی نرمی اور احسان مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ 'نہیں نائروہ! ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر میں بنو زیباں میں چلا آیا تو دونوں قبیلوں کے درمیان رقابت اور جھگڑا اور بڑھ جائے گی اور میں اپنے رویتے سے دونوں قبیلوں کے درمیان ایسی پرخطر کیفیت پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ جاؤ، تم واپس لوٹ جاؤ مجھے بھی اب چلنا چاہیے۔

نائروہ آنکھیں جھکائے اور دانتوں میں آنکلی دباؤں کچھ سوچ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا اس کا سینہ آرزوؤں سے بھر پور اور نگاہیں کسی جستجو میں غمور ہوں۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی پر کہہ نہ پا رہی تھی۔ شاید وہ مناسب الفاظ تلاش کر رہی تھی کہ اس کا سہارا لے کر وہ اپنے آپ کو عیاں کر سکے۔

عامر نے پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اگر تم کہو تو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔ نائروہ نے چونک کر کہا۔ نہیں میں چلی جاؤں گی۔ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ عامر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ تو پھر کہہ دو تم رک کیوں جاتی ہو۔ نائروہ پھر بھی کچھ نہ بولی اور سوچوں میں کھو گئی۔ عامر خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ نائروہ کے چہرے پر اس لمحہ انوکھا پن، ندرت، عمدگی، انصاف، نادر پن، تازگی اور آب و ہوا چھائی ہوئی تھی۔ عامر کے سامنے وہ خاموش کھڑی تھی اور اس کے حسین جسم سے نائروہ آہو کی سی مشکبوٹا پھرتی تھی۔ چند لمحوں تک وہ اسی حالت میں کھڑی رہی۔ پھر عامر کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بڑی آسن اور امید میں پوچھا۔ کیا آپ تعصب، رقابت کا ساگر پار کر سکیں گے۔ وقت کی دھول کو سچان اور فاصلوں کی زنجیروں کو توڑ سکیں گے۔ عامر نے حیرت اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہتا ہو۔ نائروہ شاید ان آن کہے الفاظ کو مجتمع کر چکی تھی جن سے وہ اپنے مدعا کا اظہار

ے ہوئے تھے۔ پھولوں سے گھری ہوئی اس چوٹی کے درمیان تھوڑی سی
رہ خالی تھی جہاں چھوٹا سا ایک چشمہ تھا۔ جس کا پانی ابل ابل کر باہر نکل رہا تھا اور
چوٹی سے نیچے اتر کر وہ پانی کے اس نالے میں جا کر تاتا تھا جو باغات کے وسیع
بے کو سیراب کرتا تھا۔ عامر نے دیکھا چوٹی خالی پڑی تھی اور وہاں نائرو کا نشان
نہ تھا۔ عامر کو سخت مایوسی ہوئی۔ اس نے سوچا شاید نائرو کسی وجہ سے نہ آسکی
تی لہذا وہ واپس جانے کے لیے اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا۔

ایک دم عامر کے قدم رُک گئے اور اس نے فوراً مڑ کر پیچھے دیکھا۔
ماکو ہتھانی چوٹی پر اسے کسی کے کپڑوں کی رس بھری سرسبز ہٹ محسوس ہوتی تھی۔
نے میں ایک پتھر کے پیچھے سے نائرو نکل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے پر
ن کی کمالیت اور گلانی تبسم تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ عامر کی طرف بڑھی اور خواب
بزداز میں اس نے پوچھا۔ کیا آپ مایوس ہو کر لوٹ رہے تھے۔ عامر کے قلب
مراڑوں کی رس بھری نشید و نوا میں ڈوب گئے تھے۔ اس نے چونکتے ہوئے کہا
واقعی لوٹ رہا تھا۔

کیا آپ کو یقین تھا نائرو بہت سالم آپ کے ساتھ کوئی جھوٹا عہد
سکتی ہے۔ عامر بھی آگے بڑھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ نہیں میں نے صرف
دوچا تھا کہ تم شاید کسی مجبور کی وجہ سے نہ آسکی ہو۔ نائرو نے کمال مہمڑی
ظہار کرتے ہوئے کہا۔ میں بے شک ایک فاتر اور کمزور لڑکی ہوں لیکن میں
کو ادھام کے جال میں نہ پھنسنے دوں گی۔ میں ہمیشہ آپ کی تائید کی محتاج اور
کی حفاظت و امان کی منتظر رہوں گی۔

عامر نے آگے بڑھ کر نائرو کے پیچ و مرمریں ہاتھ تھام لیے۔ نائرو نے
مزا محنت نہ کی تھی اور اس کا بلوریں جسم کپکپا اٹھا تھا۔ نائرو کے ہاتھوں کے
اگر نے پر عامر کو یوں محسوس ہوا گویا اس کی ہر عرق، ہر رگ میں سنسنی دوڑ گئی
پھر اس نے غایت عزیمت اور انتہائی خلوص سے کہا۔



دوسرے روز عامر شام تک کدال سے اپنے باغ میں کام کرتا رہا
دوپہر کا کھانا اسے وہیں دے گئی تھی۔ جب شام ہو گئی تو اس نے چشموں کے
کی اس نالی پر بیٹھ کر غسل کیا جو اس کے باغات سے گزر کر سیدھی مغرب کی طرف
چلی گئی تھی۔ پھر اس نے مغرب کی ناز ادا کی، باغ کے اندر گھاس پھرتے اپ
گھوڑے کو پکڑا اور اس پر زین ڈالنے لگا تھا۔ صحرائی ہوائیں تیز ہو گئی تھیں
قسم قسم کے پرندے اپنی خوراک تلاش کرنے کے بعد اب بنو عبس اور بنو
کے باغات میں جمع ہونے لگے تھے۔

گھوڑے پر زین ڈال چکنے کے بعد عامر پیچھے ہٹا۔ جو کپڑا باندھ کر
نے غسل کیا تھا اسے خشک ہونے کے لیے اس نے انار کے ایک پودے پر لٹکا
کدال اس نے انگوڑی بیلوں کے اندر پھپھادی۔ پھر وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور
ایڑ لگا دی۔ اس کا رخ جبل ہلال کے طویل سلسلے کی اس چوٹی کی طرف تھا جہا
نائرو نے مغرب کے بعد اسے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

عامر کا گھوٹا ہنہاتا ہوا جبل ہلال کی اس چوٹی پر چڑھا تھا۔ اوپر جا
عامر نے دیکھا چوٹی سنبل، ریحان اور گلاب کے پھولوں کے علاوہ اور کئی قہ
کے جنگلی پھولوں سے آٹی پڑی تھی۔ چوٹی کے اوپر جگہ جگہ بڑے بڑے اور زنی

کی طرف جا رہا تھا۔



اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا عامر دمشق شہر میں داخل ہوا تھا۔ مختلف محلوں اور کوچوں سے گزرتا ہوا وہ ایک حویلی کے سامنے رکا اور گھوڑے سے نیچے اتر کر دروازے پر دستک دی۔ اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے۔ تھوڑی دیر بعد حویلی کا دروازہ کھلا اور سامنے شہر کے سابق محتسب جمال الدین کھڑے تھے۔ عامر نے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ جمال الدین نے اسے بازو سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا اور پھر گلے لگاتے ہوئے کہا: تم کیسے ہو بیٹے! جواب میں عامر کے ہونٹوں پر اس گرم جوش استقبال پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ جمال الدین نے عامر کو دیوان خانے میں بٹھایا پھر وہ اس کا گھوڑا اندر باندھ کر دیوان خانے میں آئے اور عامر کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا: کیا طبیب سعد سے تمہاری ملاقات ہوئی؟ عامر نے پریشان لہجے میں پوچھا: کیوں کیا ہوا ہے؟ جمال الدین نے پھر پوچھا: تم کس وقت کے اپنے گھر سے نکلے ہوئے ہو۔ عامر نے پریشانی میں کہا: صبح سے شام تک اپنے باغ میں کام کرتا رہا، اور اندھیرا ہوتا ہی ادھر چلا آیا۔ آپ پریشان کیوں ہیں، کھل کر بات کریں جمال الدین نے عامر سے قریب ہوتے ہوئے کہا:

سنو! کیا تمہیں خبر ہے کہ بنو زیان کی بستی حوران کے قریب ایک تاجر اپنے مال سمیت اترا ہوا ہے۔ عامر نے پریشان لہجے میں کہا: ہاں اُترا ہوا ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس کا نام نصر بن اسد ہے اور بنو زیان کے سردار سالم بن علقمہ کے گھر میری اس کی ملاقات بھی ہو چکی ہے۔

جمال الدین نے فکر مند آوازیں پوچھا: یہ باتیں طبیب سعد مجھے پہلے ہی بتا چکا ہے۔ میں تم سے یہ کہنے والا تھا کہ ظاہر المرزغانی کے آدمی آج رات کے کچلے حصے میں اس تجارتی کاروان کو لوٹنے کی کوشش کریں گے۔ اگر ہو سکے تو تم کسی طرح اس کاروان کی حفاظت کا انتظام کرو۔ یہی پیغام سعد کو دے کر میں نے تمہاری

نائرہ! نائرہ! میں من حیث المجموع تمہاری طرف سے غافل نہ ہوں! بارش ہو یا برکھا، مینہ ہو یا باران، ریم تھیم ہو یا طوفان میں لا تناسی خلوص اور انتہاء جذبول کی حفاظت کروں گا۔ نائرہ نے عامر کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی پتھر کی طرف کھینچتے ہوئے کہا: جس کے پیچھے سے وہ نمودار ہوئی تھی۔ آپ ذرا دھرائیے۔ عامر چپ چاپ نائرہ کے ساتھ ہولیا۔

پتھر کے پیچھے جا کر عامر نے دیکھا وہاں کھانے کے برتن پڑے ہوئے۔ نائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا: میں آپ کے لیے کھانا لائی ہوں۔ کل میں آپ کھانے پر روک نہ سکی تھی کیونکہ آپ نے کہا تھا کہ آپ کی بہن عروہ آپ انتظار کر رہی ہوگی۔ لہذا میں خاموش رہی حالانکہ کل کی ساری دعوت کا انصاف صرف آپ کی خاطر تھا۔

عامر نے کھانوں کی طرف دیکھا، ان میں تانہ بٹیر، خرمائی کھیر، جابھی تھی۔ برے کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے اور قریب ہی ایک چھوٹی، چھالک پڑی تھی۔ عامر نے اسے اٹھا کر دیکھا وہ انار کے رس سے بھری ہوئی تھی۔ عامر نے مسکرا کر نائرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ایسے لذیذ کھانے دیکھ کر میرے بھوک تیز ہو گئی ہے۔ نائرہ نے ہنستے ہوئے کہا: تو بیٹھ کر کھاؤ، میں نے اسے عامر زین پر بیٹھتا ہوا بولا: تم بھی تو آؤ۔ نائرہ اس سے قریب ہوئی بولی: میں بابا اور بھائی کے ساتھ کھا کر آئی ہوں۔ یہ آپ کا حصہ ہے۔ عامر جب کھانا کھا چکا تو نائرہ نے برتن سمیٹتے ہوئے کہا: اب مجھ چاہیے، دیر ہو گئی ہے۔ عامر نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا: میں تمہیں اللہ حافظ ہوں۔ نائرہ برتن لے کر چوٹی سے نیچے اتر گئی۔ عامر اپنے گھوڑے کی طرف گیا۔ پھر اس نے کچھ سوچا گھوڑے پر سوار ہوا۔ جبل ہلال کی اس چوٹی پر نیچے اترنے لگا۔ بعد عامر واپس گھر جانے کے بجائے بائیں طرف مڑ گیا۔ پھر وہ فیصلہ کر کے دریائے ابانا کے کنارے اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا

نے اپنے گھوڑے کو ایک درخت کے سائے تلے کھڑا کیا اور پھر اس مکان کی دیوار
ماذکر اندر کود گیا۔ کو دتے وقت جو اس کے جوتوں کے نقش بنے پہلے اس نے وہ
اُسے پھر وہ بچوں کے بل چلتا ہوا آگے بڑھا۔ ایک راہری نا طویل برآمدے میں
لوگ سوئے ہوئے تھے اور ایک کونے میں چھوٹی سی ایک مشعل روشن تھی۔
مردیواروں کے سائے کی اوٹ میں آگے بڑھا۔ اس نے سونے والوں کو بغور
دیکھا ان میں مقلاج بھی تھا۔

عامر آگے بڑھا۔ آواز پیدا کیے بغیر جو بنی چارپائی کے قریب پڑے ہوئے
مقلاج کے جوتے اٹھانے لگا۔ مقلاج نے ایک کروٹ لی۔ عامر کو خدشہ ہوا
میں مقلاج جاگ نہ جائے لہذا وہ اس کی مسری کے نیچے گھس گیا۔ جب اس
محموس کیا کہ مقلاج پر سکون ہو کر پھر سو گیا ہے تو وہ دوبارہ باہر نکلا۔ مقلاج
دونوں جوتے اٹھا کر اس نے بغل میں دبالیے پھر وہ جس طرف سے آیا تھا ادھر
ہٹ گیا۔

بچوں کے بل کو دکر وہ دیوار پھانڈ کر دوسری طرف گیا۔ جہاں وہ گرا تھا،
اں پہلے ہاتھ پھیر کر اپنے پاؤں کے نقش مثلے۔ پھر اٹھ کر اس نے ادھر ادھر
دیکھا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ ہر طرف سکون تھا۔ ہاں کبھی کبھی کہیں کہیں سے کسی
شے کے جھونکنے کی آوازیں آ جاتی تھیں اور بس۔ عامر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور
سریٹ دوڑاتا ہوا وہ شہر سے نکل گیا۔



آسمان کی امن بدوش نیلا مہوں پر چاند اپنی پوری آب و تاب سے روشن
تھا۔ دشت و دمن میں کائنات کی ہر چیز تیز ٹھنڈی چاندنی میں پری رخ و گل اندام
گئی تھی۔ عامر دریائے ابانہ کے کنارے اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا جا رہا تھا۔ رات
ری ہونے لگی تھی۔ جنگل میں جھینگہ دلوں کی آوازوں نے ایک سامان باندھ رکھا تھا۔
یہ وہ اپنے پورے وجدان اور عرفان میں فطرت کی روح کے نغمے یا توحید کے

طرف روانہ کیا تھا۔ شاید وہ تم سے مل نہیں سکا کہ تم پہلے گھر سے نکل گئے تھے۔
عامر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ تو پھر جس کام کے لیے میں آیا ہوں مجھے وہ
کے فوراً واپس لوٹ جانا چاہیے۔ جمال الدین نے استفساراً پوچھا۔ کس کام سے
آئے ہو تم؟ میں آج مقلاج کے گھر شرب خون ماروں گا۔ پہلے میں اس کا ہوتا
اٹھا کر تصدیق کروں گا کیا وہی میرے باپ کا قاتل ہے۔ جمال الدین بھی کھڑے
ہوئے بولے۔ احتیاط برتنا۔ اگر تم کہو تو میں کچھ جانوں کو تمہاری مدد کے لیے
کروں۔ گو میں اس وقت شہر کا محتسب نہیں ہوں پھر بھی کچھ مخلص کارکن ہیں
ساتھ ہیں۔ عامر نے پھر پوچھا۔ شہر کا محتسب آپ کے بعد کسے مقرر کیا گیا ہے
ان دنوں محتسب کے فرائض بھی طاہر المرزغانی ہی انجام دے رہا ہے
اس کی شخصیت ان دنوں کچھ مشکوک ہے۔ یہ دوسری بار ہے کہ اس نے اپنے
ساتھیوں کو عیسائیوں کے شہر صور روانہ کیا ہے۔ میں نے بھی اپنے چند مخلص کارکن
کو کہہ دیا ہے کہ وہ اس امر کا کھوج لگائیں۔ صور شہر میں جو المرزغانی کے آدمی گئے ہیں
ان کی غرض وغایت کیا ہے۔ میں نے امام یوسف اور دشت کے حکمران بدوی کے
دونوں بھائیوں کو بھی اس صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے اور وہ پوری طرح میرا
ساتھ دے رہے ہیں۔

عامر نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ مجھے اب اجازت
دیجئے اپنے کام سے فارغ ہو کر مجھے واپس جا کر نصر بن اسد کے تجارتی کاروان کی
حفاظت کا انتظام کرنا چاہیے وہ ایک نیک دل اور مذہب پرست انسان ہے
اس کی حفاظت بھی ایک مصلحت سے کم نہ ہوگی۔

جمال الدین پیچھے ہٹتے ہوئے بولے۔ ٹھرو! میں تمہارا گھوڑا لاتا ہوں۔
جمال الدین دیوان خانے سے نکل کر عامر کا گھوڑا لے آئے۔ پھر دونوں نے مصافحہ کیا۔
عامر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر آگے بڑھ گیا تھا۔
بازار سے گزرنے کے بعد عامر ایک کوچے میں داخل ہوا۔ ایک مکان کے قریب

میں پوچھا۔ آپ دمشق کیا کرنے گئے تھے۔ عامر نے گھوڑے کو ایڑ لگانے ہوئے کہا: بن پھر تمہیں بتاؤں گا۔ اس وقت مجھے فوراً نصر بن اسد کے کاروان میں پہنچنا چاہیے۔ مگر گھوڑے کو دوڑاتا ہوا جب گلی کا موڑ مڑ کر نائروہ کی لنگا ہوں سے اوجھل ہو گیا، نائروہ نے حویلی کا دروازہ بند کر لیا تھا۔

اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے عامر جب نصر بن اسد کے تجارتی دان کے نزدیک پہنچا تو ایک دم ایک جھنجھتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ ٹھہرو! کون ہو تم؟ عامر نے فوراً اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جوانوں نے اسے گھیر لیا۔ عامر نے چاندنی میں دیکھا، وہ سب زیبانی جوان تھے۔ دل نے بھی ولید کو پہچان لیا تھا۔ اس لیے کہ ان میں سے ایک نے عامر کو مخاطب کیے کہا۔ سردار سالم بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ اس نصر بن اسد کے خیمے میں ہیں۔ آپ جب کارواں میں داخل ہوں اور جب خیمے آپ کو روشنی دکھائی دے وہی نصر بن اسد کا خیمہ ہوگا۔ اپنے گھوڑے کو سرپٹ لاتا ہوا عامر پھر آگے بڑھ گیا تھا۔

اس خیمے کے سامنے عامر نے اپنے گھوڑے کو روک لیا جس میں روشنی ہو نا تھی۔ جب وہ گھوڑے سے اتر کر خیمے کی طرف بڑھا تو اس نے دیکھا وہ چمڑے کا بہت بڑا خیمہ تھا جس میں ایک شعل روشن تھی اور خیمے میں نصر بن اسد اور سالم عقبہ کے علاوہ نقیب بن حمرہ، ولید بن سالم اور طبیب سعد بن بکر بیٹھے ہوئے تھے۔ رجب خیمے میں داخل ہوا تو سب کھڑے ہو گئے۔ سالم بن عقبہ نے آگے بڑھ کر روک پٹاتے ہوئے پوچھا۔ تم کہاں چلے گئے تھے بیٹا! میں تمہارے متعلق سخت فکر مند۔ عامر نے باری باری سب سے مصافحہ کرنے کے بعد کہا۔

”میں اپنے باپ کے قاتلوں کی تلاش میں دمشق گیا ہوا تھا۔ وہاں جمال الہٰی خیر ہوئی کہ المرزغانی کے آدمی میرے محترم نصر بن اسد کے کاروان پر حملہ آور ہوئے تو میں جلد لوٹ آیا۔ میں سیدھا آپ کی حویلی گیا تھا۔ وہاں نائروہ نے اپنے جوانوں

ترانے آلاپ رہے ہوں۔ اپنی بستی کی طرف جانے کے بجائے عامر نوزیبان کی طرف حوران کی طرف مڑ گیا تھا۔ اب وہ اس پگڈنڈی پر گھوڑا دوڑا رہا تھا جو دریا کی پگڈنڈی سے نکل کر نوزیبان کی طرف چلی گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد عامر نوزیبان کے سردار سالم بن عقبہ کی حویلی کے پردشک دے رہا تھا۔ اس نے بستی میں جو غیر معمولی تبدیلی محسوس کی وہ یہ تھی کہ کے تقریباً سبھی گھروں میں خوب روشنی ہو رہی تھی۔ جیالانکہ رات کافی جا چکی تھی لگتا تھا بستی کے لوگ کہیں کوچ کر جانے کی تیاریوں میں ہوں۔ تھوڑی دیر حویلی کا دروازہ کھلا اور سامنے نائروہ کھڑی تھی۔ عامر کو دیکھتے ہوئے اس نے اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کہاں تھے؟ میں، بابا اور ولید بھائی آپ کے متعلق سخت پریشان ہو رہے تھے۔ دمشق سے سعد آپ کے لیے پیغام لے کر آیا تھا۔ وہ سابق محد جمال الدین کی طرف سے کوئی اہم پیغام تھا۔ وہ سیدھا آپ کی بستی گیا تھا پھر ہاں آیا تھا۔ اس نے یہاں آکر بابا کو بتایا تھا کہ آپ صبح سے اپنے گھر سے نکلے ہو ہیں اور لوٹ کر نہیں گئے۔ سعد کہہ رہا تھا آپ کی بہن عروب اور بھائی عدنان کی اس اچانک روپوشی بہت پریشان اور افسردہ تھے۔ آپ

عامر نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ میں دمشق گیا ہوا تھا اور وہاں سے لوٹ رہا ہوں مجھے وہ اہم پیغام مل گیا ہے۔ تمہارے بابا اور میرے کہاں ہیں؟ دمشق سے سعد پیغام لے کر آیا تھا کہ طاہر المرزغانی کے آدمی آج رات بن اسد کے تجارتی کاروان پر نیشن مارے گئے۔ بابا اور بھائی بستی کے سینکڑے جوانوں کے ساتھ کاروان کی حفاظت کے لیے جا چکے ہیں۔ سعد بھی ان کے ساتھ ہیں۔ عامر نے گھوڑے کا رخ موڑتے ہوئے کہا میں بھی ان کی طرف جاتا ہوں پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جب اسے ایڑ لگانے لگا تو نائروہ نے جیچہ چونکتے ہوئے کہا۔ ٹھہریے! میری بات سنئیے۔ عامر رُک گیا۔ نائروہ نے استغفا

مرستی کی حفاظت کے لیے چلے جاؤ۔ ولید اٹھ کر جب باہر نکل گیا تو عامر نے سالم اور مرکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ دونوں بزرگ خیمے میں رہیے۔ میں اور نقیب ان انوں میں جا کر شامل ہوتے ہیں جو دریا کی طرف سے آنے والی پگڈنڈی کے اطراف پھیلے ہوئے ہیں۔ سعد بھی آپ کے ساتھ رہے گا۔

سعد بن بکر فوراً کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ میں طیب ضرور ہوں لیکن بنیادی طور پر ایک سپاہی ہوں۔ خیمے کے اندر پڑے رہنے کے بجائے میں ان لیڈروں اور رہنماؤں کے جنگ کر دلاؤں گا۔ یہ ایک سعادت ہے جس سے میں اپنے آپ کو محروم نہیں رکھنا چاہتا۔ لم اور نصر کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ عامر، نقیب اور سعد اٹھ کر نکل گئے تھے۔

عامر، نقیب اور سعد اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے مشرق کی طرف سے والی پگڈنڈی کے اطراف میں اس جگہ آئے جہاں کوہستانی سلسلے کی چھوٹی چھوٹی نلوں کی اوٹ میں بنو زیباں کے گھوڑ سوار پہرہ دے رہے تھے۔ وہ تینوں بھی میں شامل ہو گئے تھے۔ چٹانوں کے اندر وہ سب انتظار کرتے رہے کہ آدھی ن کے بعد دریا کی طرف سے انہیں تیز ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ عامر نے چونکتے ہوئے نقیب سے کہا۔

نقیب! نقیب! اپنے ساتھیوں کو تیار کر دو۔ انہیں یہ بھی بتا دو کہ بامرزغانی کے آدمی ان کے پاس سے گزر جائیں تو وہ تکبیریں بلند کرتے ہوئے ان پشت پر حملہ کر دیں۔ اس کے دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو وہ رہنما اس چانک پر بول کھلا جائیں گے۔ دوسرے تکبیر کی صدا میں سن کر روانہ کے ارد گرد اور تمہاری ناک کے اطراف میں پہرہ دینے والے جوانوں کو بھی خبر ہو جائے گی کہ حملہ ہو چکا ہے۔ لہذا مارا دھرا کر رنج کریں گے اور ایسی صورت میں حملہ آوروں سے بہت تھوڑے میں ٹکرا جائے گا۔

نقیب اٹھا اور جس طرح عامر نے اسے کہا تھا اسی طرح اس نے اپنے جوانوں

سب یہاں ہیں تو میں بھی ادھر چلا آیا۔ سالم بن عقبہ نے کچپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تمہارے باپ کے قاتل تمہیں مل گئے ہیں۔

عامر نے تیز لہجے میں کہا مجھے اپنے باپ کے قاتلوں کے صرف جوتوں کے یاد ہیں۔ جس آدمی پر مجھے شک تھا آج میں اس کے جوتے اٹھا کر لایا ہوں۔ پہلے ان جوتوں سے نقش بنا کر دیکھوں گا اگر یہ ان سے مطابقت کر گئے جو میرے ذہن میں تو ہیں اس شخص کو قتل کر دوں گا جس کے میں جوتے لایا ہوں۔ لیکن یہ باتیں میں کرنے کی ہیں۔ پہلے مجھے یہ بتائیے آپ نے کیا حفاظتی انتظامات کیے ہیں۔

ایک بار پھر سب بیٹھ گئے۔ نقیب بن حمرہ نے عامر کو اپنے ساتھ بیٹھ دی تھی۔ پھر سالم نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پورے کاروان کے ارد گرد بٹھانے کے علاوہ ہم نے اس پگڈنڈی کے ساتھ ساتھ بھی اپنے آدمی بٹھا دیتے ہیں کی طرف سے ادھر آتی ہے۔ عامر نے تیز لہجہ میں سالم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا میں آپ کی اپنی بستی تغیر محفوظ رہی نا۔ سالم نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ ہماری بستی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ عامر نے فکر گیر آواز میں کہا۔ اگر ان کو خبر ہو گئی کہ ان کی حفاظت کا انتظام ہو چکا ہے تو وہ کاروان کے بجائے آپ کی بستی جو رانیر گھس کر لوٹ مار اور تباہی کا بازار گرم کر سکتے ہیں۔ میں المرزغانی کے سب کو جانتا ہوں ان میں اکثریت اسمعیلیوں کی ہے۔ یہ لوگ جنگجو ہونے کے علاوہ انہیں عیارِ لاندہب بے دین اور طامع ہیں۔ ان سے ہر برے فعل اور عیب وار عمل توقع کی جا سکتی ہے۔

سالم بن عقبہ نے ایسے انداز میں نصر بن اسد کی طرف دیکھا جیسے وہ برکی زبان میں اسے کہہ رہا ہو ہم بھی کیسے احمق ہیں جنہوں نے بستی کی سلامتی کا خیال؟ جوانوں میں اس نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہارے انداز درست ہیں بیٹے ہے۔ عامر کو بھی بستی کا خیال نہ رہا تھا۔ جنگی مہارت میں تم ہم سب سے بہتر و بچنے اپنے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ولید! ولید! تم کچھ جوانوں چونکتے ہوئے کہ

ن کیا جاسکتا ہے۔ کاش میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاسکتا۔ میرے پاس وہاں جنگ جوڑوں کی کمی نہیں لیکن مجھے کسی ایسے سالار کی ضرورت ہے جو سرحدی مسلمانوں کو اعلیٰ بیت دے کر عیسائی حملہ آوروں کے سامنے سیسہ و فولاد، بجلیوں کا گھوارہ اور وں کا ایک بے کراں سلسلہ بنا کر کھڑا کر دے۔ کاش تم اپنے باپ کا انتقام لے کر رخ ہو چکے ہو تے اور میں تمہیں اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر سکتا۔ میرے کاروان کے ن میں ایک بار پھر تمہیں اپنی بستی اسفیرہ کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر دونوں وہاں عیسائی حملہ آوروں کے آگے ایک مضبوط حصار کھڑا کرنے میں کامیاب کئے تو یہ قوم کی ایک بہترین خدمت ہوگی۔

عامر نے گھائل سی آواز میں کہا۔ ”میرا دل کہتا ہے ایک روز میں ضرور آپ طرف آؤں گا۔ اب آپ فوراً یہاں سے کوچ کر جائیے۔ اگر طاہر المرزغانی کو خبر ہو گئی اس کے سب ساتھی مارے گئے ہیں تو وہ آپ کے خلاف انتقامی کارروائی رنے اٹھ کھڑا ہوگا۔

سب نے مل کر سب سے پہلے حملہ آوروں کی لاشوں کو گڑھے کھود رزمین میں دبا دیا تھا۔ اس کے بعد نصر بن اسد نے سب مصافحہ کیا اور وہ اپنے کاروان کے ساتھ شمال مغرب کی طرف کوچ کر گیا تھا۔ عامر جب گھوڑے پر سوار ہونے لگا سالم نے پوچھا۔ تم اب کہاں جانے لگے۔ عامر نے رقاب میں پاؤں جھلتے ہوئے کہا ن کچھ صبح کا گھر سے نکلا ہوا ہوں۔ اب مجھے چلنا چاہیے۔ سالم نے بڑی شفقت سے کہا۔ رات ہماری بستی ہی میں رہو۔ صبح ہوتے ہی چلے جانا۔ تمہارے لیے ایک ٹاٹریہ ہے کہ سعد بن بکر نے دمشق واپس جانے کے بجائے ہمارے قبیلے میں ہی رہنے والا رہ کر لیا ہے۔

عامر نے غور سے سعد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا یہ درست ہے؟“ سعد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ہاں درست ہے۔ میں نے تمہیں اپنا بھائی کہا تھا۔ اب تم ہی دمشق میں رہ رہے تو میں اب وہاں رہ کر کیا کروں گا۔ عامر نے پھر پوچھا۔

کو بھجوا دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے دیکھا حملہ آور سوار ان کے پاس سے گزرتے۔ وہ تعداد میں ساٹھ یا ستر کے لگ بھگ ہوں گے۔ جو نبی وہ تھوڑا سا آگ عامر، نقیب اور سعد نے نوزیان کے سواروں کے ساتھ ان کی پشت پر حملہ کر ساتھ ہی عامر کی ہدایت کے مطابق زور کی تکبیریں بلند کی گئیں۔ جس سے حملہ آور گئے تھے۔ چند ثانیوں کی جنگ کے بعد کاروان کے گرد پہرہ دینے والے اور بستی کی پرہامور جوان بھی وہاں آگئے اور سب نے چاروں طرف سے گھیر کر طاہر المرزغانی، ساتھیوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ ان میں ایک بھی اپنی جان بچا کر بھاگ نہ سکا تھا۔ رات میں ادھر ادھر لاشیں پھری ہوئی تھیں اور سواروں کے بغیر گھوڑے ادھ مہنڈتے پھر رہے تھے۔ کوئی ایسا شخص نہ بچا تھا جو اس عبرت خیز واقع کی امرزغانی کو کرتا۔

سالم بن عقبہ اور نصر بن اسد بھی خیمے سے نکل کر اس جگہ آئے جہاں ہوئی تھی۔ وہاں عامر، نقیب، سعد، ولید اور بستی کے دوسرے جوان اپنی خون آلود صاف کر رہے تھے۔ جب وہ دونوں نزدیک ہوئے تو عامر نے سالم سے کہا۔ ”پسند کریں تو میں ایک تجویز آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ سالم نے آگے کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ تم ایک ہادیہ اور شیردل فرزند ہوتے ہر تجویز ہمارے لیے عمل کرنے کا آخری فیصلہ ہوگا۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

عامر نے اپنی تلوار نیام میں کرتے ہوئے حملہ آوروں کے گھوڑوں کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میرا ارادہ ہے کہ آپ یہ گھوڑے میرے محترم نصر بن کے حوالے کر دیں۔ انہیں بیچ کر یہ اپنے ان سرحدی مجاہدوں کی قوت میں اضافہ جو عیسائی حملہ آوروں سے مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سالم نے مسکراتے فوراً کہہ دیا، میں نے یہ گھوڑے نصر بن اسد کے حوالے کئے۔

نصر بن اسد آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور عامر کو گلے لگاتے ہوئے ”نافع کے بیٹے! تم ملت کا درو رکھنے والے ایک ایسے فرزند ہو جس پر بہن

یہاں تم کس کے پاس رہو گے۔ کاش میرے گھر میں حالات درست ہوتے اور اپنے ساتھ اپنے قبیلے میں رکھ سکتا۔ سعد کی جگہ سالم نے کہا۔ 'نقیب اپنے گھر رہتا ہے۔ اس کا کوئی بہن بھائی نہیں۔ اس کے ماں باپ بھی مر چکے ہیں۔' نقیب کے ساتھ رہے گا۔

عامر گھوڑے پر سوار ہوا۔ ایک الوداعی نگاہ سب پر ڈالی اور اگلا ایڑ لگا کر وہ شمال کی طرف بڑھ گیا تھا۔ جبل ہلال کے تنگ سلسلے میں سے گئے بعد وہ اپنی بستی بلاس میں اپنے چچا کے دروازے پر دستک دے ہاتھ دیر بعد دروازہ کھلا اور عدنان سامنے کھڑا تھا۔ عامر کو دیکھتے ہی اس نے کہاں چلے گئے تھے۔ ہم دونوں بہن بھائی سخت پریشان تھے۔ عروب رو کر کہہ رہی تھی۔ ائی کی تلخ کلامی کے باعث انہی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ مجھے افسوس ہے میں نے تمہیں نیند سے جگایا۔ دروازہ بند کر کے عدنان نے عامر کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ میں ادھر سوئے نہیں تھے۔ ہم دونوں بہن بھائی جاگ کر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ عدنان گھوڑے کو لے کر اصطبل کی طرف چل دیا۔ عامر بھی اس کے ساتھ لیا۔ عدنان جب گھوڑے کی زین اتارنے کے بعد اس کے آگے چارہ ڈال رہا تھا۔ عروب بھاگتی ہوئی نکلی اور عامر کی پشت سے پلٹتے ہوئے اس نے روتے پوچھا۔ 'یا انہی! آپ کہاں چلے گئے تھے۔ آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ کوئی بہن کو آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ عروب جب علیحدہ ہوئی تو عامر نے شفقت اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ 'میں اپنے باپ کے قاتلوں کی تلاش میں تھا۔ عدنان نے بڑے شوق سے پوچھا۔ پھر ان کا کچھ پتہ چلا؟

عامر نے اپنے گھوڑے کی زین کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ مجھے میرے جوتوں کے نقش یاد ہیں جس آدمی پر مجھے شک تھا، آج میں اس کے جوتے لایا ہوں۔ عامر نے آگے بڑھ کر زین سے بندھی ہوئے چمڑے کی خرچین سے نہ

جوتے نکالے اور عروب کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے مشعل لانے کو کہا۔ عروب بھاگ کر اندر گئی اور جلتی ہوئی مشعل اٹھا لائی۔ عامر نے اصطبل کے اندر جہاں گھوڑے بندھنے سے زین نرم اور بھر بھری ہو گئی تھی دونوں جوتوں کے نشان بنائے۔ پھر جب عروب نے مشعل نزدیک کی تو عامر چلا اٹھا۔ خدا کی قسم وہ نقوش انہی جوتوں کے ہیں جو میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ پھر عامر نے غصے اور غضب کی حالت میں کہا۔ 'اے مقلاج! تو میرے باپ کا قاتل ہے۔ اب تو میرے ہاتھوں بچ نہ سکے گا۔ عامر پر جنون سا طاری ہو گیا تھا۔ عروب نے اس کے ہاتھ سے جوتے لے کر دوبارہ زین سے بندھی خرچین میں ڈال دیے۔ پھر وہ دونوں بہن بھائی عامر کے بازو پکڑ کر سامنے والے کمرے کی طرف لے جا رہے تھے۔



دوسرے روز دوپہر کے قریب عامر اپنے باغات اور کھیتوں میں کام کرنے کے بعد گھر جانے کے لیے اپنے گھوڑے پر زین ڈال رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ چھ مسلح سوار اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے اس کی بستی بلاس سے نکلی کر دیارے امانا کے کنارے کنارے دمشق کی طرف اپنے گھوڑوں کو دوڑانے لگے تھے۔ اس وقت دیر کے کنارے دونوں قبیلوں کی لڑکیاں اپنی اپنی حدود میں کپڑے دھو رہی تھیں۔ جب کہ دونوں قبیلوں کی چڑا کاہوں میں چرواہے اپنے ریوڑ چرا رہے تھے۔ عامر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر بستی کی طرف دوڑا دیا۔ ابھی گھوڑا چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ عامر نے ایک دم گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے رُک جانے پر مجبور کر دیا۔ جواب میں گھوڑا اپنی اگلی ٹانگیں اٹھا کر احتجاج کے طور پر بُری طرح مہنہ مہنہ کیا تھا۔

عامر کے کالوں میں کسی لڑکی کی ہولناک چیخ سنائی دی تھی۔ عامر پہچان گیا، وہ آواز نائرہ کی تھی۔ نائرہ بنت سالم کی۔ عامر نے مڑ کر دیکھا۔ دریا کے کنارے

وہ سوار جو ابھی ابھی اس کی بستی سے نکل کر گئے تھے، نائرہ کو اٹھا کر لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب کہ بنو زیان کی دوسری لڑکیوں نے ان سواروں کے گھوڑوں کی بالکر پکڑ لی تھیں اور انہیں لٹکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

عامر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس سمت سرپٹ دوڑا دیا تھا جہاں، زبان کی لڑکیاں تھوڑی دیر قبل بیٹھ کر کپڑے دھو رہی تھیں اور اب ساری مل کر ان کو اغوا ہو جانے سے بچانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ عامر کا تقاضا دیکھ کر ان سواروں کے سر پر جا پہنچا۔ عامر نے پہچان کیا وہ طاہر المرزغانی کے آدمی تھے۔ وہ بھی عامر کو پہچان گئے اور ان میں سے ایک نے اپنی زہریلی آواز میں کہا۔ تو تم ہمارے منہ لگنے سے باز نہیں آئے۔ پہلے وشتق سے بدر ہوئے تھے اب یہاں سے بھی بدر ہونے کا ارادہ ہے۔

عامر نے مشتعل اور غضب ناک لہجے میں بنو زیان کی لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہہ دیا۔ ان کے گھوڑوں کی بالکر چھوڑ دو۔ میں دیکھتا ہوں یہ نائرہ کو کیسے اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے غصیلی مگر کھوکھلی سی آواز میں کہا۔ کیا تمہیں اپنی انفرادی شجاعت پر اس قدر بھروسہ ہے جو تمہیں مقابلے کی دعوت دے رہے ہیں؟ عامر نے اپنی پوری وحشت اور طغیانی میں کہا۔ تم تو تعداد میں صرف چھ ہو۔ خدا کی قسم اگر تم دگنے ہوتے تو بھی میں تمہاری راہ روک کھڑا ہوتا۔

انہوں نے نائرہ کو چھوڑ دیا اور عامر کی طرف بڑھے۔ نائرہ بھاگ کر پیچھے ہٹا اور الگ ہو کر یوں کھڑی ہو گئی جیسے بھیڑیوں کے غول میں سہمی ہوئی ہرنی۔ وہ سب ایک ساتھ آگے بڑھ کر عامر پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے کہ بنو زیان کی بستی حوران کی طرف سے کئی سوار اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے۔ ان سب میں آگے آگے نقیب سعد اور ولید تھے۔

عامر پر حملہ آور ہونے والے بھی آنے والے سواروں کو دیکھ چکے تھے۔ لہذا انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی مشورہ کیا اور عامر پر حملہ آور ہونے کے بجائے

پہلو بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ عامر ان کے تعاقب میں لگ گیا تھا۔ اتنی دیر - نقیب سعد اور ولید بھی اپنے ساتھی سواروں کے ساتھ عامر کے ہمراہ ان کا پیچھا کرنے آئے تھے۔ تھوڑی دیر ہی آگے جا کر انہوں نے ان سب کو جالیا اور ان کی آن میں سب کا خاتمہ کر دیا۔ سب نے مل کر ان کی لاشیں دریا میں پھینک دیں اور ان کے گھوڑے لے کر جب وہ واپس لوٹ رہے تھے تو ولید نے عامر کی طرف پھٹے ہوئے کہا۔

”تم نے دوسری بار میری بہن کی عزت بچا کر مجھ پر احسان کیا ہے کاش میں بھی تمہارے کسی کام آ سکتا۔“ عامر نے ولید کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ تو میرا فرض تھا جو مجھ سے ادا ہوا۔ اس میں میرا کیا کمال ہے؟

سب باتیں کرتے ہوئے اس جگہ آئے جہاں سب لڑکیاں پریشانی کی حالت میں کھڑی تھیں۔ نائرہ گردن جھکائے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی عامر کے قریب آئی اور اپنی گنگنائی آوازیں دھیمے پن سے کہا۔ ”آپ نے دوسری بار میری عزت بچائی۔ میں آپ کی مشکور ہوں۔“ عامر نے بڑی معصومیت سے کہا۔ تمہارا بھائی یہ الفاظ پہلے ہی ادا کر چکا ہے۔ اب تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔“ پھر عامر نے سب لڑکیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کیا بنو زیان کے چشموں کا پانی خشک ہو گیا ہے جو تم دریا پر کپڑے دھونے آ جاتی ہو۔ سب اپنے کپڑے اٹھاؤ اور بستی کی طرف جا کر اپنے چشموں پر کپڑے دھوؤ۔ جاؤ یہاں سے چلی جاؤ۔ سب لڑکیوں نے اپنے اپنے کپڑے اٹھائے اور بستی کی طرف چلی گئیں۔

عامر نے نقیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں اب چلتا ہوں۔“ نقیب نے اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”میں بنو عباس کی خصلت کو سمجھتا ہوں۔ شاید وہ تم سے باز پرس کریں کہ تم نے ایک زیبانی لڑکی کی عزت کیوں بچائی۔ لہذا اس وقت تمہارا قبیلے میں جانا مناسب نہیں۔ میرے ساتھ چلو۔ شام تک بنو عباس کے لوگوں کا غصہ اتر چکا ہوگا اور اس وقت تم اپنی بستی کو لوٹ جانا۔“

سامنے دیکھا، لوگوں کے ہجوم میں اس کا چچا عمرو بن کعب اور بھائی عدنان بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ عمرو بن کعب کے چہرے پر غضب اور غصہ تھا جب کہ اس کے چہرے پر مایوسی اور افسردگی تھی۔ ان دونوں سے دائیں جانب قبیلے کا، اور لڑائیوں کا سرغنہ اسود بن علقمہ اپنے بیٹوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ہرنا تمامہ مسکراہٹ تھی جیسے وہ عامر کو زیر کرنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔ چند ثانیوں کے تفکر کے بعد وائل بن غوث کی آواز بلند ہو کر سب کی ت سے ٹکرائی۔ وہ عامر سے مخاطب ہو کر بولا تھا۔ عامر! عامر! تم نے ی وید قبل طاہر المرزغانی کے آدمیوں کے ہاتھوں بنوزیان کے سردار سالم بن ایٹی کو اغوا ہونے سے کیوں بچایا۔ جب کہ تم جلتے ہو، اس اغوا سے بنوزیان دن بچی ہو جاتی اور بنوزیان کی گھر دن جھکانا ہماری فتح اور کامرانی ہے۔

عامر نے غصیلی آواز میں پوچھا۔ اپنے سوال کا جواب سننے سے قبل یہ تباہ المرزغانی کے آدمی یہاں کیا کرنے آئے تھے۔ وائل نے اس بار نرم لہجے میں المرزغانی نے بنوزیان کی حدود میں اترے ہوئے ایک تجارتی کارواں کو کے لیے اپنے کچھ آدمی بھیجوائے تھے، وہ سب لاپتہ ہیں۔ المرزغانی کے آدمی اپنے مدہ جواول کا پتہ کرنے آئے تھے۔ انہیں خبر ہو گئی ہے کہ وہ تجارتی قافلہ رچکا ہے۔ اور ان کے آدمیوں کو بنوزیان یا تجارتی کارواں والوں نے ختم یا ہے۔ یہیں شک ہے کہ ان کے قتل میں تم بھی شامل ہو۔ اگر ایسا ہے تو تم دہرا جرم کیا ہے۔ وہ تجارتی کارواں بنوزیان کی حدود میں تھا اور انہوں نے کے تحفظ کی ذمہ داری لے رکھی تھی۔ اس کے لٹ جانے کی صورت میں بنوزیان کی کم مائیگی اور بے بسی کا احساس ہوتا جو ہمارے لیے باعث تسکین ہوتا۔

عامر نے غضب کی حالت میں وائل بن غوث کی طرف گھورتے ہوئے کہا پ کی بیٹی کو کوئی اغوا کر رہا ہو اور میں یہ منظر دیکھ رہا ہوں تو کیا میرا حق، ہنا کر میں اسے اغوا ہونے سے بچاؤں۔ وائل بن غوث نے جھٹک دیا

عامر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے کہا۔ تم جاؤ، میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ جو مجھ سے کوئی باز پرس کرے گا۔ پھر میں قبیلے میں کسی کا دیں بھی نہیں ہوں۔ سعد بن کبر نے فکر مند آواز میں کہا۔ عامر! عامر! میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ نقیب سچ کہتا ہے قبیلے والے ضرور تم سے اُلجھیں گے۔ لہذا میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گا۔ بہتر ہے تم ہمارے ساتھ چلو۔ عامر نے سعد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہیں میرے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔ وہ تمہیں بنوزیان کا سمجھ کر اور زیادہ سیخ پا ہو جائیں گے۔ تم سب مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ مجھے کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔ اس کے ساتھ ہی عامر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے بڑھ گیا۔ نقیب، سعد، ولید اور ان کے ساتھی اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔

عامر جب اپنی بستی کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا۔ کھجوروں کے ایک جھنڈ کے قریب بستی کے بے شمار مرد جمع تھے جن کے سامنے بستی کا سردار وائل بن غوث ایک چٹائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ سب لوگ خاموش تھے جیسے کوئی انہونی بات ہو گئی ہو، یا کسی طویل مشورے کے بعد وہ چپ ہوئے ہوں۔ عامر جب ان کے پاس سے گزرنے لگا تو بنو عیس کے سردار وائل بن غوث نے اسے آواز دیتے ہوئے کہا۔ عامر! عامر! اس طرف آؤ، میری بات سنو! ہم سب تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں تم بستی کی طرف کیا لینے جا رہے ہو؟ وائل بن غوث کی آوازیں تکلیف دہ لڑش تھی۔

عامر اپنے گھوڑے سے اُترا اور وائل بن غوث کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور دھیمی سے آواز میں پوچھا۔ میں نے کون سا گناہ کیا ہے جو آپ لوگ ایک عدالت کی صورت میں میرا انتظار کر رہے ہیں۔ وائل بن غوث نے چٹائی کے خالی حصے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ بیٹھ جاؤ۔

عامر کھڑا رہا اور زخمی سے لہجے میں اس نے کہا۔ مجھے علم نہیں تم لوگوں نے مجھے یہاں کیوں طلب کیا ہے۔ تاہم اگر میرا کوئی فعل قبیلے والوں کو ناگوار گذرا ہو تو میں بحیثیت ایک مجرم کھڑا رہنا زیادہ پسند کروں گا۔ وائل بن غوث کچھ سوچنے لگا۔

ہام لے رہے ہو قبیلہ کا کوئی آدمی اس معاملے میں تمہارا ساتھ نہ دے گا ہر کوئی تمہاری اس رائے سے اختلاف کرے گا۔

عامر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ”مجھے کسی کی رائے اور اعانت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے باپ کے قاتل سے اکیلا نمٹ لوں گا۔“

وائل بن غوث نے کچھ سوچا پھر اس نے بے حد سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ”میں نہیں جانتا تم بنو زیان کا ساتھ کیوں دینا چاہتے ہو۔ تاہم تم اگر کسی دیوانی لڑکی کو پسند کر چکے ہو اور حیرت کی زندگی سے تنگ آ گئے ہو تو میں اپنی بیٹی سمیرا تم سے بیلہنے کو تیار ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک ہڈر بہادر اور بے خوف عیبی اپنے قبیلے میں بزدل کہلائے۔“

عامر جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ اسود بن علقمہ اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور انتہائی نفرت اور حسرت میں اس نے وائل بن غوث کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم اس جیسے بزدل سے سمیرا کو بیاہنے پر رضامند نہیں ہیں جو اپنے ہی قبیلے پر نکتہ چینی کرتا ہو۔“

عامر نے بھی تھملا کر کہا۔ ”بزدل تم ہو۔ میں بنو عبس کے ہر جوان کو مقابلے کی دعوے دے کر تمہارے اس مفروضے کو جھوٹا ثابت کرنے کو تیار ہوں۔ تم بے لگام، جھوٹے بزدل اور مکار ہو، تم اپنی حرکتوں سے بنو عبس اور بنو زیان میں زمانہ جاہلیت کی جنگ واصل و عنبر جیسی کسی اور جنگ کی ابتدا کرنا چاہتے ہو؛

۱۰۰ نما قبل از اسلام کی ایک جنگ جو بنو عبس اور بنو زیان کے درمیان لڑی گئی۔ یہ جنگ چالیس سال تک لڑی گئی جس کی ابتدا اس وقت ہوئی جب بنو عبس کے قیس بن زہیر اور بنو زیان کے حمل بن بدر نے گھوڑ دوڑ کی شرط باندھی۔ قیس کے گھوڑے کا نام واصل اور حمل کی گھوڑی کا نام عنبر تھا۔ جب قیس کا گھوڑا واصل آخری حد کے قریب ایک مقام ذات الامادر پہنچا تو وہاں پر حمل کے چھپے ہوئے آدمیوں نے گھوڑے کو بدکا کر غلط راہ پر ڈال دیا اور اس کی گھوڑی عنبر اجیت گئی۔

۸۸ اُسے اغوا ہونے سے بچانا یقیناً تم پر فرض ہو جاتا۔“

عامر نے پھر غصے کی حالت میں کہا۔ اسی طعد سالم بن عقبہ کی بیٹی کو ہونے سے بچانا مجھ پر فرض ہو گیا تھا پھر آپ لوگ کیوں اس نیک کام پر نام بیٹھ گئے ہیں۔“ وائل بن غوث نے چلا کر کہا۔ لیکن اس کا تعلق بنو زیان سے اور بنو زیان ہمارے دشمن ہیں۔ عامر نے ذرا نرم ہو کر کہا۔ ”میں نہیں جو قبائلی عصبیت کیا ہوتی ہے۔ مجھے اس قدر معلوم ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور ایک دوسرے کے بھائی ہوتے ہیں۔“

وائل بن غوث نے اور زیادہ غصیلی آواز میں کہا۔ تمہاری باتوں سے ہوتا ہے۔ تم نے بنو زیان کے ساتھ مل کر تجارتی کاروان کی حفاظت کی پھر ہم سب کی نگاہوں کے سامنے سالم بن علقمہ کی بیٹی کو اغوا ہونے سے بچا تم مجرم ہو، ایسا مجرم جس کی سزا سارا قبیلہ مل کر تجویز کرے گا۔ عامر نے کھولتی آواز میں کہا۔ ”اگر تمہارے سیاہ ضمیر کے اندھے صحیفوں کے مطابق کسی لڑکی کی بچانا مجرم ہے تو میں سب سے بڑا مجرم ہوں۔ تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا۔ اس اغوا کی ترغیب المرزغانی کے آدمیوں کو تم نے دی تھی۔ لہذا اپنے آپ کو نہ حدود میں رکھ کر اپنے لیے ہی سزا تجویز کرو۔“

وائل بن غوث نے سر جھکا کر کچھ سوچا پھر اس بار اس نے نرم لہجے کہا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ تم اپنے باپ کے قتل کا انتقام بھی بنو زیان سے لو لیکن تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے تمہاری ہمدردیاں گویا بنو کے ساتھ ہوں۔“ عامر نے بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ تم کیسی مفاط اور بے مقصد باتیں کر رہے ہو۔ بنو زیان کا میرے باپ کے قتل سے کوئی تعلق ہے۔ میں قاتل کا کھوج لگا چکا ہوں۔ وہ ظاہر المرزغانی کے آدمیوں میں سے ہے اور عنقریب میری تلوار اس کی گردن پر ہوگی۔“

وائل بن غوث نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”تم ہٹ دھرم

مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ میں تم پر ثابت کردوں گا کہ بنو عبس کی اور انٹینوں کے دھوکہ میں بزدلی کا اثر نہیں ہے۔

عامر نے بھی اپنی تلوار بھینچ لی اور ایک طرف ہٹتے ہوئے اس نے کہا: مجھے فیصلہ منظور ہے۔ باہر نکل کر میرے سامنے کھلے میدان میں آؤ کہ میں تمہیں ارکی نوک پر رکھ کر دیکھوں کہ تمہاری ماں کے دودھ یا تمہارے باپ کے سسے کس میں شرا انگیزی اور عیاری کا اثر ہے۔

مغیرہ بن اسود اپنے ہاتھ میں نشکی تلوار لیے لوگوں کے ہجوم سے باہر نکلنے مرنے بنو عبس کے سردار وائل بن غوث کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے سردار! بلے میں اگر میں مارا گیا تو کوئی میرا قصاص نہ مانگے گا لیکن تم فیصلہ کرو۔ اگر بن اسود میرے ہاتھوں مارا گیا تو اس کا کوئی وارث مجھ سے قصاص تو طلب گا۔ وائل بن غوث نے اسود بن علقمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تم نے سنا افع نے کیا کہا ہے۔ اگر سن چکے ہو تو جواب دو۔

اسود بن علقمہ نے ہنکارتے ہوئے کہا۔ اس مقابلے میں جو بھی مارا گیا اس ص پر کوئی بھی اصرار نہ کرے گا۔ لوگ مقابلہ دیکھنے کے لیے بے چین ہو گئے تھے کی غوث میں اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر اس لڑائی کا انجام دیکھنے لگی تھیں۔

مغیرہ بن اسود لوگوں کے ہجوم سے بچلا اور کینہ پرور آؤٹ کی طرح آگے بڑھتا رہا حملہ آور ہو گیا۔ عامر نے بڑی آسانی سے اس کا مارا اپنی تلوار کے نچلے حصے جواب میں وہ بھی اپنے دفاع سے نکل کر جارحیت پر اتر آیا تھا۔ وہ ایسی رفعت ی کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا کہ مغیرہ ایک نوشق و مبتدی کی طرح اُلٹے پاؤں ہٹتا چلا گیا تھا۔ اس نے کئی بار دفاع سے نکل کر جارحانہ انداز اختیار کرنا دہایا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

عامر ایک نئے نوع و طریق، ایک انوکھی نوعیت و خصوصیت اور ایک عادت و ڈھنگ میں حملہ آور ہوا تھا۔ مغیرہ اس کے سامنے ایسا بے بس ہوا

عامر صرف چند ثانیے کا پھر اسود بن علقمہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ یاد رکھو! وہ جنگ تو حرم بن احسان اور حارث بن عوف کی صلح جوی کے باعث ختم ہو گئی تھی لیکن اب ایسی ہی اگر کوئی اور جنگ پھڑی تو بنو عبس اور زیان مرٹ جائیں گے۔ اسود! اسود! میں جانتا ہوں تم اور تمہارے بیٹے پیدا کنشی طور پر بزدل، مکار اور شرپند ہیں اس لیے کہ — عامر کو روک جانا پڑا کیونکہ اسود بن علقمہ کا بڑا بیٹا مغیرہ بن اسود اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی تلوار سونپتے ہوئے اُس نے گرج کر کہا۔

نافع کے بیٹے اتم اس سے پہلے میرے پھوٹے بھائی جابر کو مارنے کے علاوہ کئی باز قبیلے کے سب جوانوں کو مقابلے کی دعوت بھی دے چکے ہو۔

ہم صرف اس نقطہ نگاہ سے کہ عجبی آپس میں نہ نکلنا میں چپ اور خاموش رہے جس کا تم نے غلط اثر لیا اور اپنی حدود سے بڑھتے رہے۔ میں پورے قبیلے کی موجودگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۸۹) اس جیت پر حرم بن بدر کے بھائی حذیفہ بن بدر نے جو بنو زیان کا سردار بھی تھا اپنے بیٹے مالک کو شرط کی رقم مانگنے کو بھیجا۔ قیس نے پیش میں آکر مالک کو قتل کر دیا۔ یہی قتل دونوں قبائل کے درمیان جنگ کی بنیاد بن گیا۔ یہ جنگ چالیس برس تک لڑی گئی اور قیس کے گھوڑے واحد اور حمل کی گھوڑی عنبر کی نسبت سے ایک ہولناک جنگ کا نام بھی جنگ وحسن وغنبر ہو گیا۔ زمانہ جاہلیت میں اس سے طویل جنگ عربوں کے درمیان اور نہ لڑی گئی تھی۔ برسوں نہیں صدیوں تک اس جنگ کو قبائلی عصبیت میں مثال کے طور پر پیش کیا جاتا رہا۔

حرم بن سان اور حارث بن عوف عربوں کے قبیلہ غیظ بن مرہ میں سے تھے ان دونوں نے بڑی تک و دو کے بعد دونوں قبیلوں میں صلح کرائی کہ وہ گروہ خود سے بنو عبس کو تین ہزار اونٹ دیں گے۔

دوں تو مجھ پر کوئی شکوہ اور اندیشہ نہیں۔ اس کے باوجود میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ لیکن یاد رکھو! آج کے بعد اگر تم نے میرے سامنے لاف زنی کی تو میری تلوار ری گرون پر برسرے گی۔

مغیرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پر اسی وقت قبیلے کے چند جوان اٹھے اور تلواریں سونت کر عامر کی طرف بڑھے۔ ان میں سے ایک نے اپنی تلوار اٹھا کر کہنے لگا۔ ”مغیرہ کو شرمندگی اور شکست کا احساس دلانے والا زندہ نہیں رہ سکتا۔ مغیرہ اٹھا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ شاید وہ اپنی شکست تسلیم کر چکا تھا اپنی جگہ پر چوکس ہو چکا تھا۔ شاید وہ اپنی طرف بڑھنے والے مسلح جوانوں سے مقابلہ کا عزم کر چکا تھا۔ اس دوران شاید وائل بن غوث کوئی فیصلہ کر چکا تھا۔ لہذا وہ جگہ پر کھڑا ہو گیا اور جنگ کاڑتے لہجے میں عامر کی طرف بڑھتے جوانوں کو مخاطب کرنے لگا۔ ”کسی نے بھی اگر جھگڑے کو طول دیا تو اس سے قصاص وصول کیا جائے گا۔ سب اپنی تلواریں نیام میں کر لو اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔

عامر کی طرف بڑھنے والے سب جوان رُک گئے۔ چند لمحوں تک وہ شکست مند لڑیں وائل بن غوث کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر وہ اپنی تلواریں نیام میں کرتے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ کھجوروں کے جھنڈ تلے بیٹھے ہوئے بنو عبس کے بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور عامر کے خلاف کھسک پھرتے ہوئے وہ اپنے بچے گھروں سے نکلے تھے۔ عمرو بن کعب نے عامر کے پاس سے گزرتے ہوئے غصیلی اور کھا والی نگاہوں سے دیکھا۔ پھر زہرا کو آواز میں اس نے کہا۔

”بہتر ہے کہ تم کہیں اور چلے جاؤ۔ میرے لیے یہ باعث عار ہے کہ میرے کا بیٹا دشمن قبیلے سے تعلقات استوار کرے۔ عامر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ رُج اپنی تلوار مضبوطی سے پکڑے کھڑا رہا۔ عمرو بن کعب آگے بڑھ گیا۔ اتنے اہل بن غوث عامر کے قریب آیا اور ہمدردانہ انداز میں کہا۔ مجھے تم سے دی ہے۔ میں نہیں جانتا تمہارا جھکاؤ بنو زبیاں کی طرف کیوں ہے۔ بہر حال

تھا کہ وہ جنگی مارت کے سارے نہج اور قاعدے عامر کے سامنے بھول گیا اسود بن علقمہ اور اس کے بیٹوں پر مایوسی اور دل شکنی طاری ہو گئی تھی۔ اچانک عامر نے مغیرہ کی ٹانگ پر پاؤں کی ٹھوکری مار دی اور مغیرہ زہین پر گر گیا۔ عامر نے کسی نیرنگ ساز اور ساحر کے سے انداز میں کہا۔ ”اے کے بزدل بیٹے! دوبارہ اٹھ! اور نبرگاہ میں اتر کر اپنی قسمت آنا۔ پر میرے ساتھ تیرا مقابلہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی پتھر میں پانی تلاش کرنے کی کوشش ہو۔ اے دشمن بد نہاد! میرے خلاف تیرا کوئی بھی وار تیرے لیے فتح کی نوید کی بشارت لے کر نہ آئے گا۔ اٹھ! کہ میں تمہیں شکست کی سونخگی اور ناجلن میں گر بیان دیدہ کر دوں گا۔“

عامر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ مغیرہ اٹھا اور مشورہ پر آگندہ آواز ”تو اتفاقاً مجھے گرانے میں کامیاب ہو گیا تو ایسا خوش معرکہ اور جانا نہ نہیں کہ نبرگاہ میں تجھے میں شرمسار نہ کر سکوں۔ مغیرہ پھر آگے بڑھ کر حملہ آور ہو گیا۔ پھر اس کا وارو کا اور دوبارہ وہ مغیرہ کے لیے طوفان اور تندہی بھجوائے گیا تھا۔ اس کے حملوں میں پہلے سے بھی زیادہ نفاست اور پاکیزگی تھی۔ سارے شکوک و شبہات اور زعم و ظن پھر جاتے رہے تھے کہ دوبارہ وہ عامر کے سامنے جم نہ سکا تھا اور عامر اسے دھکیلنا ہوا اس کھجور کے پاس لے گیا تھا سہارا لے کر بنو عبس کا سردار وائل بن غوث بیٹھا ہوا تھا۔ ایک دم عامر نے تلوار فضا میں بلند کر کے اس زور سے گراتے ہوئے مغیرہ کی تلوار پراری کہ کی تلوار درمیان سے کٹ کر دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ عامر نے غراتے ہوئے مغیرہ! میں نے تمہارے ہر زعم و ظن کو توڑ کر اور تمہارے غرور کے طلسم کو شکستہ تم پر مایوسی کا اندھیرا طاری کر دیا ہے۔

یاد رکھو! میں دمشق شہر میں بھی رہ کر کے اپنے صحرائی عرب و ضرب بھولا۔ گو میں تمہارا قصاص پہلے ہی معاف کر چکا ہوں اور اگر میں تمہیں

میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ قبیلے والے ضرور تمہیں نقصان پہنچا کر رہیں گے کہیں اور جا رہو۔ وائل بن غوث بھی آگے بڑھ گیا۔ عامر چند لمحوں تک کھڑا رہا۔ جب سارے لوگ بستی میں داخل ہو گئے تو عامر اپنے گھوڑے پر اٹھ کر گھر جانے کی بجائے وہ اپنے باغات کی طرف جا رہا تھا۔



شام کے دھندلکے جب تانک جھانک کرنے لگے اور سورج غروب لیے مغرب کی طرف سرخ ہو کر جھجک گیا تھا۔ نقیب اور سعد نبو زیبان کے بن عقبہ کی حویلی میں داخل ہوئے۔ اس وقت سالم اور اس کا بیٹا ولید صحن پر بیٹھے تھے اور ان کے قریب ہی نائرہ مٹی کے پوٹے کے پاس بیٹھی کھانا تیار نقیب اور سعد دونوں کے چہرے اترے ہوئے تھے اور دونوں سالم کے پاس پر آکر بیٹھ گئے۔ سالم نے ازارہ سہاروی پوچھا۔

”کیا وجہ ہے تم دونوں آج افسردہ اور ملول ہو؟“ نقیب نے بوجہ آواز اور پراگندہ سے لہجے میں کہا۔ ”ہم دونوں بری خبر لے کر آئے ہیں۔ عامر چل رہا وہ کدھر گیا ہے۔ کام میں مصروف نائرہ کے ہاتھ رک گئے۔ اس پر غم کی گہری پرچھائیاں بکھر گئی تھیں اور وہ عجیب سی وحشت میں نقیب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سالم نے فکر مند آواز میں پوچھا۔ ”کیا ہوا عامر کو؟“ نقیب نے دکھی لہجے میں کہا۔ ”تھوڑی دیر قبل میں نے سعد کو اس بھیجا تھا۔ مجھے فکر تھی کہ نائرہ کو اغوا ہونے سے بچانے پر بنو عیسٰی اس کے حرکت میں آئیں گے۔ اب سعد یہ خبر لایا ہے کہ نائرہ کو اغوا ہونے سے بچا۔ جب بستی میں گیا تو بستی کے سب لوگ جمع تھے جن کی موجودگی میں وائل بن غوث سے باز پرس کی کہ اس نے نصر بن اسد کے تجارتی قافلے کو لٹنے سے بچانے نائرہ کو اغوا ہونے سے کیوں بچا۔“ سالم نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا

سعد سے کس نے کہیں۔ اس بار نقیب کی جگہ سعد نے بولتے ہوئے کہا۔ ”میں اس کی بستی گیا تھا۔ اس کا بھائی عدنان اب مجھے پہچانتا ہے۔ اس نے ہی مجھ سے یہ سب باتیں کہیں ہیں۔ عامر سے باز پرس کے دوران اسود بن علقمہ کے بڑے بیٹے مغیرہ نے عامر کو مقابلے کی دعوت دے دی جس پر عامر نے مغیرہ کو ذات امیر شکست دی۔ اس کے بعد بستی کے کئی جوانوں نے مسلح ہو کر عامر پر حملہ کرنا چاہا لیکن وائل بن غوث نے انہیں روک دیا۔ اس کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ پر وائل بن غوث اور عامر کے چچا عمرو بن کعب نے واضح الفاظ میں عامر سے کہہ دیا کہ وہ بستی چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے۔ تب سے عامر غائب ہے اور کسی کو خبر نہیں وہ کہاں گیا ہے۔ سالم نے فکر مند آواز میں پوچھا۔ ”تم کس وقت وہاں گئے تھے؟“ سعد نے اپنے سر پر اپنے عمانے کے ہیچ درست کرتے ہوئے کہا۔ ”میں اس وقت سیدھا عامر کی بستی سے ہی آ رہا ہوں۔“

سالم نے گہری سوچوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ ”عامر کہاں جا سکتا ہے۔ وہ نادان ہے اسے سیدھا ہماری طرف آنا چاہیے تھا۔ اب اس نے ہمیں فکر اور بے چینی میں ڈال دیا ہے۔ شاید اس نے اپنے ذہن میں یہ مفروضہ قائم کر لیا ہے کہ ہم اسے بوجھ تصور کریں گے۔ خدا کی قسم اگر وہ یہاں آجائے تو میں اسے اپنا بیٹا جان کر اس کی حفاظت کروں گا۔ میرا دل کتا ہے وہ اپنے باپ کا انتقام لینے و دشمن کی طرف چلا گیا ہوگا۔ اتنے میں بستی کی مسجد سے مغرب کی اذان سنائی دی۔ سالم نے نقیب، سعد اور ولید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اوپلے مغرب کی غاذا داکریں اس کے بعد بیٹھ کر عامر کے متعلق سوچیں گے۔“

وہ چاروں اٹھ کر مسجد کی طرف چلے گئے۔ نائرہ نے بھی جلدی جلدی سفر کی غاذا داکری اس کے بعد وہ ہرنی کی طرح پھلانگتی ہوئی جبل ہلال کی اس چوٹی کی طرف بھاگ رہی تھی جہاں اس نے عامر کے ساتھ مغرب کی نماز کے بعد روزانہ ملنے کا عہد کر رکھا تھا۔

کی گشدگی پر سخت پریشان ہیں۔

عامر نے کھوئے کھوئے سے انداز میں کہا۔ ”نہیں نائرہ! اس وقت میں قن جا رہا ہوں۔ آج کی رات میں صقلاج سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لوں گا۔ اگر خود مارا گیا تو مجھے ایک حسین یاد سمجھ کر بھول جانا۔ اگر میں کامیاب ہو کر لوٹ آیا تو مجھے فیصلہ کرنا ہوگا کہ میں کہاں چلا جاؤں۔“ عامر کی باتوں سے نائرہ کی منغمم آنکھوں آنسو اور قلب حزیں میں ہجر کی شام جیسے گہرے آواز اس سائے بکھر گئے تھے۔ اس شوش و متفکر آواز میں پوچھا۔ ”یہاں سے نکل کر آپ کہاں جائیں گے؟“

عامر نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ ”فی الوقت میرے سامنے دو راستے ہیں۔ لائیں حلب کے حکمران عماد الدین کے لشکر میں جاسا مل ہوں گا۔ ثانیاً میں اس رعدی تاجر نصر بن اسد کے پاس چلا جاؤں گا۔ جو مجھے کئی بار اپنے پاس آنے کی دت دے چکا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں ہی ہم ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے۔“ نائرہ نے روتی آواز میں کہا۔ ”میں آپ کو تنہا اور اکیلا نہ جانے دوں گی۔“

ن آپ کو ایک بے بس اور بے خانماں مسافر کا سنا احساس نہ ہونے دوں گی۔ آپ بے ہم گفت و ہم عنان، میرے انیس و خلیل ہیں۔ آپ جہاں بھی جائیں گے، میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔“

عامر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”نہیں نائرہ! میں غریب الوطنی میں تمہیں اپنے ساتھ گھسیٹنا نہیں چاہتا۔ تاہم میرا وعدہ ہے کہ جب میں کہیں اپنے پاؤں جالوں گا وہاں لوگوں کا اور تمہیں تمہارے بابا سے مانگ کر اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔“

نائرہ طائر پر بند کی طرح غمگین اور پٹ جھڑکی رت کی طرح افسردہ ہو گئی تھی۔ عامر نے اس کا شانہ مڑ کر بھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ”نائرہ! نائرہ! اب تم گھر جاؤ۔ اگر میں آج انتقام لینے میں کامیاب ہو گیا تو آج رات ہی تمہارے گھر آؤں گا۔ میں کے ساتھ ہی عامر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ نائرہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ عامر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ جب وہ ڈھلان میں اتر کر نکلا ہوں سے

نائرہ اپنی پھولی سانس کے ساتھ جب جبل ہلال کی چوٹی پر آئی تو داس ہو گئی۔ وہاں عامر نہیں تھا۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر انتظار کی لذت ا رزوں کی مگن میں کھو گئی تھی۔ چاروں طرف بکیراں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جھینگرہ لے مدھم اور پُرا سرور نئے فضاؤں میں ایک نیا وجدان پیدا کر رہے تھے۔ نا بے ابھی تھوڑی دیر ہی انتظار کیا تھا کہ وہ چونک پڑی۔ اسے ٹاپوں کی آواز سنائی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئی۔ ٹاپوں کی آواز ہر لمحہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر ہی ثانیوں بعد اس کو ہستانی چوٹی پر ایک سوار نمودار ہوا۔ نائرہ پہچان گئی وہ تھا۔ نائرہ بھاگ کر آگے بڑھی اور جب عامر اپنے گھوڑے سے نیچے اتر رہا تھا اس لکیر سی آواز میں پوچھا۔ کیا یہ درست ہے آج آپ کا اپنے قبیلے والوں سے جو ہوا ہے۔“

عامر گھوڑے سے نیچے اتر کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ نائرہ نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ عامر کے چہرے پر بے کسی اور تنہائی کا احساس تھا۔ نائرہ کی بات کا اس کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش تھا۔ اذان کے حیلے چپ مسجد کے در و بام کی طرہ چپ تھا اسیری کی شب تاریک کی طرح۔ نائرہ آگے بڑھی اور عامر کا بازو تھام س نے ہلاتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ کہاں کھو گئے ہیں، میں نے آپ سے کچھ پوچھ امر نے دکھتی آواز میں پوچھا۔“ تمہیں کس نے بتایا ہے۔“

نائرہ نے عامر کا بازو چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”نقیب نے سعد کو آپ لینے کو بھیجا تھا۔ اس نے واپس آکر بابا کو بتایا تھا کہ آپ کا اپنے قبیلے والوں سے ہو گیا ہے۔“ عامر نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگوں نے ٹھیک سی سنا۔ ب میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ یہاں رہتے ہوئے میرے سامنے تاریکی کے سوا ہیں ہے۔ سب قبیلے والے مجھ سے نالائ ہیں۔ حتیٰ کہ میرا چچا بھی مجھ سے نائرہ نے دوبارہ اس کا بازو پکڑتے ہوئے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ میرے ساتھ گھر، آپ دن بھر کہاں رہے۔ بابا کے علاوہ نقیب، سعد اور ولید،

ادھل ہو گیا تو ناترہ سر جھکے اپنے گھر واپس جا رہی تھی۔



نصیب آواز میں کہا۔ میں صقلاج کی خاطر آیا تھا۔ وہی میرے باپ اور شامہ کا قاتل ہے۔
ج کی شب میں اس سے انتقام لوں گا اور۔۔۔۔۔ جمال الدین نے درمیان
میں بولتے ہوئے کہا۔ صقلاج تمہیں یہاں نہ ملے گا۔ اُسے کسی پراسرار کام کے سلسلے
میں طاہر المرزغانی نے بعلبک بھیجا ہوا ہے۔ کچھلی بار بھی طاہر المرزغانی نے اپنے کچھ
آدمی بعلبک روانہ کیے تھے۔ ان کے پیچھے ہم نے بھی اپنے کچھ آدمی بھیجے تھے۔ انہوں
نے واپس آکر اطلاع دی تھی کہ طاہر المرزغانی عیسائیوں کے ساتھ مل کر دمشق کے
ملاط ساز بار کمر رہا ہے۔ اب صقلاج کچھ آدمیوں کو لے کر بعلبک گیا ہے۔ ہم نے
بھی اس کے تعاقب میں اپنے آدمی روانہ کیے ہیں۔

عامر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ میں اب جاتا ہوں۔ میرے لیے بہت اچھا
موقع ہے۔ میں بعلبک شہر میں ہی صقلاج سے نمٹ لوں گا۔ جمال الدین نے
کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ سنو! بعلبک شہر سے باہر بعل دیوتا کے معبد کے

عشاء کے بعد عامر دمشق شہر میں جمال الدین کے گھر پر دستک در
تھا۔ تھوڑی دیر بعد چودہ پندرہ برس کے ایک لڑکے نے دروازہ کھولا۔
جمال الدین کا بڑا بیٹا تھا۔ عامر کو دیکھتے ہی اس نے تعجب سے کہا۔ انھی آپ
عامر نے پوچھا۔ تمہارے ابی کہاں ہیں۔ لڑکے نے دروازے کا ہٹ پورا کھو
ہوئے کہا۔ آپ اندر آ جائیے نا۔ ابی تو امام یوسف کے ہاں گئے ہوئے
عامر گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے بولا۔ میں انہیں وہیں مل لیتا ہوں۔ عامر
بڑھ گیا اور لڑکے نے دروازہ بند کر لیا تھا۔

مختلف گلیوں اور کوچوں میں سے ہوتا ہوا عامر امام یوسف ننداد
سویلی کے سامنے گھوڑے سے اُترا اور دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر
نودام یوسف نے دروازہ کھولا اور باہر عامر کو کھڑے دیکھ کر وہ چونکتے ہو
بولے۔ عامر بیٹے تم! کسی نے تمہیں دیکھا تو نہیں۔

عامر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے یہیں آکر اپنے چہرے سے تہ
ہٹایا ہے۔ کیا جمال الدین یہیں ہیں۔ امام یوسف نے سویلی کا دروازہ پورا کھ
ہوئے کہا۔ اندر آ جاؤ۔ اس کے علاوہ اور بہت سے لوگ بھی تمہیں یہاں ملیں
عامر اندر داخل ہوا، امام یوسف کی رہنمائی میں اس نے اپنا گھوڑا صطبل میں
اور پھر وہ ان کے ساتھ دیوان خانے میں داخل ہوا۔ اندر سابق محتسب جمال
کے علاوہ دمشق کے حکمران بوری کے دونوں بھائی اسمعیل اور شہاب الدین بیٹے
عامر نے آگے بڑھ کر تینوں سے مصافحہ کیا پھر ان کے درمیان بیٹھ گیا۔

جمال الدین نے بات کی ابتدا کی اور عامر کو مخاطب کرتے ہوئے کہ
نہایت مناسب وقت پر آئے ہو۔ یہاں تمہاری کمی محسوس کی جا رہی تھی۔ نا

لے لبنان کا ایک شہر حو قباع کی سطح مرتفع کے کنارے تین ہزار آٹھ سو پچاس فٹ
کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ شہر باغوں کے نخلستانوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس
شہر کے نام کے بارے میں کئی باتیں منسوب ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ سامی
دیوتا بعل کے نام پر رکھا گیا تھا۔ سکندر اعظم کے بعد اس شہر کا نام ہیلو
پولس بھی رکھ دیا گیا۔ یہ شہر چونکہ دمشق سے حمص کو جانے والی شاہراہ پر
واقع ہے، لہذا ایک تجارتی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج کل یہ دمشق اور
بیروت سے ریلوے لائن کے ذریعے ملا ہوا ہے۔

لے اہل کنعان کے ایک دیوتا کا نام۔ بنی اسرائیل بھی اکثر اوقات اس دیوتا کی
پرستش کرتے رہے ہیں۔ شمالی شام کے علاقے راس النمر سے ملنے والی مٹی کی
تصنیعوں سے علم ہوتا ہے کہ بعل دیوتا کو موت، حیات، خوراک، زراعت
اور مویشیوں کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ حضرت الیاس کی قوم بھی اس دیوتا کی

اگنی ہوئی آئی اور سالم سے پوچھا "کون ہے ابی؟" سالم نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "عامر آیا ہے بیٹی! تمہیں تکلیف ضرور ہوگئی لیکن اس کے مانے کا بندوبست کرو۔ وہ نہ جانے کہاں کہاں دھکے کھانے کے بعد یہاں آیا ہے بھوکا ہوگا اور اس کا بھوکا رہنا میرے لیے تکلیف دہ ہے۔" نائمرہ نے بے پناہ خوشی اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "تکلیف کیسی ابی! وہ میرے محسن ہیں۔ ان کی خدمت میری دینی ہے۔"

نائمرہ چولہا گرم کرنے چلی گئی۔ سالم آگے بڑھا اور عامر کو اپنے ساتھ لپیٹا لیا۔ لید عامر کے گھوڑے کو صطبل میں باندھ کر ان دونوں کے ساتھ ہو گیا اور تینوں دیوانے نے اس کے آگے بیٹھ گئے۔ سالم نے شکوہ کرنے کے انداز میں پوچھا۔ "تم کہاں رہے بیٹا! اگر تمہارا اپنے قبیلے والوں سے جھگڑا ہو گیا تھا تو تم سیدھے میرے پاس کیوں نہ آتے۔ کیا تم اس گھر کو اپنا نہیں سمجھتے۔"

عامر نے ممنونیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں۔ میں صقلاج سے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے مشتق گیا تھا۔ وہاں سے تیر چلا کہ وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ بعلبک گیا تھا۔ اب میں اس کی طرف جا رہا ہوں۔ سالم نے فکر مند ہو کر کہا۔ "میں تمہیں اکیلا نہ جانے دوں گا۔ تم میرے لیے سے چند جوانوں کو ساتھ لے جاؤ، وہ صقلاج اور اس کے ساتھیوں سے نمٹنے میں تمہاری مدد کریں گے۔" عامر نے شکریہ گزار بچے میں کہا۔ "آپ تکلیف نہ کریں۔" مشتق کے سابق محتسب جمال الدین کے کچھ آدمی پہلے ہی ان کے تعاقب میں ہیں۔ میں پہلے ان سے ملوں گا۔ وہ بھی میری مدد کریں گے۔"

سالم نے اپنے بیٹے ولید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ولید! تم نقیب در سعد کو بلا کر لاؤ، میں اسے یہاں سے اکیلا روانہ نہ ہونے دوں گا۔" ولید خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ سالم پھر ولید سے کچھ کہنے والا تھا کہ دیوان خانے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ حالانکہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سالم کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

کھنڈرات ہیں۔ ان کھنڈرات کے عین سامنے مغرب کی طرف ایک سہرائے ہے۔ وہاں کے تعاقب میں ہم نے جو آدمی روانہ کیے ہیں وہ اس سہرائے میں ٹھہریں گے۔ تم سے رابطہ قائم کرنا۔ وہ تمہیں صقلاج کے ٹھکانے سے آگاہ کر سکیں گے اور اس طرح تم آسانی کے ساتھ اس سے نمٹ سکو گے۔ عامر! عامر! سنو! ہمارے آگے کے سردار کا نام رکن الدین ہے۔ وہ ایک گنم ترک ہے۔ اس کی مار بھی چھ آنکھیں بھیڑیے کی طرح بھوری ہیں۔ وہ ایک شجاع اور ملت دندب پرست ہے۔ وہ صقلاج سے انتقام لینے میں تمہاری مدد کرے گا۔ احتیاط سے کام لیں صقلاج کے ساتھ ہیں ایسے مسلح جوان بھی ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ عامر نے چھاتی تاننے ہوئے کہا۔ "انشاء اللہ صقلاج کو دمشق لٹوانا نہ ہوگا۔" اس کے بعد عامر نے سب سے مصافحہ کیا۔ صطبل سے اپنا گایا اور باہر نکل گیا۔

آدھی رات سے تھوڑی دیر پہلے عامر نوزیبان کی بستی حوران میں بن عقبہ کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ اندر صحن میں دروازے کی طرف آتے ہوئے کسی نے پوچھا۔ "کون ہے؟" عامر نے دھیمی آواز میں کہا۔ "دروازہ کھولید! میں عامر بن نافع ہوں۔"

دروازہ فوراً کھل گیا۔ سامنے ولید کھڑا تھا۔ ایک دم وہ عامر سے ہوا بولا۔ "آپ کہاں رہے۔ ہم آپ کی گمشدگی پر سخت پریشان تھے۔" صحن سے سالم کی آواز سنائی دی۔ "ولید! ولید! کون آیا ہے؟" ولید نے کاناظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ابی! عامر آئے ہیں۔" سالم نے حلقی کا اظہار کرتے ہوئے اتوا سے باہر کیوں روک رکھا ہے۔ اسے اندر لاؤ۔ اتنے میں ایک کمرے سے

(رقیہ عاشیہ صفحہ نمبر ۹۹) پرستش کرتی تھی۔ قرآن مجید میں بعل کا لفظ شوہر کے معنی استعمال ہوا ہے۔

پھر اُس نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے پیار سے کہا۔ "نائرہ بیٹی! اندر آج عامر سے تمہارا کیا پردہ۔ یہ دو بار تمہاری عزت اور جان کی حفاظت کر چکا۔ اب یہ اس گھر کا فرد ہے۔"

نائرہ اندر آئی اور شرماتے ہوئے پوچھا۔ "ابی! کھانا لے آؤں۔" سالم جگہ سے اٹھا اور کمرے کے وسط میں ایک چٹائی بچھاتے ہوئے اس نے کہا۔ "نائرہ واپس چلی گئی۔ عامر نے سالم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ نے یہ بے وقت تکلیف کیوں کی۔" سالم چٹائی بچھانے کے بعد دوبارہ عامر کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ تکلیف کیسی ہے بیٹے! کھانا تو ہر وقت گھر میں تیار رہتا ہے۔ نائرہ نے اُس وقت کھانے کی چیزیں صرف گرم ہی کی ہوں گی" اتنے میں نائرہ پھر اندر آئی اور پرکھانے کے برتن جمادیے۔ عامر خاموشی سے اُٹھ کر کھانا کھانے لگا تھا۔ سالم اس کے ساتھ چٹائی پر آکر بیٹھ گیا تھا۔ نائرہ بھی واپس جانے کے بجائے دیوان خانے میں ہی بیٹھ گئی تھی۔

عامر جب کھانا کھا چکنے کے بعد دیوان خانے میں بیٹھا سالم سے با کور ہا تھا اور نائرہ ان کی باتیں غور سے سن رہی تھی، نقیب، سعد اور ولید دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ اندر آتے ہی نقیب اور سعد دونوں پہلے سے گلے ملے۔ پھر نقیب نے عامر کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ اپنے قبیلے والوں سے لڑ جھگڑ کر دمشق کیوں چلے گئے۔ آپ ہمارے پاس آتے۔ ہم اتنے بے حمیت نہیں ہیں کہ آپ کی حفاظت نہ کر سکتے ولید نے مجھے بتایا ہے کہ آپ متلاجم سے اپنے باپ کا انتقام لینے بعلبک رہے ہیں۔ آپ یہ بتائیے اس مہم کے سلسلے میں آپ کو ہمارے ہاں سے جانوں کی ضرورت ہے۔" عامر نے نقیب کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اس مہم میں مجھے کسی کی ضرورت نہیں، میں اکیلا جاؤں گا۔"

نقیب نے احتجاج کرنے کے انداز میں کہا۔ "یہ ارادہ دل سے نہ

پھر ہم آپ کو تنہا اس مہم پر جانے دیں گے۔ یہ ناممکن ہے۔ ہم آپ کو یہ احساس دے دیں کہ آپ اکیلے ہیں۔"

عامر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہاں بعلبک میں جمال الدین کے آدمی بھی وہ بھی میری مدد کریں گے۔ نقیب نے زور دے کر کہا۔ "کچھ بھی ہو ہم آپ کیلئے نہ جانے دیں گے۔" عامر نے ہار مانتے ہوئے کہا۔ "اگر تم اس قدر ہی بضد تم اور سعد میرے ساتھ چلو۔" نقیب نے مطمئن ہو کر کہا۔ "آپ کا فیصلہ سنا ہے۔"

عامر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "تو پھر تم واپس جاؤ اور تیار ہو کر میرے باغ میں انتظار کرو۔ میں پہلے اپنے گھر جاؤں گا۔ میری بہن اور بھائی دونوں میری اس ہنسی پر سخت پریشان ہوں گے۔ میں انہیں اطلاع کروں گا کہ میں بعلبک جا رہا ہوں۔ نقیب اور سعد اُٹھ کر چلے گئے۔ عامر نے سالم اور ولید سے مصافحہ کیا۔ نائرہ پر ایک الوداعی نگاہ ڈالتا ہوا وہ بھی باہر نکل گیا تھا۔

اپنے گھوڑے کو سر پٹ دوڑاتا ہوا عامر اپنی بستی میں داخل ہوا اور اپنے کے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھلا اور عدنان نے کھڑا تھا۔ اتنے میں صحن کے اندر سے عروب کی آواز آئی۔ "کون ہے انخی! ن لے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ عامر ہے۔" عروب نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے "تو پیچھے بیٹھے نا، انخی کو اندر آنے دیجئے۔" عدنان دروازے سے ایک طرف لے کر کھڑا ہو گیا۔

عامر نے عروب کو مخاطب کر کے کہا۔ "عروب! عروب! دروازے پر تمہیں ایک اطلاع کرنے آیا ہو۔" عروب دروازے پر آئی اور پریشانی پوچھا۔ "کیسی اطلاع انخی!"

میں صقلاج کو قتل کرنے و مشتق گیا تھا لیکن وہ بعلبک شمر گیا ہوا ہے۔ اب بعلبک جا رہا ہوں اور وہاں اُسے قتل کر کے اپنے باپ کا انتقام لوں گا!"

عروب کی گردن غم اور اندوہ میں جھک گئی تھی۔ عامر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اے میری بہن! تُو دیکھے گی، اپنے باپ کا انتقام لے کر میں بہن جلد لوٹوں گا۔ عامر پیچھے ہٹ گیا۔ عروب چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ عامر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر وہ ان دونوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا سیدھا اپنے باغ میں آیا۔ وہاں نقیب اور اس کا انتظار کر رہے تھے۔ تینوں باغ سے نکل کر شمال مغرب کے رخ پر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔



شمال مغربی کوہستانوں کی چوٹیاں برف سے لد گئی تھیں۔ برف آلود ہوا کے لہریز ہو گئے تھے۔ شام سے تھوڑی ہی دیر پہلے عامر، نقیب اور سعد بعلبک میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ پرانے شہر کے ان کھنڈرات کی طرف آئے جہاں کنگان کے دیوتا بعل کے معبد کے کھنڈرات تھے۔ کسی دور میں یہ عمارت خوب لگی لیکن اب صرف ستون ہی کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں سے بھی کچھ تنوں پر محرابیں تھیں اور کچھ ننگے سر ہی کھڑے تھے۔

کچھ دیر تک وہ ان کھنڈرات کے اندر گھومتے رہے۔ جب سورج دُب ہو گیا اور غریب شب اپنا زول کرنے لگی تو وہ بعل دیوتا کے ٹوٹے پھوٹے بد سے نکل کر مغرب کی طرف اس سرائے کو جا رہے تھے جس کی نشاندہی جمال الدین عامر سے کی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس سرائے میں داخل ہو رہے تھے۔ اپنے گھوڑوں انہوں نے سرائے کے اصطبل میں باندھا اور خود وہ سرائے کے مالک کے پاس آئے ایک بوڑھا یہودی تھا۔ عامر نے اس سے قریب ہوتے ہوئے پوچھا۔ تمہاری سرائے، کوئی ایسا شخص ٹھہرا ہوا ہے جس کا نام رکن الدین ہو اور ذات کا ترک ہو؟ اس بوڑھے یہودی نے کچھ سوچا اور پھر اپنے ایک خادم کو آواز دیکر

بلایا اور عامر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔ ”انہیں اس چھوٹی دائرہ میں ترک کے پاس لے جاؤ جو پچھلے چند روز سے بائیں ہاتھ کے بڑے کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے اس خادم نے ایک طرف بڑھتے ہوئے عامر سے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔“ عامر، نقیب اور سعد تینوں اس کے ساتھ ہو لیے۔

اس خادم نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا اور واپس لوٹ گیا۔ عامر آگے بڑھ کر اس کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھولا۔ عامر کی طرف دیکھتے ہی اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ؟“ عامر بن نافع اور یہاں۔“ عامر نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا تم مجھ جانتے ہو؟“

اس نوجوان نے نہایت سعادت مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”دشوق، اس شیردل فرزند کو کون نہیں جانتا جسے طاہر المرزغانی نے اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لیے دشوق سے نکال دیا تھا۔“ عامر نے خوش طبعی سے کہا۔ ”میں تمہارے بھائی رکن الدین سے ملنا چاہتا ہوں۔“ اس جوان نے ایک طرف ہنستے ہوئے کہا۔ ”آپ اندر آجائیے نا، اجنبیوں کی طرح باہر کیوں کھڑے ہیں۔ یہاں میرے علاوہ اور بہت سے جوان بھی آپ کو جانتے ہیں بلکہ ہمارے سرخیل رکن الدین بھی آپ کی شخصیت آگاہ ہوں گے۔“

عامر، نقیب اور سعد کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا۔ اندر آٹھ جوان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں وہ ترک رکن الدین بھی تھا جس کی آنکھیں مجھوری دائرہ چھوٹی چھوٹی تھیں۔ عامر کو دیکھتے ہی وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑا ہوا شاید وہ عامر کو جانتا تھا۔ اس لیے کہ اس نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ ”یہاں بعلبک ہیں؟“

عامر نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”اگر میں غلام نہیں تو تمہارا نام رکن الدین ہے۔“ اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”میرا

رکن الدین ہے لیکن آپ کس سلسلے میں یہاں آئے ہیں؟“ عامر نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا اور رکن الدین کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کے بعد عامر نے اس سے مصافحہ کیا اور وہ بھی عامر کے پہلو میں بیٹھ گئے تھے۔ رکن الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مقلاج، جس کے تعاقب میں تم یہاں ہو اس نے میرے باپ کو قتل کیا تھا۔ میں اس سے انتقام لینے دشوق گیا تھا۔“ رکن الدین سے خبر ہوئی کہ مقلاج بعلبک میں ہے۔ انہوں نے مجھے تمہارے متعلق بتایا۔ لہذا میں مقلاج کے تعاقب میں یہاں چلا آیا اور تم سے ملنا ضروری سمجھا۔ کیا تم بتا سکو گے کہ مقلاج کہاں ہے۔“

رکن الدین نے کہا۔ ”وہ شہر کی ایک وسطی سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ میرے ملا کی اطلاع کے مطابق وہ کل یہاں سے کوچ کر جائے گا۔ کیونکہ جس کام کے لیے لایا تھا اسے وہ مکمل کر چکا ہے۔“

عامر نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ ”وہ کس کام کے سلسلے میں یہاں آیا رکن الدین نے بے ساختہ کہہ دیا۔“ دشوق کا سودا کرنے آیا تھا۔ عامر نے پھر حیرت پریشانی میں پوچھا۔ ”دشوق کا سودا کرنے؟ لیکن وہ کس طرح؟“

رکن الدین نے دھک کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”مقلاج جن لوگوں سے یہاں ملے کرنے آیا ہے ان کا تعلق یروشلم کے معزین سے ہے۔ یروشلم کے عیسائی حکمران یہ طور پر طاہر المرزغانی سے رابطہ قائم کیا تھا اور اسے پیش کش کی تھی کہ اگر وہ کسی دشمن پر ہمارا قبضہ کرادے تو اسے دشوق کے بدلے صور شہر دیا جائے گا جس کا حکمران کے بچے طاہر المرزغانی ہوگا۔ طاہر المرزغانی اس فیصلے کو قبول کر چکا ہے اور اسی میں مقلاج کو اس نے بات چیت آگے بڑھانے کے لیے بعلبک روانہ کیا تھا۔ یروشلم کے کچھ معزین عیسائی مسلمانوں کے بھیس میں دشوق آئیں گے۔ اور وہ المرزغانی سے مل کر آخری لائحہ عمل تیار کریں گے۔“

یہ ایک بھیانک سودا جس پر المرزغانی عمل پیرا ہے لیکن ہم اس پر عملدرآمد

یت صرف مقلّاج سے ہے۔ تم سب ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ اگر
 نے ایسا نہ کیا تو مقلّاج کے ساتھ تم بھی مارے جاؤ گے۔“
 مقلّاج کے ساتھی چپ چاپ ایک طرف ہٹنے لگے۔ مقلّاج نے خفگی اور
 بکا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ تم لوگ ایسے ہی بے حمیت ہو گئے ہو کہ مجھے ضرورت کے
 تنہا چھوڑ رہے ہو۔ کیا تم لوگوں کو میرا محافظ اور معاون بنا کر نہ بھیجا گیا تھا ان میں
 ایک نے کہا۔ ہم ضرور تمہاری مدد کرتے لیکن ان لوگوں سے تمہاری ذاتی جھگڑا
 ہذا ہم مداخلت نہیں کریں گے۔ مقلّاج خاموش رہا اور اس کے ساتھی پیچھے ہٹ
 رہا فاصلے پر کھڑے ہو گئے۔ عامر نقیب، سعد اور رکن الدین اپنی تلواریں لہراتے
 آگے بڑھے تھے۔

مقلّاج کے پاس جا کر عامر اپنے گھوڑے سے اُترا۔ مقلّاج اُسے پہچان نہ
 تھا۔ عامر نے اپنے گھوڑے کی خرچین سے مقلّاج کا جوتا نکالا اور غصے میں اس کے
 پردے مارتے ہوئے کہا۔ مقلّاج! کیا یہ جوتا تمہارا نہیں ہے۔ مقلّاج نے حیرت
 مار کر تے ہوئے کہا۔ ہاں! یہ میرا ہی جوتا ہے اور گم ہو گیا تھا۔ عامر نے اپنی سحر کار
 میں کہا۔

اندھے! یہ گم نہ ہو گیا تھا بلکہ میں اُٹھا کر لے گیا تھا۔ میری طرف غور سے
 دیکھو! میں عامر نافع ہوں۔ کیا تم اس جرم سے انکار کر سکتے ہو کہ تم میرے باپ اور
 رکن کے قاتل ہو۔ مقلّاج خاموش رہا۔ عامر کو چانک اپنے سامنے دیکھ کر خزاں
 شک رات جیسا غمگین اور اُجڑے گھر کے آگن کی طرح افسردہ ہو گیا تھا۔
 عامر نے ہجر پر شور کی سی بلا خیزی میں پھر کہا۔ مقلّاج! اپنی تلوار نکال
 میں تمہیں اپنا دفاع کرنے کا موقع دوں گا۔ مقلّاج کے چہرے پر حسرت آگیاں
 بکھر گئی تھیں۔ وہ عامر کا نام سن کر اس قدر بدحواس ہوا تھا کہ اس پر سکتہ سا
 لا ہو گیا تھا اور وہ اپنا ہاتھ تلوار کے دستانے تک نہ بے جاسکا تھا۔ عامر وقت کا
 بالی اور اجل کا نام بر بن کر آگے بڑھا۔ اپنی تلوار بلند کی اور ایک ہی وار میں اس

نہ ہونے دیں گے۔ دمشق کے حکمران توری کے دونوں چھوٹے بھائی جمال الدین اور
 یوسف کے ہم خیال ہیں اور ان کی مدد سے المرزغانی پر گرفت کی جاسکتی ہے۔ گو توری
 المرزغانی پر اندھا اعتماد ہے اس کے باوجود کسی روز خود توری کی تلوار المرزغانی کی گھر
 پر ہوگی۔ توری نیت کا برا نہیں۔ وہ ایک نیک دل اور مذہب پرست حاکم
 لیکن المرزغانی نے نہ جانے اُسے اپنے اعتماد کے جال میں کیسے پھانس لیا ہے۔
 عامر حیدر لمحوں تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا۔ پھر اس نے لرزتی ہوئی
 میں کہا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ المرزغانی مذہب و قوم کے خلاف اس
 پستی میں چلا جائے گا۔ رکن الدین نے ایک عزم اور وثوق کے ساتھ کہا۔ اے
 سودا گمراہ کرنے کی مہلت نہ ملے گی۔ دونوں چند ثانیوں تک خاموش رہے
 رکن الدین نے عامر سے کہا۔ بعلبک شہر کے اندر مقلّاج کو ٹھکانے لگانا خطر
 سے خالی نہ ہوگا۔ آپ کو کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں۔ یہیں ہمارے
 قیام کریں۔ واپس دمشق کی طرف جاتے ہوئے مقلّاج سے خوب نمٹا جاسکتا
 عامر نے اس کے خیالات کی تائید کر دی۔ رکن الدین نے اپنے کچھ آدمی بھیج کر
 منگوا یا اور پھر وہ فرش پر بیٹھ کر سب کھانا کھا رہے تھے۔

دوسرے روز صبح ہی صبح مقلّاج نے اپنے آدمیوں کے ساتھ بعد
 شہر سے کوچ کیا۔ عامر اور رکن الدین بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس کے
 میں تھے۔ جب مقلّاج نفاع کے کوہستانی سلسلے میں سے گزر رہا تھا۔ اس
 روک دیا گیا۔ رکن الدین کے ساتھی ان کے چاروں طرف اپنی کمانوں میں تیر
 کر کھڑے ہو گئے تھے۔ جب کہ ایک طرف عامر، نقیب، سعد اور رکن
 اپنی تلواریں سونت کر کھڑے تھے۔ سب نے اپنے چہرے ڈھانپ رکھے
 وہ پہچانے نہ جا سکیں۔

پھر عامر کی آواز بلند ہوئی، ایسی آواز جس میں سمندر کی لہروں جیسا
 اور سیلاب کی سی سرکشی اور طغیانی تھی۔ وہ ان سب سے مخاطب ہوا تھا۔

ایک۔ وہاں اس نے وزیر طاہر المرزغانی سے جا کر شکایت کی کہ عامر متلاچ کو قتل
نے بے لکھ چلا گیا ہے۔ جب واپس آیا تو انہی عدنان نے اس شکایت کی جواب
ہی۔ بات طویل پکڑ گئی اور تلخ کلامی سے ہاتھ پائی تک نوبت جا پہنچی اسود
علقمہ کے بیٹے بھی وہاں تھے انہوں نے انہی پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا۔

غصے میں عامر کی سانس بے قابو اور آنکھوں میں آگ برس گئی تھی۔ اس
رعد کی سی بلاغیرزی میں کہا۔ ”میں متلاچ کو قتل کر چکا۔ اب مجھ پر جو جیتے سو
لیکن میں اسود بن علقمہ اور اس کے بیٹوں سے انتقام ضرور لوں گا۔ عروب نے
قی آواز میں کہا۔ ”انہی! طاہر المرزغانی اب آپ کو گرفتار کرنے کی کوشش کرے
۔ عامر نے عجیب سے کرب میں کہا۔ میں اب یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

عروب نے بیتاب ہو کر پوچھا۔ کہاں جائیں گے انہی! عامر نے ایک
بل سانس لیا۔ اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی پناہ کی
ضرورت مل جائے گی۔

عامر چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ پھر اس نے عدنان کی طرف دیکھتے ہوئے
۔ عدنان! عدنان! یہ مت سوچنا کہ کوئی تمہارا انتقام لینے والا نہیں۔ میں تمہارا
نی۔ قسم ہے مجھے کعبہ کے رب کی میں اسود بن علقمہ اور اس کے بیٹوں سے تمہارا
زعمول کا انتقام ضرور لوں گا۔ میں اسود بن علقمہ کے قلب کا فر کو آتش بھجی
عت اور تنگی میں مبتلا کر دوں گا اور ان کے بیٹوں کو دھان سمجھ کر موصول کی طرح
لی گا۔“

عروب نے عامر کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی غرض سے کہا۔ ”انہی! آپ کو بھوک
ہوگی۔ میں آپ کے لیے کھانا لاتی ہوں۔ عامر نے اسے منع کرتے ہوئے کہا۔ مجھے بھوک
ہائیں کھانا راتے ہیں کھا کر آیا ہوں۔ تم اٹھ کر آرام کرو۔ عدنان کی دیکھ بھال اب
خود کروں گا۔“ عروب اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ عامر، عدنان کے قریب
رے پلنگ پر لیٹ گیا تھا۔ کافی دیر تک وہ جاگ کر کبھی چھت اور کبھی عدنان کو

نے متلاچ کی گردن کاٹ دی تھی۔ پھر اس کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہ
اس کی لاش اٹھا کر لے جاسکتے ہو۔“ عامر اپنے ساتھیوں کے ساتھ پیچھے ہٹ
سے کوچ کر گیا تھا۔ متلاچ کے ساتھی بھی متلاچ کی لاش اٹھا کر دمشق کی طرف
ہو گئے تھے۔



ایک روز آدھی رات کے قریب عامر اپنے گھر کے دروازے پر دستک
رہا تھا۔ آج خلاف معمول عدنان کے بجائے عروب نے دروازہ کھولا تھا۔ عامر
نکدہ مند آوازیں پوچھا۔ ”آج عدنان کہاں ہے؟“ عروب نے کوئی جواب
وہ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی اور اس کی گردن جھک گئی تھی۔ عامر نے دیکھ
کی ترسیدہ آنکھیں اشک بار ہو گئی تھیں اور آج صحن کے علاوہ اس کمرے
روشنی ہو رہی تھی جس میں عامر اور عدنان سوتے تھے۔

عروب سے عامر نے اور کچھ نہ پوچھا۔ اپنا گھوڑا لے کر وہ آگے بڑھ
اسے اصطبل میں باندھ کر زین اتاری اور پھر اس کے آگے چارہ ڈال دیا تھا
دیر تک عروب بھی دروازہ بند کر کے اس کمرے میں چلی گئی جس کے اندر
رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب عامر بھی اس کمرے میں گیا تو اس نے دیکھا
مسہری پر اس اور نگین لیٹا ہوا تھا۔ اس کے بائیں شانے پر بٹی بندھی تھی
تھی اور عروب اس کے پاس بیٹھی اس کی ٹانگیں داب رہی تھی۔

عامر نے بے تاب ہو کر پوچھا۔ ”کیا ہوا؟“ عدنان اور عروب دونوں
رہے۔ عامر نے اس بار غضب ناک ہو کر پوچھا۔ تم دونوں نے سنا نہیں
پوچھ رہا ہوں۔ عامر کی حالت دیکھ کر عروب سہم سی گئی اور کپکپاتی آواز میں
کہا۔ انہی! جس رات آپ مجھے اور انہی عدنان کو مل کر متلاچ سے انتقام
لیے بے لکھ روانہ ہوئے تھے اور گلی میں کھڑے ہو کر آپ نے ہم سے گفتگو کی
بات چیت کسی نے سن لی اور اسود بن علقمہ سے جا کہی۔ اسود بن علقمہ سی

شق جابا تو اسے بزدل کہا گیا۔ اب جب کہ میں اپنے بھائی کے انتقام میں جنگجو رہا
وہ اختیار کرتا ہوں تو آپ کے تقاضے بھی بدل جاتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں آپ
بشتیوں میں پاؤں کیوں رکھتے ہیں۔“

عمر بن کعب نے قہر آلود ہو کر کہا۔ ”تمہارا دل بے حس، ذہن منجمد اور آنکھیں
بھی ہو گئی ہیں۔ کاش! ایسا ہی جنگ جو یا نہ رویہ تم نبوز بیان کے خلاف ظاہر کرتے
قبیلے والے تمہاری حمایت دہندہ کرتے۔“ عامر نے بھی برہم ہو کر کہا۔ نبوز بیان بھی
ماری طرح انسان اور ہمارے مسلم بھائی ہیں۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے خلاف
بارحانہ رویہ کیسا۔ دونوں قبیلوں میں دشمنی اور عداوت کی بنا بھی اسود بن علقمہ
دراس کے بیٹے ہیں۔ وہ نفرت اور بددی کی طاقت ہیں اور اس طاقت کی ذات کو
ن شکستہ اور اس کے نفس کو آشوب میں مبتلا کر دوں گا۔“

عمر بن کعب عامر کو غصے کے عالم میں دیکھے جا رہا تھا۔ عامر نے ذرا
یک کر کہا۔ اے میرے عم! آپ اگر اسود بن علقمہ اور اس کے بیٹوں سے خوفزدہ
ہیں تو گھر پر پڑے رہیے، میں آپ کی حفاظت کے علاوہ ان سے انتقام بھی لوں گا
میرا آخری فیصلہ ہے جس کے درمیان آپ دیوار کھڑی نہیں کر سکتے۔ عمر بن کعب
نے اپنا آخری فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ میرا گھر ہے اور میں اپنے گھر میں تمہیں
یسا دگنا فساد کھڑا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اگر تم نے ایسا کرنا ہے
پھر یہاں سے۔“

عمر بن کعب کو رک جانا پڑا۔ کیونکہ اس دوران عروب آگے بڑھی۔
عمر بن کعب کا بازو پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ اے میرے باپ!
اگر میرے بھائی ہیں اور اپنے بھائی کے خلاف میں آپ کی سخت گفتگو برداشت
میں کر سکتی۔ انہی کو اسود بن علقمہ اور اس کے بیٹوں سے باز پرس ضرور کرنا
پائیے، ورنہ وہ یہ سمجھ کر کہ ہمارا کوئی پرسان حال نہیں اور زیادہ شیر ہو جائیں گے
نہ یہاں ہمارا جینا تک دو بھر کر دیں گے۔“

دیکھتا رہا۔ جب اس نے دیکھا عدنان سو گیا ہے اور اب اس کا جاگنا ضروری نہ
تو اس نے بھی اپنے آپ کو رضائی میں کچھ اچھی طرح ڈھانپ لیا تھا اور سونے کی
کمرے لگا تھا۔

دوسرے روز اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے عامر جب گھر سے نکلنے لگا تو اس
چچا عمر بن کعب نے گونجتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”ٹھہرو عامر! کہاں جا رہے ہو تم؟
بن علقمہ سے کسی قسم کی گفتگو نہ کرنا۔ اس کا اور اس کے بیٹوں کا کوئی قصور نہیں
کچھ ہوا ہے تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ غلطی عدنان کی ہے جس نے تمہاری خواہ
سے جھگڑا کرنے میں پہل کی۔“ اپنے چچا کی طرف دیکھتے ہوئے عامر نے تلخ لہجے پر
کچھ بھی ہو میرے عم! عدنان میرا بھائی ہے اور میں اپنے بھائی کا انتقام ضرور
عمر بن کعب نے برہم ہو کر کہا۔ ”میں اسود بن علقمہ سے بات کرچکا
اس نے مجھ سے معافی مانگ لی ہے۔ اب تمہیں اس سے باز پرس یا جھگڑا کر
کی ضرورت نہیں ہے۔“ عامر نے پھر پہلے سے لہجے میں کہا۔ ”ایک باپ کی حیثیت
آپ جو جی میں آئے کرتے رہیں، میں کوئی دخل اندازی نہ کروں گا لیکن میں ایک
کی حیثیت میں اسود بن علقمہ سے بات کروں گا۔ مجھے اُمید ہے آپ کوئی تہ
نہ کریں گے۔ اس لیے کہ جو جذبات ایک بوڑھے باپ کے ہیں۔ شاید ویسے
ایک جوان بھائی کے نہ ہوں۔ اگر آپ آٹے آٹے تو یاد رکھیے اس کا نتیجہ سوائے
کے کچھ نہ ہوگا کہ میرے اور آپ کے درمیان بے رخی کی ایک خلیج حائل ہو۔
عمر بن کعب اس بار غصے میں بل کھاتا اور جھاک چھوڑتا ہوا بولا۔
تقصیر اب ختم ہو چکا ہے اسے طول نہ دو عامر! ایسا نہ ہو میں تمہیں اس
سے محروم کر دوں جو تمہارے اور عدنان کے درمیان ہے۔“

عامر نے شکوہ کرنے کے انداز میں کہا۔ ”اے میرے عم! عدنان سے
کا رشتہ ہے اور اس رشتے کو آپ اپنے غصے اور غضب ناک الفاظ سے ختم نہیں
آپ کا انصاف کیسا ہے؟ جب میرا باپ امن کی زندگی بسر کرنے اپنا قبیلہ چھوڑ

میں کے لوگوں نے عامر کو بستی میں تعجب کی نگاہوں سے دیکھا لیکن کسی کو بھی اس
تعرض اور تکرار کرنے کی ہمت اور جرأت نہ ہوئی۔



سورج خوب پرٹھہ آیا تھا۔ نبو عیس کی وسیع چراگاہوں میں قبیلے کے بھڑ
یوں، اونٹوں اور گھوڑوں کے ریوڑ چر رہے تھے جب کہ ان کی حفاظت کے لیے
میں کے لوگ چراگاہ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں اسود بن علقمہ اور اس
بیٹے بھی تھے۔ دوسری طرف بنو زیبا کی حدود میں بھی ایسا ہی سماں تھا۔ ان کے
بھی اپنی چراگاہوں میں چر رہے تھے۔ جب کہ گھجوروں کے ایک جھنڈ کے قریب
صاف ستھرے اور نتھرے پانی کے تالاب میں بنو زیبا کے جوان اپنے گھوڑوں
نہلا رہے تھے۔ ان میں نقیب، سعد اور ولید بھی شامل تھے۔ اس صاف پانی
تالاب سے تھوڑی ہی دور نائروہ اور قبیلے کی ان گنت لڑکیاں کبیر یوں اور
نہیوں کا دودھ دھونے میں مصروف تھیں۔ بظاہر ماحول پر سکون لگتا تھا اور
میں اپنے کام میں مصروف تھا۔

اچانک عامر اپنی بستی کی طرف سے آنے والی اور گھجوروں سے گھری ایک
مڈی پر نمودار ہوا۔ وہ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا چراگاہ کے اس کنارے
لڑا تھا جہاں اسود بن علقمہ اور اس کے بیٹے بیٹھے ہوئے تھے۔ نائروہ، سعد
ب اور ولید بھی عامر کو دیکھ چکے تھے۔ نائروہ نے دودھ دھونا بند کر دیا تھا جب کہ
ب، سعد اور ولید نے اپنے گھوڑوں کو تالاب سے نکال لیا تھا۔ شاید وہ خطرے
بپائے تھے۔

عامر اپنے گھوڑے کو مارتا جھگاتا اسود بن علقمہ اور اس کے بیٹوں کے ساتھ
رکا اور اپنے گھوڑے سے اتر کر ان کی طرف بڑھا۔ وہ اپنے پورے جنگی لباس
تھا اس کے جسم پر زہرہ اور سر پر خود چمک رہا تھا۔ جب کہ اس کی ڈھال اس

عمرو بن کعب بنجیدہ ہو کر خاموش رہا۔ عامر اپنے گھوڑے کی باگ کھینچ
جب باہر جانے لگا تو عمرو بن کعب نے بدلے بدلے رویے میں کہا۔ ”ٹھہرو
عامر رک گیا اور مرکڑ پیچھے دیکھنے لگا۔ عمرو بن کعب نے کہا۔ ”میں نے
بلکہ عروب نے ہی مجھے بتایا ہے کہ تم بستی چھوڑ کر کہیں جا رہے ہو۔ جانے
اپنے باغات اور زمین کسی کے ہاتھ بیچتے جاؤ۔ عامر نے رندھی ہوئی ہوئی
میں کہا۔ اے عم! آپ میرے باپ کے بھائی ہیں۔ میرا آپ سے ایک
ہے۔ مجھے دولت کی ضرورت نہیں۔ اپنے باغات اور اپنی زمین میں نے آ
حوالے کیے۔ آج سے آپ ان کے مالک اور مصرف ہیں۔ آپ کے بعد میر
عدنان اور میری بہن عروب ان کے مالک ہوں گے۔ میں یہاں سے روان
وقت آپ سے کسی بھی چیز کا مطالبہ نہ کروں گا۔ آپ میرے بزرگ اور باپ
ہیں۔ یہاں آپ کے ہاں رہتے ہوئے مجھ سے کوئی گستاخی و لغزش ہوئی ہو
آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ کاش میں آپ سے ذہنی ہم آہنگی پیدا کر سکتا
نامکن ہے۔

عامر نے چند ثانیوں کے وقفے بعد کہا۔ میرے ذمے جو فرض تھا اب
سبکدوش ہو گیا ہوں۔ مجھے اب زمین اور باغات سے کوئی دل چسپی نہیں۔ یہ
بہت جلد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ عمرو بن کعب نے پریشان لہجے میں
”عروب کہہ رہی تھی تم نے قتلا ج کو قتل کر دیا ہے۔ اگر یہ درست ہے
بہت بُرا کیا۔ اب ظاہر المرزفانی ہی نہیں دمشق شہر کے سب اسمعیلی تمہار
حرکت میں آجائیں گے۔ اس لیے کہ قتلا ج بھی اسمعیلی تھا۔ ان سے بچ کر
تمہیں گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔“

عامر نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ چند لمحوں تک وہ شکایت آہ
سے عمرو بن کعب کو دیکھتا رہا پھر وہ باہر نکل گیا۔ عروب اور عمرو بن ک
دیکھنے لگے۔ وہ خاموشی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا

ی دیر تک وہ کھا جانے والی اور خشک مینگین لنگا ہوں سے اسود بن علقمہ کو دیکھا رہا۔
 پسے بھی زیادہ تلخ ہو کر اس نے کہا۔ ”تمہارے ترش و تند الفاظ کے تیر مجھ پر کوئی
 میں رکھتے۔ تم جیسے بزدل اپنی کمزوری بے ہمتی اور فرار پر پردہ ڈالنے کے لیے
 یہی باتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔ علقمہ کے بیٹے! یاد رکھو، تمہاری اور تمہارے
 کی فتنہ انگیز اور عیارانہ طبیعت ہی بنو عیس اور بنو زیان میں طویل رقابت اور
 دو عدالت کا اصل سبب اور بڑی بنیاد ہے۔ ورنہ دونوں قبیلوں کے لوگ
 باہم اور سکون کی زندگی بسر کر رہے ہوتے۔ میری ہی تلوار سے میری ہی گردن
 دینا تو گناہ۔ ہمت ہے تو اٹھو اور میری وزنی تلوار کا وار روک کر دیکھو۔“

اسود بن علقمہ اپنے تینوں بیٹوں کی موجودگی میں شیر ہو گیا تھا۔ ایک دم وہ
 ہوا، ایک سخت جھٹکے کے ساتھ اس نے اپنی تلوار بے نیام کی اور پھرے سور
 خمی اور مشتعل گینڈے کا سا اظہار کرتے ہوئے وہ عامر کی طرف بڑھا۔ اس کے تینوں
 ہی احتیاط کے طور پر اپنی تلواں سوئٹ کر کھڑے ہو گئے۔

دوسری طرف نقیب، سعد، ولید اور نائرہ بھی قریب ہو گئے تھے۔ وہ
 پتھر کی اوٹ میں بیٹھ گئے تھے۔ نقیب اور سعد نے اپنے چٹوں سے
 الگ کر اپنی کمانوں میں چڑھالیے تھے۔ اسود بن علقمہ چاہتا تھا کہ آگے بڑھ کر
 ہر وار کرے لیکن ابھی وہ اپنی تلوار بلند کر کے گرانے بھی نہ پایا تھا کہ عامر کی
 رگڑدی گری اور اسود بن علقمہ کی گردن کاٹتی ہوئی گزر گئی تھی۔ اسود بن
 کے تینوں بیٹے عامر پر ٹوٹ پڑنے کے لیے آگے بڑھے تھے۔

پتھر کے پیچھے بیٹھی ہوئی نائرہ نے چونک کر اپنے بھائی ولید کی طرف دیکھتے
 کہا۔ اب کیا ہوگا۔ وہ تینوں ایک ساتھ عامر پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ ولید
 بجائے سعد نے اپنی کمان میں لگے تیر کو کسی قدر کھینچتے ہوئے کہا۔ ”میں عامر کو
 سب سے زیادہ اور بہتر جانتا ہوں۔ یہ تینوں جہان جو اس پر حملہ آور ہو رہے ہیں
 کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کی حالت اس کے سامنے ایسی ہوگی،

کے بازو سے لٹک رہی تھی۔ اسود بن علقمہ نے عامر کو کوئی اہمیت نہ دی اور
 آمد سے بے پرواہ بنو عیس کے دوسرے آدمیوں سے مصروف گفتگو را
 تھا اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ اس کے بیٹے اس کے پاس ہیں جن کی موجودگی
 اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

عامر نزدیک آیا اور اسود بن علقمہ کے بیٹوں کو مخاطب کر کے
 پوچھا۔ تم میں سے کس نے میرے بھائی عدنان کو زخمی کیا ہے۔ اسود نے بے
 مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ عمرو بن کعب اس سلسلہ میں پہلے ہی مجھ سے با
 ہے۔ اب میں تمہارے سامنے جواب دہ نہیں ہوں کہ مسئلہ اب ختم ہو چکا
 عامر نے بھی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”اسود! یہ نہ مجھ کو، عدنان میرا بھائی ہے اور میں اس کا قصاص
 حق رکھتا ہوں۔ اسود نے پھر بیزاری سے کہا۔ کچھ بھی ہو، میں تمہارے کسی
 جواب دینے کو تیار نہیں ہوں۔“ عامر نے تلوار کھینچ لی اور اب کی بار وہ جا
 میں بولا۔ اگر تم میں سے کوئی بھی نہ بولا تو میں اتنی قدرت ضرور رکھتا ہوں
 یہ تنازعہ طے کرنے پر مجبور کر سکوں۔“

اسود بن علقمہ نے بھی اُبال کھاتے انداز میں کہا۔ ”نافع کے بی
 ہی قبیلے میں بغاوت اور سرکشی کے شعلے بلند کر کے غلام نہ بنو اور سنو! اپنی تا
 میں کر لو۔ ورنہ قبیلے کے اتنے لوگوں کی موجودگی میں میں تمہاری ہی تلوار سے
 گردن کاٹ دوں گا۔“

عامر اور اسود بن علقمہ میں تکرار ہوتے دیکھ کر نقیب، سعد اور
 اپنے آپ کو مسلح کر کے اپنے گھوڑوں پر زینیں کس لی تھیں اور وہ نزدیک
 کھڑے ہو گئے۔ اس نقطہ نظر سے کہ شاید عامر کی مدد کرنے کے لیے انہیں
 کو دنا پڑے۔ نائرہ بھی پریشان اور اضطراب کی حالت میں نزدیک ہو گئی تھی
 اسود بن علقمہ کے تیز اور ترش الفاظ نے عامر کا چہرہ غصے میں سرخ

جیسے خوشخوار اور بھوکے عقاب کے سامنے بے بس ولاغر گدھیں۔ ان تینوں علاوہ اگر کوئی اور بھی اس کی طرف بڑھا تو ہم اسے تیروں سے چھلنی کر دیں۔ تاہم نائرہ پھر بھی مطمئن نہ ہوئی تھی۔ اس کے لیے فکر مند اور پریشان ہونے یہی کافی تھا کہ تین مسلح جوان ایک ساتھ اس کے عامر پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے ناخوشی میں کملائے پھول، جیسے خزاں کے غمزدہ پتے، جیسے اپنی نمود کو ترستا ہوا کوئی ثمر۔ نائرہ وہ منظر برداشت نہ کر سکی اور اُس کے منہ سے نکلی گیا۔ یا اللہ! میرے محسن کی فتح!

اسود بن علقمہ کے تینوں بیٹوں نے آگے بڑھ کر ایک ساتھ عامر کو دیا تھا۔ عامر نے مغیرہ اور جابر کے وار کو اپنی ڈھال پر روکا اور درمیانے ہار کو اس نے اپنی تلوار پر لیا تھا۔ پھر وہ بجلی کے کوندے، آسمان سے ٹوٹنے والی سی سرعت اور پھرتی سے حرکت میں آیا تھا۔ اس نے اپنی تلوار علیحدہ کر لی اور جوابی حملہ کر کے اس نے اسود بن علقمہ کے منجھلے بیٹے کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔ عامر ایک طرف ہٹا اور مغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسود کے تم ایک بار پہلے بھی مجھے آنا چکے ہو۔ اسود بن علقمہ کے تین بازوؤں میں سے اُن میں نے کاٹ دیا ہے۔ اب تم دُورہ گئے ہو۔ سوچ میں مت پڑو آگے بڑھو مجھ پر حملہ کرو۔ اگر میں تمہیں مسکت اور ذلت میں مبتلا کر کے تم پر ہنگامہ اور تنگی و تیرگی طاری نہ کر دوں تو عامر بن نافع نہ کہنا۔"

وہ دونوں بھائی کسی مناسب سمت سے حملہ آور ہونے کی تیاری تھے کہ عامر نے خود ہی آگے بڑھ کر ان پر حملہ کر دیا۔ اس کے حملوں میں ایسی تہ مہارت اور انداز کی مرگ تھی کہ وہ دونوں بھائی نظر فریبی اور شورش و طوفان ہو گئے تھے۔

عامر ایسی غلیانی کے انداز میں حملہ آور ہوا تھا کہ وہ مغیرہ بن اسود جابر بن اسود دونوں بھائیوں کو اُلٹے پاؤں دُور تک دھکیلتا ہوا لے گیا۔

ایک جابر نے ایک پتھر سے ٹھوکر کھائی۔ وہ اپنا توازن کھو کر لڑکھڑایا اور اسی لمحے مرکی تلوار اس کا جسم کاٹتی چلی گئی تھی۔ اب عامر کے سامنے صرف مغیرہ بن اسود بچا تھا جو عامر کو اپنے سامنے خون آلود تلوار کے ساتھ دیکھ کر اس مسافر کی طرح گیا تھا جو بھوک اور سردی میں بد حالی اور بے بسی کا شکار ہو گیا ہو۔

ایک بار نہایت ملتجی نگاہوں سے مغیرہ نے اپنی بستی کے ان جوانوں کی طرف دیکھا جو چراگاہ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کی دُکھ نہ اٹھا۔ اتنی دیر تک عامر پھر مغیرہ پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ مغیرہ چند تانیوں میں ادھر ادھر بھاگ دوڑ کرتا ہوا عامر سے بچنے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر اسی سعی و محنت میں عامر کی تلوار کا شکار ہو کر ختم ہو گیا تھا۔ فضا میں ایک بار مغیرہ کی دلخراش رگڑب آئیز چیخ کے بعد چر سکون ہو گئی تھیں۔

بنو عبس کے کچھ جوان شاید اس حادثہ کی اطلاع کرنے بستی کی طرف بھاگے۔ عامر نے بھی معاملہ کی سنگینی اور گرانی کو جانپ لیا تھا۔ اس نے فوراً اپنی خون آلود تلوار نیام میں کر لی، اپنی ڈھال اس نے زین سے لٹکائی، ایک زہریلی جست، ساتھ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بستی کی طرف بھاگنے والے جوانوں کو طب کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"بنو عبس سے کہہ دینا اگر انہوں نے میرے عم، میرے بھائی یا میری بہن، اسود بن علقمہ اور اس کے بیٹوں کا قصاص لینے کی کوشش کی تو جو لوگ اس میں شہید ہوئے ہیں ان کے ہر جوان کو ذبحہ اور ان کی ہر عورت کو بیوہ کر دوں گا۔ عبس مسلمان ہوتے ہوئے بھی منافق اور دیاکار ہیں کہ وہ نہیں جانتے کہ دنیا کے مسلمان ایک ملت اور ایک قوم ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کاش لی دانا، کوئی حکیم و صلح ان کو خبر کرتا کہ ہمارا مذہب انسانیت کی کن اقدار کا بار کرتا ہے۔"

عامر نے اپنے گھوڑے کو اڑنے لگا دی تھی۔ چراگاہوں کے کنارے کٹارے

وہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے دریگہ ابا نا کے کنارے آیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس نے اس کی رفتار اور تیز کر دی تھی۔ نقیب، سعد اور ولید پتھروں کی اوٹ سے بچ کر اپنے گھوڑوں کی طرف بھاگے تھے جب کہ نائزہ بنو زبیاں کی دو سہری لڑکیوں میں شامل ہو گئی تھی۔ جہاں وہ عامر کی کامیابی پر خوش تھی وہاں اسے یہ غم بھی کھڑا جا رہا تھا کہ عامر کہاں چلا گیا ہے۔

نقیب، سعد اور ولید اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر عامر کے تعاقب میں نکل پڑے تھے۔ نقیب اسے اپنے قبیلے میں لانا چاہتا تھا تاکہ اس کی حفاظت کی سکے لیکن عامر ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ تاہم وہ دریگہ کے کنارے اپنے گھوڑوں کو بھگاتے جا رہے تھے۔ تین فرسنگ کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ دریگہ کے کنارے چھوڑ کر ایک تنگ پلٹھڑی کی طرف مڑ گیا۔ اس پلٹھڑی پر اس نے دو میل کی اور مسافت طے کی پھر وہ اس شاہراہ پر چڑھ گیا تھا جو بصرہ کی طرف آتی تھی اور دمشق سے گزرنے کے بعد حمص سے ہوتی ہوئی معرہ الحماں اور وہاں الریاء شہر کی طرف چلی گئی تھی۔

شاہراہ پر ایک میل اور سفر کرنے کے بعد عامر ایک سرائے میں داخل ہوا۔ سرائے کا مالک اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکا۔ اس کا نام ثعلب تھا وہ عامر کا پرانا جاننے والا تھا۔ طاہر المرزفانی کے زہرنوں کا تعاقب کرتے ہوئے ثعلب کی سرائے میں ہی رات بسر کیا کرتا تھا۔ بوڑھے ثعلب نے عامر کے گھوڑے کی لگام پکڑتے ہوئے کہا: تم تو دمشق چھوڑ کر اپنے قبیلے میں چلے گئے، آج کا رنج کیسے کر لیا۔

عامر نے اسے پیش آنے والے سارے حالات سنا ڈلے۔ ثعلب نے فکر نہ کیا اور اسے بتاتے ہوئے کہا: ہو سکتا ہے تمہارے قبیلے والے تمہارا تعاقب کرتے ہیں۔ آجائیں پر تم فکر مند نہ ہو، میں تمہارے کو اپنے سکونتی مکان میں بھیج دیتا ہوں اور تم سرائے کے اوپر جا کر آرام کرو۔ ثعلب نے فوراً ایک ملازم کو بلا کر عامر کو

مکان کے اندر بھجوا دیا۔ خود اس نے عامر کو سرائے کے اوپر والے کمرے میں بند کیا اور پھر معمول کے مطابق اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ عامر پر سکون ہو کر اس نے لگا تھا۔



عروب بھاگتی ہوئی گھوڑوں میں داخل ہوئی اور اس کمرے میں آئی جس کے قریب عدنان لیٹا تھا اور ان کا باپ عمرو بن کعب عدنان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ عروب جاسی میں کہا: بابا! بستی میں بہت بڑا حادثہ ہو گیا ہے۔ عمرو بن کعب نے پریشانی اور کڑے ہوئے پوچھا: کیا ہوا؟ عروب جس کا چہرہ غمزہ دکھائی دے رہا تھا عدنان ترپہ بیٹھ گئی اور لرزتی کانپتی آواز میں کہا:

”انخی عامر نے اسود بن علقمہ اور اس کے بیٹوں بیٹوں کو قتل کر دیا ہے۔ کے کچھ جوان چراگا ہوں سے لوٹے ہیں وہ کہہ رہے تھے۔ انخی نے عدنان بھائی کو مارنے کے سلسلے میں اسود سے باز پرس کی تھی۔ معاملہ تلخ کلامی سے بڑھ کر ان کی نوبت پر آتا آیا۔ اور انخی نے اسود بن علقمہ اور اس کے بیٹوں کو قتل کر دیا۔ عدنان اُداس ہو گیا۔ عمرو بن کعب کا چہرہ اُتر گیا اور دکھ کا اظہار کرتے ہوئے اس نے پوچھا: اب عامر کہاں گیا ہے۔ عروب نے فکر مند لہجے میں کہا: بستی جوان چراگا ہوں کی طرف سے آئے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے، انخی اپنے گھوڑے اور ہوکہ دریگہ ابا نا کے کنارے کنارے دمشق کی طرف چلے گئے ہیں۔ وہ یہ بھی کہہ رہے تھے انخی عامر جاتی دفعہ متنبہ کر گئے ہیں کہ اگر میرے عم، میرے بھائی اور سے کسی نے اسود بن علقمہ اور اس کے بیٹوں کا قصاص لینے کی کوشش کی تو جو اس میں ملوث ہوئے ان کے ہر جوان کو ذبح اور ان کی عورتوں کو وہ بیوہ کر گئے۔ ان کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی اسی لیے اسود بن علقمہ اور اس کے بیٹوں ماہر بستی میں خاموشی طاری ہے۔ درنہ ابھی تک ایک شور اور طوفان اُٹھ رہا۔

عمر بن کعب نے مایوسی اور بے بسی میں کہا۔ "عامر کے پیچھے اس کی اہل رہی ہے۔ اگر وہ دمشق کی طرف گیا ہے تو بچ کر نہ جاسکے گا کیونکہ المرزغانی پہلے اسے گرفتار کرنے کے لیے ہے۔ وہ اپنے باپ کا الٹ ثابت ہوا ہے۔ اس کا جس قدر سرو مزاج کا انسان تھا یہ ویسا ہی جذباتی اور جنگ جویانہ مزاج کا ہے میری دعا ہے وہ بھاگ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو جائے۔ اگر وہ بستی میں آیا تو قبیلہ والے اسے زندہ نہ چھوڑیں گے اور دمشق میں پہلے ہی موت اس کی منتظر اگر وہ بچ کر کہیں اور چلا گیا ہے تو یہ اس کی خوش نصیبی ہے۔ کاش یہاں آکر ایسی ہی پُر سکون زندگی بسر کرتا جیسی اس کے باپ نے دمشق میں بسر کی۔

عروب! عروب! اگر وہ زندہ ہے تو چوری چھپے وہ تم سے ملنے آئے گا۔ میں جانتا ہوں وہ مجھے بہت عزیز رکھتا ہے۔ اگر وہ تم سے ملنے آئے تو اسے کہنا فوراً یہاں سے کہیں چلا جائے۔ یہاں اس کے لیے خطرات کے سوا نہیں۔ گو قبیلے میں رہتے ہوئے اس نے ہر کام میری مرضی اور منشا کے خلاف کیا۔ پھر بھی میں اسے مرتے ہوئے نہ دیکھ سکوں گا اس لیے کہ وہ میرے بھائی کی دوا آخری نشانی ہے۔"

عمر بن کعب اور عروب اُداس ہو گئے تھے، عدنان بھی غمزدہ دکھائی دے رہا تھا۔ عروب نے اپنے ان آنسوؤں کو پونچھ لیا جو عامر کی بے بسی پر اس کی آنکھ میں اُمڈ آئے تھے اور وہ ہولے ہولے عدنان کی ٹانگیں دبائے لگی تھی۔

نقیب، سعد اور ولید اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے بنو زیان کے سالم بن عقبہ کے گھر داخل ہوئے۔ اس وقت سالم اور نائرہ دونوں باپ بیٹی سمیت بیٹھے ہوئے تھے۔ سالم اور نائرہ ان تینوں کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ سالم نے کہا "آواز میں پوچھا۔" تم عامر کو ساتھ نہیں لائے۔" نقیب نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "وہ ہمیں بلا ہی نہیں ہم دمشق کے مضامفات سے ہو کر آ رہے ہیں لیکن عامر ہمیں کہیں دکھائی نہ دیا۔ ایسا لگتا ہے اسے زمین نگل گئی ہو۔ ہم خود

کہ ہم اسے اپنے ساتھ نہ لاسکے، نہ جانے وہ کہاں اور کس طرف چلا گیا ہے۔ بہر حال مایوس نہیں ہیں۔ سہ پہر کے قریب میں اور سعد ایک بار پھر اسے تلاش کرنے نکلیں گے۔ ہو سکتا ہے احتیاط کے طور پر وہ کسی محفوظ جگہ جا چھپا ہو اور رات کی تاریکی ہمارے پاس آنے کی کوشش کرے۔ سیرک خیال میں وہ اس وجہ سے سیدھا ہمارے نہیں آیا کہ شاید اس کی وجہ سے دونوں قبیلوں میں جنگ نہ چھڑ جائے۔

پھر نقیب سعد کے ساتھ باہر نکلتا ہوا بولا۔ "رات کو اگر وہ آپ کے ہاں آئے تو ہمیں بلا لیں۔" نقیب اور سعد چلے گئے۔ ولید اپنے گھوڑے کو مطلب میں باندھنے جب کہ نائرہ اور سالم دونوں باپ بیٹی مل کر دوپہر کے کھانے کا انتظام کرنے لگے۔



سورج جب غروب ہو گیا تو عامر، ثعلب کی سر اُٹے سے نکلا۔ دریائے کی طرف آنے کے بجائے وہ اس شاہراہ پر چڑھ گیا جو حمص اور وہاں سے صحرانہ لوف جاتی تھی۔ چند میل اس شاہراہ پر شمال کی طرف جانے کے بعد عامر واپس ہاتھ لڑ گیا۔ اب وہ گننام اور بھولی بسری پگڈنڈیوں پر ہوتا ہوا بنو عیس اور زیان کے یان پڑنے والے کو بستانی سلسلے جبل بلال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اپنی بستی سے دور دور گزرتا ہوا عامر آگے نکل کر جبل بلال کی اس چوٹی پر چڑھنے لگا جس کے اوپر ہر روز مغرب کے بعد اس کا انتظار کیا کرتی تھی۔

عامر کا گھوڑا ہنہناتا ہوا جب پہاڑ کے اوپر چڑھا تو اس نے دیکھا وہ نانی چوٹی اُداس پڑی تھی اور وہاں نائرہ نہ تھی۔ عامر نے سوچا وہ کسی پتھر کے چھپ کر بیٹھی ہوگی اور جب وہ گھوڑے سے اترے گا تو وہ اچانک باہر نکل اس کی طرف بھاگے گی۔

عامر اپنے گھوڑے سے اتر کر آگے بڑھا۔ اس کا گھوڑا بھی اس کے ساتھ چلنے لگا تھا۔ اچانک عامر ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے فوراً گھوڑے کی

ہیں تمہارے جرائم کی سزا دیں۔ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم تم سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔ اگر تم نے ہم سے ٹکرا جانے کا ارادہ کیا تو ہم تمہاری گردن کاٹ کر ساتھ لے جائیں گے۔

عامر نے دانت پیستے ہوئے کہا "میں قبیلے کی اندھی روایات کا پابند نہیں ہوں۔ مجھے قتل کی دھمکی دے کر تم خود اپنے اندرونی خوف اور ہراس کو چھپانے کی دھمکی نہ کر رہے ہو۔ یہ میرا عہد ہے کہ میں تم سب کو کاٹ کر ہی جبل ہلال کی اس بٹی سے نیچے اتروں گا۔ یاد رکھو سالم بن عقبہ کی بیٹی نائرہ میری زندگی کا سرمایہ اور بیٹی تھی۔ اس کے لٹ جانے کے بعد میری زندگی میں کیا دل چسپی رہ گئی ہے۔ آگے بھوکے میں تمہیں بتاؤں، عامر بن نافع سے ٹکرا نا آسان نہیں ہے۔

شعبہ بن عجل نے پھر کیکپاتی آواز میں کہا۔ آخری فیصلہ کرنے کی سبیل اب اچھی طرح سوچ لو۔ ہم نہیں چاہتے ہمارے ہی ہاتھوں ہمارے قبیلے کے ران کا خون ہو۔ عامر نے صرف ایک نگاہ میں حالات کا جائزہ لیا۔ پھر شاید اس نے آخری فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ ایک لمبی جھٹ کے ساتھ وہ شعبہ بن عجل پر حملہ آور۔ اٹھا لیکن شعبہ بھی چوکس ہو گیا تھا اس نے عامر کا وار اپنی ڈھال پر روکا لیکن عامر دوسرا حربہ آزما چکا تھا اس نے اپنی ڈھال شعبہ بن عجل کے منہ پر دے ماری شعبہ تو اڑن بگڑ گیا۔ وہ لڑکھڑایا اور اسی لمحہ عامر کی تلوار بلند ہو کر گری اور شعبہ بن عجل کاٹ کر رکھ گئی تھی۔ شعبہ بن عجل کے قتل ہوتے ہی اس کے پانچوں ساتھی بھوکو بھول کی طرح عامر پر ٹوٹ پڑے تھے۔

عامر بار بار پتیرے بدل کر اپنا آپ بچانے کے علاوہ ان پر ہلک جملے مارنے لگا تھا۔ وہ پانچوں اس کوشش میں تھے کہ عامر کو اپنے درمیان گھیر کر اس کا نمہ کر دیا جائے لیکن عامر انہیں ایسا کوئی موقع نہ دے رہا تھا۔ اچانک عامر کی تلوار ان میں سے ایک پر گری۔ وہ ایک بھیانک چیخ کے ساتھ پتھر لی زمین پر گر گیا تھا اسے قریب ہی لڑنے والے جب گھبراہٹ میں اپنے مرنے والے ساتھی کی طرف

زمین سے اپنی ڈھال اتار لی اور ایک سخت غصیلے جھٹکے کے ساتھ اس نے اپنی ما بھی کھینچ لی تھی۔ اس کے سامنے پتھر لی زمین پر خون میں لت پت نائرہ کی لاش پڑی تھی۔

عامر لاش کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے نائرہ کا بازو تھاما جو ابھی گرم تھا تاہم نبض بند ہو چکی تھی اور نائرہ بچاری دم توڑ چکی تھی۔ عامر ابھی کسی نتیجے پر نہ پایا تھا کہ اچانک پتھروں کی اوٹ سے چھ علیسی جوان عقبہ لگاتے ہوئے نکلا عامر ایک دم کھڑا ہو گیا اور غور سے ان کی طرف دیکھا۔ ان سب کا تعلق اس۔ اپنے قبیلے سے تھا اور ان کا سر کردہ شعبہ بن عجل تھا جو اسود بن عقبہ کے زرتہ دا میں سے تھا۔

شعبہ بن عجل چند قدم آگے بڑھا اور پھر عامر کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔ "ہمیں امید تھی تم ضرور یہاں آؤ گے۔ یہ بات پہلے ہی ہمارے علم میں تھی تم سالم بن عقبہ کی لڑکی سے روزانہ مغرب کے بعد ملنے یہاں آتے ہو۔ ہم نے لیے تعرض نہ کیا تھا کہ شاید کبھی تم راہ راست پر آ جاؤ۔ اسود بن عقبہ اور اس بیٹوں کو قتل کر کے تم ساری حدیں بھلانگ گئے ہو۔ اب تمہارا قتل بنو عبس فرض ہو چکا ہے۔ قبل اس کے میں اور میرے ساتھی تمہاری طرف طرہیں تم کو کو اپنی مدد اور حمایت کے لیے پکارنا چاہتے ہو تو پکار لو تاکہ تمہیں یہ احساس کہ تم نہتے اور اکیلے ہو۔"

عامر کے چہرے پر خستہ اور درندگی برس گئی تھی اس نے قہر بساتی میں کہا۔ "اے عجل کے بیٹے! سالم بن عقبہ کی بیٹی کو قتل کر کے تم اور تمہارے ساتھی نے خود اپنی موت پر مہر لگا دی ہے۔ خدا کی قسم! تم اتنے جوان اور لے آؤ میں جبل ہلال کی اس چوٹی پر تم سب کو موت سے ہم کنار کر دوں گا۔"

شعبہ بن عجل چند قدم اور آگے بڑھا اور غصیلی آواز میں کہا۔ "ہمیں تم کے اکابر کی تاکید ہے کہ تمہیں زندہ پکڑ کر قبیلے میں لایا جائے تاکہ قبیلے کے اکابر

دیکھا تو عامر نے اس کی اس غفلت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اسے بھی ڈھیر کر دیا تھا۔ اب باقی تین عسی رہ گئے تھے اور وہ ایک دوسرے کو سولایہ انداز میں دیکھ رہے تھے۔ عامر نے ایک بار پھر حملہ آور ہونے میں پہل کی۔ رات کی خاموشی اور سنائے میں وہ پھر ان کی طرف بھاگا اور ان کے ایک اور ساتھی کو کم کرتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ اب مقابلے میں صرف دو عسی باقی رہ گئے تھے۔ عامر ان کے سامنے آیا اور ایک جگہ جم کر ان کا مقابلہ کرنے لگا تھا۔ وہ دونوں بے حد خوف زدہ اور ہراساں ہو رہے تھے۔ وہ بادلِ نوحہ مستند مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوئے تھے۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے بھاگنے کی صورت میں عامر نیشہ کی طرف سے انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔ اچانک عامر کی تلوار ان میں سے ایک کا شانہ زخمی کرتی ہوئی بھل گئی۔ خونریز وہ زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر گر کر عامر کی تلوار اس پر گری اور اسے ختم کر دی جا گئی تھی۔ اپنے ساتھی کو قتل ہوتے دیکھ کر آخری عسی بھاگ کھڑا ہوا۔ عامر نے اپنے خنجر نکالا اور تاک کر اسے مارا۔ خنجر نیشہ کی طرف سے اس کا دل چیرا ہوا نکل گیا۔ وہ گر کر ڈھیر ہو گیا۔

عامر آگے بڑھا اور اس کے جسم سے خنجر نکال کر جب وہ سیدھا کھڑا ہوا اسے محسوس ہوا کہ جبلِ ہلال کی اس چوٹی پر کئی لوگ چڑھ آئے ہوں۔ اس نے جب انہیں طرف دیکھا تو سالم بن عقبہ، نفیق، سعد اور ولید کے علاوہ کچھ اور زیانی جا بھی پہاڑ پر چڑھ آئے تھے اور نائرہ کی خون آلود لاش کے پاس آکھڑے ہوئے تھے۔ عامر ان کے قریب آیا۔ چند لمحوں تک نائرہ کی لاش کو وہ بڑی حسرت و ایرانی کے ساتھ دیکھتا رہا۔ پھر تپو درو لہجے میں اس نے سالم بن عقبہ کو مخاطب کے کہا۔ ”اے ابی نائرہ! تمہاری بیٹی کے قتل کا میں ذمہ دار ہوں۔ جو جی میں ہے دو۔ میں کوئی تعرض، کوئی شکوہ نہ کروں گا۔ کاش میں تھوڑی دیر قبل یہاں پہنچ گیا اور ان بھیڑیوں سے نائرہ کو بچا سکتا۔“

عامر نے اپنا خون آلود خنجر سالم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ یہ خنجر لو

ہے۔ سینے میں گھونپ دو کہ میں ہی وہ گنہگار ہوں جو نائرہ کی حفاظت نہ کر سکا۔ سالم بن عقبہ نے خنجر لے کر عامر کی کمر سے بندھی ہوئی میان میں ڈال دیا پھر ایک چوٹی پر بکھری ہوئی بنو عیس کے جوانوں کی لاشوں کو غور سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”عامر! عامر! میں نہیں جانتا تم نائرہ کو کب سے چاہتے ہو۔ تاہم تم اگر ابھی مجھے اس بات سے آگاہ کر دیتے تو شاید تم دونوں کو اس طیلے پر ملاقات کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ نائرہ روزانہ مغرب کے بعد گھر سے نکلتی تھی اور یہی سمجھتا رہا کہ وہ اپنی محبوبیوں کے پاس جاتی ہے۔ آج اگر وہ زندہ ہوتی تو خدا قسم! میں اسے تم سے بیاہ دیتا اور مجھے تم جیسے فرزند پر فخر ہوتا۔ کاش میں اپنی جھپٹکی رکھتا اور اپنی بیٹی کی حفاظت کا سامان کرتا۔ ہم تو تمہارے ہاتھوں میں لے عسی کی بیچ سُن کر یہاں آئے ہیں کاش۔“

سالم نے کسی قدر توقف کے بعد کہا۔ اب وقت گزر چکا ہے۔ میری بیٹی لٹ چکی ہے اور میرے پاس مایوسی کے سوا کچھ نہیں رہا۔ پھر سالم نے عامر طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اب تم ہی اس کی لاش کو اٹھاؤ۔ یہ تمہارے ہاتھوں میں اچھی لگتی ہے۔“

عامر نیچے جھک کر نائرہ کی لاش کو اس نے اٹھالیا۔ سب گردنیں جھک گئیں لہلال کی اس چوٹی سے نیچے اترنے لگے تھے۔

جب وہ بستی کے قبرستان کے اندر سے گزر رہے تھے، سالم نے کہا۔ ”عامر! لاش یہیں رکھ دو۔ میں نائرہ کی تکفین کر کے ہی بستی میں داخل ہوں گا۔ مجھ، اتنی ہمت نہیں کہ بیٹی کی لاش کو گھر لے جاؤں اور بستی کی عورتوں کے بین سونوں سان کا داویلا دیکھوں۔“ عامر نے نائرہ کی لاش کو گھاس پر رکھ دیا۔ اتنے میں سالم اپنے قریب کھڑے ایک جوان کو مخاطب کر کے کہا۔

”طلیحہ! طلیحہ! بستی میں جاؤ اور لوگوں سے کہو، سالم بن عقبہ کی بیٹی مر گئی ہے جس نے نازِ جنازہ ادا کرتی ہو وہ جنازہ گاہ میں آجائے۔“ وہ جوان حسبِ طلیحہ

کہہ کر پکارا گیا تھا بستی کی طرف چلا گیا تھا۔

یہ کہ موت اور تباہی میں جھونکتے ہو۔ میں تمہیں صرف —
اس نوادر کوڑک جانا پڑا۔ کیونکہ قبرستان کے چاروں طرف ٹاپوں کی تیز
ازی سنائی دیتی تھیں۔ طاہر المرزفانی کے آدمی پریشان اور ہراساں ہو گئے تھے۔ ابھی
ایسی نتیجے پر بھی نہ پہنچے تھے کہ ان گزشت سوار رات کی تاریکی میں قبرستان کے اندر
غل ہوئے اور طاہر المرزفانی کے آدمیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔

قبرستان کے اندر ایک بھگدڑ اور طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سالم اور
ن کے جوان ایک طرف بٹ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ طاہر المرزفانی کے کچھ آدمیوں
نے فرار حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن حملہ آوروں نے ایسی سختی کے ساتھ ان کا
میراؤ کیا کہ ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا اور نئے آنے والے سواروں نے ان
سب کو تہ تیغ کر دیا تھا۔

عامر، سالم بن عقبہ کے پہلو میں ابھی تک ششدر اور حیران کھڑا تھا۔ وہ
بھی تک یہ نہ جان سکا تھا کہ نئے حملہ آور کون ہیں اس لیے کہ وہ سب اپنے چہروں پر
قاب ڈالے ہوئے تھے۔ اچانک ایک سوار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ عامر کے پاس
کروہ لگا اور گھوڑے سے نیچے کود کر اس نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ وہ
شق کا سابق محتسب جمال الدین تھا۔ اس نے اپنے بازو پھیلا دیئے اور عامر بھاگ
لے بچوں کی طرح اس سے لپٹ گیا۔

جمال الدین نے عامر کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”میں معذرت خواہ
ہوں کہ مجھے یہاں پہنچنے میں کچھ تاخیر ہوئی ہے۔ عامر نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ ”آپ
نے اس قدر مسلح جوانوں کا انتظام کہاں سے کر لیا۔“

”جمال الدین نے مسکرا کر کہا۔ ”وشتق میں ایسے جوانوں کی کمی نہیں ہے جو ہمارے
ہی خواہ اور مخلص ہیں۔ ہمیں کسی مناسب وقت کا انتظار ہے اور عنقریب تم دیکھو گے ہم
طاہر المرزفانی پر بھی اسی طرح حملہ آور ہوں گے۔ جو نہی ہم بوری کو اس کے خلاف کوئی ٹھوس
ثبوت اس کی غداری کا بتا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہم اس کے خلاف بھی حرکت میں آتے

اچانک کچھ گھوڑے سوار قبرستان میں داخل ہوئے اور وہاں کھڑے رہ
کو انہوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ عامر نے دیکھا وہ سب طاہر المرزفانی کا
تھے۔ ان میں سے ایک پختہ عمر کا سوار اور نزدیک ہوا اور ان سب کو مخاطب
کہا۔ ”تم لوگوں میں بنو زیباں کا سردار کون ہے؟“

سالم بن عقبہ نے کہا۔ ”میں بنو زیباں کا سردار ہوں، میرا نام سالم
ہے۔“ اس نوادر نے کہا۔ ”تم عامر بن نافع کو ہمارے حوالے کر دو، ہم تمہارا
کے کسی بھی شخص سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔“ سالم نے سخت لہجے میں کہ
میں اس کی حفاظت کروں اور تمہارے حوالے نہ کروں پھر؛

”تو ہم عامر بن نافع کے ساتھ تمہیں بھی پکڑ کر دمشق لے جائیں۔“
سالم بن عقبہ نے چلا کر کہا۔ ”اپنے حواس میں رہ کر بات کرو۔ یا
میری صرف ایک پکار پر قبیلے کے ان گزشت جوان یہاں جمع ہو جائیں گے
ٹکڑوں میں کاٹ دیں گے۔ جاؤ یہاں سے چلے جاؤ، عامر بن نافع بنو زیباں کا
اور میرا قبیلہ اپنے مہمان کی حفاظت کرے گا۔“

اس نوادر نے غور سے سالم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم مہبول
جس قدر جوان میرے ساتھ ہیں اس سے کہیں زیادہ میرے جوان ابھی قبرستان
کھڑے ہیں۔ تمہارے ذہن میں کوئی غلط فہمی ہو تو نکال دو۔“ اس کے
اس نے قبرستان کے باہر کھڑے اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور وہ اپنے گ
دوڑاتے ہوئے اس کے پاس آ کر کھڑے ہوئے تھے۔ اس نوادر نے پھر
عقبہ سے پوچھا۔ ”اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟“

سالم نے غصے میں دانت پیستے ہوئے کہا ”تم مجھے اپنے
کی تعداد سے مرعوب نہیں کر سکتے۔ میرا اب بھی وہی فیصلہ ہے۔ میں
نافع کی حفاظت کروں گا۔ نوادر نے طنزاً کہا۔ ”کیوں اپنی ذات کو اور

دن سے نوزیبان کے بہت سے لوگ آگئے تھے۔ سب نے مل کر نائزہ کا جنازہ ادا کر لیا۔
 راتے دفن کیے وہ غمگین اور افسردہ دلوں کے ساتھ بستی کی طرف جا رہے تھے۔
 ابھی ان میں شامل تھا اس کی گردن جھکی ہوئی، پلکیں بھیگی ہوئی تھیں اور اس کا
 نسا اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔



ہوئے دیر نہ کریں گے۔ آج کل طاہر المرزغانی پر ہماری کڑی نظر ہے اور وہ دن دور نہ
 جب وہ دمشق کے اندر اپنی زندگی کے بدترین نوشتوں اور اپنی حیات کے کٹھن ترین
 ایام کا سامنا کر رہا ہوگا۔ عامر! عامر! میرے بیٹے! میں مطمئن ہوں کہ تم نے مقلا
 سے اپنے باپ کا انتقام لے لیا ہے۔ طاہر المرزغانی اب اور زیادہ سختی سے اور کھل
 تمہارے سامنے حرکت میں آئے گا۔ بہتر ہے تم کچھ عرصے کے لیے روپوش ہو جاؤ
 تمہارا اب اپنے قبیلے میں یا نوزیبان کے اندر رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ اگر تم
 کرو تو میں تمہیں سعود کے ساتھ مدینہ المنی روانہ کر دوں، وہاں میرے جاننے والے
 ہیں تم ان کے ہاں قیام کر سکتے ہو۔

عامر نے کپکپاتی آواز میں کہا۔ آپ کا فیصلہ درست ہے۔ میں آج رات
 یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ میری منزل عیسائیوں کے قلعہ حارم کی سرحد پر پڑنے والا
 بستی اسفیرہ ہوگی جہاں کا ایک تاجر نصر بن اسود میرا جاننے والا ہے اور وہ مجھے وہاں
 آنے کی دعوت بھی دے چکا ہے۔ جمال الدین نے عامر کو پھر اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے
 کہا۔ عامر! عامر! اپنے ذہن میں یہ خیال نہ رکھنا کہ تم نہتے اور تنہا ہو۔ خدا کی
 تم میرا سراپا ہو اور میں اپنی حدود سے باہر نکل کر بھی تمہاری مدد کر دوں گا۔

اس کے ساتھ ہی جمال الدین نے اپنے گھوڑے کی خرچین میں ہاتھ ڈالا
 نقدی کی ایک تھیلی عامر کو عطا کرتے ہوئے کہا۔ اسے اپنے پاس رکھ لو۔ غریب الوطنی
 اس دور میں یہ تمہارے کام آئے گی۔ اب مجھے اجازت دو۔ میں واپس لوٹتا ہوں۔
 فوری طور پر دمشق پہنچنا ضروری ہے۔ ورنہ کئی خدشات اور شبہات اٹھ کھڑے ہوں
 اتنی دیر تک جمال الدین کے جوانوں نے طاہر المرزغانی کے مرنے والے آؤں
 کو قبرستان کے اندر گڑھے کھود کر دفن کر دیا تھا۔ جمال الدین نے پھر عامر کو گلے لگا
 ہوئے کہا۔ میں اب جاتا ہوں۔ دمشق کے اندر حالات درست کرنے کے بعد میں
 اللہ بہت جلد تمہیں لینے خود اسفیرہ نام کی اس بستی میں آؤں گا۔

جمال الدین علیحدہ ہوا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوچ کر گیا اتنے میں

بھاگ رہے ہیں۔ اگر ایسی ہی حالت کچھ عرصہ اور رہی تو سرحد کی ساری بستیاں
بائیں اور طیطوس کو آپ سے آپ مسلمانوں کا ایک وسیع علاقہ ہاتھ لگ جائیگا۔
با اسد چاہتے ہیں آپ سرحدی مسلمانوں کا نجات دہندہ بن کر وہاں آئیں انہیں
اپنے آپ کی سرکردگی میں جب سرحدی بستیوں کے جنگجو جوان جمع ہوں گے تو وہ
استوں کا سد باب کر دیں گے جنہیں رو نہتا ہوا طیطوس مسلمانوں کو اپنی ترک تازہ
یا اور بربادی کا نشانہ بناتا ہے۔ کیا میں امید رکھوں آپ انکار نہیں کریں گے۔

عامر نے بڑی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ تمہاری آمد سے قبل ہی میں
بن اسد کے پاس جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ میں اس قابل تو نہیں تاہم قدرت
بڑے سرحدی مسلمانوں کی خدمت کا کام ہی لینا چاہتی ہے تو میں آخری دم
ان کا ساتھ دوں گا۔ اگر میں اپنے خون کے عوض بھی اپنی ملت اور قوم کی
ری کر سکا۔ تو یہ میرے لیے ایک سعادت سے کم نہ ہوگا۔ اگر تم تھکاوٹ محسوس
را کر رہے تو میں آج بھی اور اسی وقت تمہاری سہمی اسفیرہ کی طرف کوچ کرنے
لوم کر چکا ہوں۔

مونس کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کی لہریں بکھر گئیں اس نے اطمینان کا
ار کرتے ہوئے کہا۔ آپ میری تھکاوٹ کا خیال نہ کیجئے۔ خدا کی قسم! آپ جیسے
لار کے ساتھ میں اس کائنات کی آخری حدود تک برہنہ پاسفر کرنے کو تیار ہوں۔
عامر جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ دیوان خانے کے دروازے پر دستک دی
لے اٹھ کر جب دروازہ کھولا تو اس نے دیکھا وہاں عامر کا بھائی عدنان بن کعب
را تھا۔ اس نے اپنے آپ کو ایک بھاری آؤنی کبل میں چھپا رکھا تھا۔ سالم اسے
ان گیا اور دروازے کے دونوں پٹ کھولتے ہوئے اس نے کہا۔ اندر آ جاؤ۔
اس گھر کے لیے اجنبی نہیں ہو۔ بلکہ مندرہ ہو تمہارا بھائی یہیں ہے۔

عدنان اندر داخل ہوا۔ عامر اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور آگے بڑھ
اسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔ خیریت تو ہے۔ تم زخمی ہو، یہاں کس لیے آئے



نائرہ کی تجویز و تکفین کے بعد سالم بن عقبی، عامر، نقیب، سعد اور ولید
ساتھ اپنے دیوان خانے میں آیا۔ عامر نے دیکھا ان کے ساتھ ایک اور جوان میں دا
خانے میں داخل ہوا تھا جو اس کے لیے اجنبی تھا۔ عامر نے سوالیہ انداز میں سالم بن
کی طرف دیکھا۔ سالم شاید عامر کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ لہذا اس نے اس اجنبی نوجوان
طرف اشارہ کر کے کہا۔ اس کا نام مونس ہے اور یہ نصر بن اسد کی طرف سے آیا۔
سالم کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ مونس خود ہی بولا۔

”اگر میں نے آپ کو پہچاننے میں غلطی نہیں کی تو آپ عامر بن نافع بڑے
نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ تمہارا اندازہ راست ہے، بڑے
عامر بن نافع ہوں؟“

سب دیوان خانے کی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ مونس عامر کے پہلو میں
ہوا بولا۔ ”میرا نام مونس ہے۔ مجھے نصر بن اسد نے آپ کو لانے کے لیے بھیجا۔
وہ بیمار ہیں اور بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ قلعہ حارم کا عیسائی حکم
طیطوس جو ایک شہنشاہ و مقتصد انسان ہے اس نے سرحدی مسلمانوں کی جان
کو غیر محفوظ کر رہا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے مسلمان آبادیوں کو لوٹ لیتا ہے۔ یہ
مسلمان اس کے خوف اور دہشت سے اپنے گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر محفوظ علاقوں

مہر کیا قبیلے والوں نے میری وجہ سے تم لوگوں کو تنگ تو نہیں کیا۔ نقیب سعد اور مونس بھی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے تھے۔ عدنان نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ ایسے بات نہیں۔ قبیلے والے آپ سے اس قدر خوفزدہ ہیں کہ وہ آنکھ اٹھا کر بھی ہمارے دیکھنے کی جرات نہیں کرتے۔ میں آپ سے یہ کہنے آیا ہوں کہ تھوڑی دیر قبل دمشق طاہر المرزغانی کے کچھ سوار آئے تھے۔ پہلے وہ ہماری بستی میں آئے پھر آپ کو تلاش ہوئے باہر نکل گئے۔ وہ بڑی سرگرمی سے آپ کو تلاش کر رہے ہوں گے۔ مجھے بابا یہاں بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا ہے۔ عامر سے کہو یہاں سے بھاگ چلے ورنہ اس لیے ان گزرت خطرات اٹھ کھڑے ہوں گے۔ میرے ساتھ عروب بھی آئی ہے۔ میں جبل ہلال کے اندر ایک محفوظ جگہ کھڑا کر آیا ہوں، وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ عامر نے سالم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مجھے اب اجازت دیجیے میں مولہ ساتھ یہاں سے کوچ کرتا ہوں۔ بستی سے باہر نکل کر اپنی بہن عروب سے ملنے کے بعد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ سالم سے قبل ہی نقیب نے بولتے ہوئے کہا۔ اکیلے نہیں جائیں گے میں اور سعد بھی آپ کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ سالم بن عقبہ نے نقیب کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ہاں عامر! یہ دونوں تمہارے ساتھ جائیں گے۔ غریب الوطنی کے اس دور میں یہ دونوں تمہارے بھ اور مددگار ہوں گے۔ عامر نے عدنان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم بیٹھو، میں اپنا لے آؤں۔ نقیب نے سعد کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکلتے ہوئے عامر سے کہا۔ ہم دونوں مقوڑی دیر تک آتے ہیں۔ دیوان خانے سے نکل کر عامر حب صحی میں آیا تو سالم اولید اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ دونوں باپ بیٹا ایک کمرے میں گئے۔ تھوڑی بعد جب وہ لوٹے تو سالم کے ہاتھ میں نقدی کی ایک تھیلی تھی اور ولید نے ایک بستر پلیٹ کراٹھا رکھا تھا۔

دونوں باپ بیٹا عامر سے قریب آئے جو اصطبل میں اپنے گھوڑے پاس کھڑا اس کی گردن تھپتھپا رہا تھا۔ اتنے میں مونس بھی دیوان خانے سے نکل

وہ بھی اصطبل میں اپنے گھوڑے کے پاس اکھڑا ہوا تھا۔ قریب آکر سالم نے بی کی تھیلی زین سے لٹکتی ہوئی غریب میں ڈالتے ہوئے عامر سے کہا۔ بیٹے! جس حد کے تحت تم نصر بن اسد کے پاس جا رہے ہو۔ وہاں جوانوں کو متحد کرنے اور بن تربت دینے اور مسلح کرنے کے لیے یہ نقدی تمہارے کام آئے گی۔ عامر خوش رہا۔ ولید نے بستر اس کی زین سے باندھ دیا۔ اس کے بعد ولید نے اصطبل اندر سے دانے اور چارے کے دو تو برے بھرے اور انہیں عامر اور مونس گھوڑوں سے باندھ دیا تھا۔

سالم عامر کے قریب آیا اور عامر کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔ وہاں جا میں بھول نہ جانا اور جب حالات درست ہوں ضرور ہماری طرف آنا۔ گوناوہ سے محبت کرتی ہوئی ماری گئی ہے۔ اور میرے پاس کچھ نہیں رہا جو اس کوچ کے وقت میں تمہاری بھولی میں ڈال سکتا۔ کاش وہ زندہ ہوتی اور اس کوچ کے تائیں اسے تم سے بیاہ کر تمہارے ساتھ روانہ کر دیتا۔ لیکن میرے پاس اب آہ ال کے سوا کچھ نہیں رہا۔ تم نائزہ کے محسن ہو۔ وہ تم سے محبت کرتی رہی ہے اس سے تم میری بیٹی کی نشانی ہو۔ خدا کی قسم میں بڑی بے چینی سے تمہاری واپسی کا ارکڑوں گا۔

باہر گلی میں ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ سالم نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ شاید با اور عامر آگئے ہیں۔ عامر اور مونس دونوں نے اپنے گھوڑے کھول لیے۔ سالم ولید کے ساتھ وہ باہر آئے۔ گلی میں دیوان خانے کے بیرونی دروازے سامنے اور نقیب کھڑے تھے۔ وہ اپنا پورا جنگی لباس پہنے ہوئے تھے اور اپنے گھوڑوں نیوں سے انہوں نے بستر بھی باندھ رکھے تھے۔ عامر نے عدنان کو آواز دی اور فریاد کر کے باہر آگیا۔

عامر نے پہلے ہی زہرہ پہن رکھی تھی۔ زین سے لٹکتا ہوا خود اتار کر اس نے رکھا اور سالم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں آپ کو اللہ حافظ کہتا ہوں۔ حالات

عروب کی آواز بالکل ہی ڈوب گئی تھی۔ یہ آپ کو لینا ہوگی انہی! ایک بہن بھائی کو جدا کرتے وقت اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکی۔ یہ میری بدبختی ہے کہ بھائی بدترین حالات میں یہاں سے کوچ کر رہا ہے۔ کاش میں — عروب سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کی آواز ڈوب کر ختم ہو گئی اور وہ عامر سے لپٹ چھوٹ چھوٹ کر رونے لگی تھی۔ قریب کھڑا عدنان بھی رو رہا تھا اور عامر کے دعووب کے سر پر گر رہے تھے عروب کی ہچکیاں اور سسکیاں وہاں تک ئی دے رہی تھیں جہاں نقیب، سعد اور مونس کھڑے تھے۔ فضاؤں میں چند یں تک بے کراں خاموشی میں عروب کی سسکیاں ابھرتی رہیں۔ پھر عامر نے اسے مددہ کرتے ہوئے کہا۔ اب تم عدنان کے ساتھ گھر جاؤ، عروب! میں اکیلا نہیں ہوں رہے ساتھ میرے تین ساتھی بھی ہیں۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہیں۔

عدنان نے آگے بڑھ کر وہ سامان زمین سے باندھ دیا جو وہ دونوں بہن اٹا لائے تھے۔ پھر عامر گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔ عروب عدنان ایک پتھر پر کھڑے ہو کر انہیں دیکھنے لگے۔ جب وہ ان کی نظروں سے جھل ہو گئے تو وہ دونوں بہن بھائی غم اور دکھ میں ڈوبے اور اپنی گردنیں جھکائے ت کے پڑھول سناٹے میں اپنی بستی کی طرف جا رہے تھے۔



عدنان اور عروب سے ملنے کے بعد عامر اور اس کے تینوں ساتھی مغرب کے رخ پر آگے بڑھتے ہوئے اس شاہراہ پر چڑھ گئے جو بصرہ کی طرف سے آکر معرقہ انعمان، اس الشمرہ اور الراہ شہروں کی طرف چلی گئی تھی۔ شمال مغرب کے رخ پر سفر کرتے ہوئے وہ دریائے عاصی کے کنارے زحلہ شہر میں داخل ہوئے۔ یہ دریا انطاکیہ کی طرف سے آتا ہے اور زحلہ شہر کے جنوب میں ایک طویل بل کھا کر بحیرہ روم کی طرف چلا گیا ہے۔ زحلہ شہر میں انہوں نے تھوڑی دیر ایک سرائے میں قیام کر کے کھانا کھایا۔

اگر سازگار ہوئے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے میں سعادت سمجھوں گا عامر نے پہلے اپنے گھوڑے پر عدنان کو بٹھایا۔ پھر اس کے علاوہ نقیب اور مونس نے بھی سالم اور ولید سے مصافحہ کیا اور وہ وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔ عدنان راہنمائی میں وہ اس جگہ آئے جہاں وہ عروب کو بٹھا گیا تھا۔ نقیب، سعد اور مونس دور ہی کھڑے ہو گئے جب کہ عامر اور عدنان آگے بڑھے، ایک جگہ وہ دوا گھوڑے سے اتر گئے۔ اتنے میں ایک پتھر کے پیچھے سے عروب نکلی اور انہی پکارتی وہ بھاگ کر عامر سے لپٹ گئی تھی۔

جبل ہلال کے اس حصے میں چند لمحوں تک خاموشی رہی پھر عروب نے ہوتے ہوئے پوچھا۔ ”انہی! کیا آپ یہاں سے کوچ کر رہے ہیں؟“ عروب کی آواز دینے والی تھی۔ عامر نے بھی آواز لہجے میں کہا۔ ”ہاں عروب! میں یہاں سے کر رہا ہوں۔ میری منزل شمال مغرب کی ایک سرحدی بستی اسفیرہ ہے۔ عروب آنکھوں میں آنسو اُمڈائے جنہیں اس نے پوچھتے ہوئے کہا۔ ”انہی! احتیاط۔ یہاں سے نکلنے گا۔ طاہر المرزغانی کے کئی سوار آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ عام اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ تم فکر مند نہ ہو۔ ہم ان سے پہلے ہی نمٹ چکے ہیں وہ سب اس دنیا میں نہیں ہیں۔

عروب عامر کے سامنے کھڑی رہی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے اتنی دیر میں عدنان اسی پتھر کے پیچھے سے جہاں عروب چھپی بیٹھی تھی دوڑے بڑھتے ہوئے اپنی روتی اور سسکتی آواز میں کہا۔ ”انہی! ان دشمنوں میں سے ایک شہد اور دوسرے میں انار کارس ہے۔ پھر عروب نے ایک گھٹری کھول کر اس میں شکر ملیے ہوئے ستو تھے۔ راستے میں یہ آپ کے کام آئیں گے۔ اب نے آخری گھٹری کھول کر دکھائی۔ وہ سنہری سیکوں سے بھری ہوئی تھی۔ عامر کہا۔ اسے رہنے دو عروب میرے پاس نقدی ہے۔“

بنے ہوئے تھے۔ بستی سے باہر ایک کھلا میدان تھا۔ جس کے اندر کچھ سوراگھوڑ سواری
بیزہ بازی کی مشق کر رہے تھے۔ عامر بستی اور اس کے ماحول کو شوق اور دلچسپی
دیکھ رہا تھا۔

ایک حویلی کے سامنے مولس رُک گیا اور دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی
بعد دروازے کے پیچھے سے نسوانی آواز سنائی دی، کون ہے؟ مولس نے سکرلتے
نہ کہا۔ میں مولس ہوں دروازہ کھولو۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور دروازہ
لے والی جو بھی تھی وہ دروازے کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ مولس نہیں
بر حویلی کے پختہ اور وسیع محیط میں آیا۔ یہاں سب نے اپنے گھوڑوں سے ریش
یں اور ان کے منہ سے دہانے نکال کر خوراک کے توبے چڑھا دیے تھے۔ پھر
انہیں لے کر حویلی کے ایک کمرے میں داخل ہوا جس کے اندر نصر بن اسد
سہری پر رضائی اوڑھے لیٹا ہوا تھا۔ بیماری نے اسے کافی کمزور اور لاغر کر دیا
۔ نصر بن اسد نے انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ
اوریٹھے ہی لیٹے کراہ کر رہ گیا۔ عامر نقیب اور سعد نے آگے بڑھ کر باری باری
اسے مصافحہ کیا اور نصر بن اسد کے سامنے ایک نشست پر بیٹھ گئے۔

نصر بن اسد چند لمحوں تک بیٹھی بیٹھی اور پُر شوق نگاہوں سے عامر کو دیکھتا
پھر اس نے نحیف سی آواز میں کہا۔ ”عامر! عامر! مجھے تمہارا ہی انتظار تھا بیٹے!
میں سے قبل میں ہر روز بستی سے باہر پہاڑ کی ایک چوٹی پر کھڑا ہو کر صبح و شام تمہاری
دیکھا کرتا تھا مجھے امید تھی تم میری زندگی میں ہی یہاں پہنچ کر وادی جبلہ کے مسلمانوں
لے عامر کے عیسائی حاکم طیطوس کے مظالم اور تباہی کے خلاف ایک نئی آگ اور
دلالت بنو گے۔ اب میں مریجی گیا تو مجھے مجھے سکون ہوگا کہ تمہارے آنے سے اس
ی کے مسلمان تمہاری سالاری اور سرکردگی میں ایک درخشاں اور روشن صبح کا آغاز
پا لیں گے۔ اب مجھے اپنی موت اتنی بھیانک اور وحشت ناک محسوس نہ ہوگی کہ مجھے
بنی ہوگا طیطوس کے مقابلے کے لیے ساری سہرادی بستیاں اپنی منتشر اور پراگندہ

اور اپنے گھوڑوں کے چارے کا انتظام بھی کیا۔ زحلہ سے نکل کر اب شاہراہ وریا
کنارے کنارے شمال کی طرف جا رہی تھی۔ وہ شمال کی طرف بڑھتے رہے یہاں
کہ وہ محض شہر میں داخل ہوئے، ایک رات انہوں نے یہاں بسر کی۔ یہاں وہ دو
عبور کر کے بائیں کنارے پر آئے اور دوبارہ وریا کے کنارے کنارے شمال کی طرف
بڑھنے لگے تھے۔

محض سے نکل کر وہ طرطوس شہر میں آئے۔ یہاں آکر دریائے عاصی
شام میں مشرق کی طرف ایک لمبا چکر کاٹتا ہے اور پھر شمال مغرب کی طرف جھکا
ہے۔ طرطوس سے راس الشمر آئے، یہاں انہوں نے اپنا رخ بدلا۔ راس الشمر
باہر ایک بڑا چوک تھا جہاں دو شاہراہیں اکٹریتی تھیں۔ ایک شاہراہ تو وہ
جنوب میں بصرہ کی طرف سے آتی تھی اور شمال میں الرماشہ کی طرف چلی گئی
دوسری شاہراہ جو شترقاغزبا تھی۔ اس کا مغربی حصہ راس الشمر
ہوتا ہوا وادی جبلہ سے گزر کر جبلہ اور لاذقیہ شہروں کی طرف چلا گیا تھا جب کہ
کی طرف یہی شاہراہ دریائے عاصی کو پار کر کے حماہ اور حلب شہروں کی طرف
گئی تھی۔ مولس کی راہنمائی میں عامر، نقیب اور سعد اس شاہراہ پر چڑھ گئے
جو جبلہ اور لاذقیہ شہروں کی طرف جاتی تھی۔

مغرب کی طرف سفر کرتے ہوئے اب وہ کوہستان جبلہ کے اندر تنگ را
میں ہو کر گزر رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ وادی جبلہ میں داخل ہوئے۔ وادی میں
تک نگاہ کام کوئی تھی ہرے ہرے کھیت دکھائی دے رہے تھے۔ فصلوں کی جا
بتاتی تھی کہ یہ سرزمین زراعت کے لیے نہایت موزوں ہے وادی کے اندر
بستیوں کے پاس سے گزرنے کے بعد ایک روز شام سے تھوڑی دیر قبل
انہیں لے کر اپنی بستی اسفیرہ میں داخل ہوا۔

یہ بستی ایک چھوٹے شہر جیسی تھی۔ بستی کا ایک لمبا اور وسیع بازار تھا
ضروت کی ہر چیز بیسٹری بستی کے زیادہ تر مکان پختہ تھے اور مرنج و سیاہ پتہ

قوت کو جمع کر لیں گی جس نیک مقصد کے لیے میں نے تمہیں یہاں آنے کی زحمت دے ہے خدا کرے تم اس میں کامیاب اور کامران ہو۔

عامر کی بھاتی تن گئی اور ایک عزم کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا: رب جو بڑا شفیع و شکور، جلیل و جبار اور رافع و رازق ہے وہ اس نیک امر میں براہنمائی اور مدد کرے گا۔ میں سب سے پہلے یہاں کے جوانوں کو جنگی تربیت دوں گا۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے طیطوس کے مظالم کا شکار سی جوان کُن کے لڑا اور جوانانِ جنود بن کر اپنے رب کے کرم لاتنا ہی کی بدولت طیطوس کے زنجیر و ر کی روایات اس کے طوق و سلاسل جیسی امیدوں اور اس کے مرگ و حیات کے سا کھیلوں کو ناکام بنا دیں گے۔ ہم اس کے ساتھ ایک ایسی اور نئی جنگ کا آغاز کر گئے کہ اسے ہماری قوت، ہماری بصیرت اور جنگی مہارت کا احساس ہوگا۔ اگر وہ ترکناز سے باز آ گیا تو یہ ہمارے لیے ہی نہیں اس کے لیے بھی ایک نیک فال کے مشابہ ہوگا۔ اگر وہ پھر بھی باز نہ آیا تو ہم اس کے نفع حرام کی فسیلوں تک اس کا تعلق کریں گے اور اس کی حدود کا کوئی حصہ بھی ہماری یلغار اور معرکوں سے خالی نہ رہے گا۔ آپ مطمئن رہیے ہم طیطوس کو اس سے زیادہ خطرناک صورت اختیار نہ کرنے آ نصربن اسد کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اطمینان کا لمبا سانس لیتے ہوئے اس نے کہا: مجھے تم جیسے صحرائی سے یہی امید تھی۔ کاش میں کچھ عرصہ تمہارا ساتھ دے سکتا۔ عامر نے نصربن اسد کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا:

”آپ جان ہار نہ بنئے۔ میرا رب آپ کو صحت دے گا۔“ نصربن اسد دھک سے کہا: مجھے اپنی زندگی کی اب کوئی امید نہیں۔ دیکھو بیٹے! میری اولاد صرف ایک بیٹی ہی ہے۔ اس کا نام اسماء ہے۔ یہ مونس میرا بھتیجا اور میری بیٹی اسماء کا شوہر بھی ہے۔ یہ دونوں تم تینوں کو ایک بھائی اور بہن کا پیار دیں گے۔“

پھر نصربن اسد نے مونس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”مونس! مونس! انہیں یہ احساس نہ ہونے دینا کہ یہ یہاں اجنبی ہیں۔ مونس نے فراخ دلی کا مظاہرہ کر

دے کہا۔ آپ کوئی غم نہ کیجئے میں ان کے ہر حکم کی پابندی فرض جان کر کروں گا۔ نصربن اسد مسکرانے لگا۔ چند ثانیوں تک وہ خاموش رہا پھر وہ زور زور سے ہارنے لگا۔ اسماء! اسماء!

تھوڑی ہی دیر بعد ایک جوان سال لڑکی ہرن کی طرح بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور نصربن اسد سے پوچھا: مجھے آواز دی بابا! نصربن اسد نے مار طرف دیکھتے ہوئے کہا: بیٹے! یہ میری بیٹی اسماء ہے۔ چند روز ہی ہو اس شادی مونس سے ہوئی ہے۔ پھر نصربن اسد نے اسماء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اسماء! میری بیٹی! یہ وہی عامر بن نافع ہے جس کا میں اکثر تمہارے سامنے ذکر کیا کرتا تھا اور دوسرے دونوں اس کے دوست نقیب اور سعد ہیں۔ تمہارا بی بھائی نہ تھا، اب یہ تینوں تمہارے بھائی ہیں۔ اب تم جلدی جلدی ان کے بے کھانا تیار کر دو۔ اسماء کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے ایک میٹھی نگاہ میں ان پر ڈالی اور باہر نکل گئی۔

نصربن اسد نے اب مونس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: مونس! مونس! میرے بیٹے! عامر اور اس کے ساتھیوں کو حویلی کا وہ حصہ دکھا دو جو ان کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ بس اٹھا اور ان تینوں کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

سعد نے خود نصربن اسد کا علاج شروع کر دیا تھا لیکن نصربن اسد سست ہو سکا اور ان کی آمد کے تیسرے روز وہ اس فانی کائنات سے کوچ کر لیا۔ عامر، نقیب اور سعد کے ساتھ کئی روز تک وادیِ جبلہ کے محل وقوع کا جائزہ لیتا رہا۔ عرصہ مونس کے ساتھ وادی کی ہر بستی میں گئے اور لوگوں کو طیطوس کے خلاف متحد ہونے کی ترغیب دی۔

وادیِ جبلہ کی ہر بستی کے لوگوں نے ان کا پرہوش خیر مقدم کیا۔ سب پہلے وادی کی ساری آبادی سے ایک کثیر رقم جمع کی گئی اور کوہستانِ جبلہ کا وہ حصہ جو مغرب کے پاس سے گزرتا تھا اس کے پہلو میں رضا کارانہ طور پر ایک فوجی مستقر کی تعمیر

وادی جبلہ کے سب مسلمانوں نے متفقہ طور پر عامر کو اپنا سالار مقرر کر لیا تھا۔ اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے عامر دن رات کام میں مصروف تھا تاکہ وہ لوگوں کے سامنے سرحدی مسلمانوں کو ایک قوت بنا کر کھڑا کر سکے۔

ایک روز وادی کے ایک حصے کا چکر لگانے کے بعد عامر ایک بلند پہاڑ پر اُپر اُکھڑا ہوا۔ نقیب، سعد اور مونس اس کے ساتھ تھے۔ عامر اپنے ٹھکانے پر اترا اور بڑے غور سے جوئے جبلہ کو دیکھنے لگا جو بل کھاتی ہوئی مغرب سے مشرق کی طرف جا رہی تھی اور اس کا پانی پتھروں سے ٹکراتا تھا۔ ایک ٹنگی کے ساتھ بہہ تھا۔ مونس نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔

”اے امیر! آپ کیا سوچ رہے ہیں۔“ عامر نے چونک کر کہا، ”میں یہ سوچ رہا ہوں، اس ندی پر لکڑی کے دوپل ہیں۔ ایک یہ جو ہمارے سامنے نظر آ رہی ہے اور دوسرا دس میل نیچے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ نیچے والے پل کو آگ لگوں۔“ مونس نے سوالیہ نشان بن کر پوچھا۔ ”کیا اس میں کوئی مصلحت ہے۔“ ”ہاں مصلحت ہے۔ شمال کی طرف سے جو بھی حملہ آور ہو اسے پل میں سے ایک پر سے ضرور گزرن پڑتا ہے۔ ہماری وادی میں داخل ہونے کے صرف دو راستے ہیں۔ ایک مغرب میں اور دوسرا مشرق میں۔ اگر ہم والے پل کو گرا دیں تو وادی کا مشرقی حصہ محفوظ ہو جائے گا کیونکہ جو بھی حملہ آور آگاس پل پر سے آئے گا اور وہ ہماری نگاہ میں ہوگا۔“

عامر نے ذرا رک کر کہا۔ ”آج ہم نے دو کام کرنے ہیں ایک تو مشرقی پل کو تباہ کر دینا۔ دوسرا کام جو میں نے سوچا ہے وہ زیادہ ضروری اور جنگی نکتہ رکھتا ہے۔ قلعہ حارم کی طرف سے آنے والا راستہ جو اس سامنے والے پل پر گزرتا ہے۔ وادی جبلہ میں داخل ہونے سے قبل تین میل تک جنگ درے کی صورت میں آگے بڑھتا ہے۔ میں نے اس راستے کو غور سے دیکھا ہے اس میں زیادہ سے زیادہ چار گھوڑے پہلو بہ پہلو دوڑ سکتے ہیں اس

شروع کر دی گئی۔ یہ ایک رضا کارانہ کام تھا جس میں ہر بستی کے مرد و عورتوں نے کیا۔ چند ہی مہینوں میں پہاڑ کے دامن میں ایک وسیع فوجی مستقر کی عمارتیں کھڑی گئیں۔ اس کے بعد رضا کاروں کی باقاعدہ بھرتی ہوئی اور مستقر کے سامنے کھلی پر کے اندر ان کی جنگی تربیت شروع ہو گئی تھی۔

وادی جبلہ چاروں طرف سے بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ اور یہ سب پہاڑ کو مہتان جبلہ ہی کا سلسلہ تھے۔ وادی میں داخل ہونے کے لیے صرف دو راستے تھے۔ ایک مشرق کی طرف جو اس اٹھارہ کی طرف سے آتا تھا۔ شمال کی طرف جو قلعہ حارم اور معرۃ النعمان کی طرف سے آتا تھا۔ جنوب اور مغرب کی طرف پہاڑوں کے اندر وادی میں داخل ہونے کے لیے کوئی دروازہ نہ تھا۔

شمال کی طرف سے آنے والے راستے کے درمیان ایک ندی پڑتی تھی۔ نام بھی کو مہتان جبلہ کی نسبت سے جوئے جبلہ تھا اور یہ ندی قلعہ حارم اور مسلمانوں کی وادی جبلہ کے درمیان ایک سرحد کا کام دیتی تھی۔ ندی پر دو چوبلی پل ایک اسفیرہ کی بستی کے عین سامنے اور دوسرا پل دس میل نیچے تھا۔ ندی میں سال پانی رہتا تھا اور یہ کو مہتان سلسلے کے اندر سانپ کے سے پل کھاتی ہوئی میں دریا کے عاصی سے جا ملتی تھی۔

تین ماہ کی لگاتار محنت کے بعد مستقر میں خوب رونق ہو گئی تھی۔ وہاں تین ہزار تربیت یافتہ جوان تھے اور کچھ ابھی تک زیر تربیت تھے۔ اگر علاوہ نئے جوانوں کی آمد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ وادی جبلہ کی ساری مسلمان آبادی مستقر کے اندر مستقل رہنے والے مجاہدوں کے لیے غلہ اور روغن کے ڈھیر لگا رکھے تھے اور رسد و خوراک کے اس ذخیرہ کے لیے کئی گودام بھی تعمیر کر دیے گئے تھے۔ سعد نے کچھ مناسب جوانوں کا چناؤ کر کے انہیں مرہم بٹی کی تربیت شروع کر دی تھی۔ اس کے علاوہ مستقر میں چند بھٹیاں بھی لگا دی گئی تھیں، صنایع جنگی سامان تیار کرنے لگے تھے۔

۱۲۵
 بن سوجانوں کو مسلح کر کے لاؤ۔“

مونس نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: ”یا امیر! پانچ سو کے مقابلے میں صرف سو، جب کہ ہمارے پاس اب ہزاروں تربیت یافتہ جوان ہیں۔“ عامر نے نیچے میں کہا: ”میں انہیں سبق دلوں گا کہ ہم آدھی قوت میں بھی انہیں عبرتناک دے سکتے ہیں۔“

نقیب گھوڑے پر سوار ہو کر مستقر کی طرف چلا گیا۔ عامر نے مونس کی طرف تے ہوئے کہا: ”حاویہ کی یہ بستی کس طرف ہے۔ مونس نے کہا یہ پندرہ میل نیچے قی کی طرف ہے۔ اس وادی جیلہ سے باہر مسلمانوں کی ان گنت بستیاں ہیں۔“
 ن طیطوس اپنی ترک تاز کا نشانہ بنا آتا ہے۔ اس کے علاوہ طیطوس کے اپنے علاقے ہی مسلمانوں کی کافی بستیاں ہیں۔“

عامر نے ایک مضبوط عزم کے ساتھ کہا: ”ہم ان سب بستیوں کی ظلت کریں گے۔“ آنے والے اجنبی نے کہا: ”یہاں سے پندرہ بیس میل نیچے ندی تھوڑی دیر کے لیے سوار زمین سے گزرتی ہے اور یہاں اسے پل کے ذریعہ پار کیا جاسکتا ہے۔ طیطوس کے آدمی وہیں سے ندی پار کر کے حملہ آور نہ ہیں۔ اگر ہم وقت ضائع نہ کریں تو ہم انہیں پکڑ سکتے ہیں کہ وہ اپنے حارم جانے کے لیے شمال مغرب کے رخ پر سفر کریں گے اور ہم سامنے پل کو پار کر کے ایک مختصر کاوا کاٹنے کے بعد ان کی راہ روک سکتے ہیں۔“ عامر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: ”تم اطمینان رکھو ہم انہیں بھاگنے نہ دیں گے۔“
 فرار کر کے اجنبی نے پھر کہا: ”انہوں نے ابھی کوئی زیادہ فاصلہ طے نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ ندی کو اس جگہ سے پار کریں گے جہاں یہ میدانی علاقے میں رہے اور پانی کی گہرائی کم ہو جاتی ہے۔ وہاں سے اپنے شہر حارم کی طرف کے لیے انہیں کوہستانوں کے اندر ایک طویل چکر کاٹ کر پھر اسی شاہراہ پڑھنا ہے۔ جو آپ کے سامنے سے راس اشمرہ کی طرف سے آتی ہوئی شمال

تین میل کے تنگ درے کے دونوں طرف پہاڑوں کے اوپر جگہ جگہ پتھر ڈھیر لگا دیے جائیں۔ اگر کوئی ہم پر حملہ آور ہو تو اس درے سے گزرتے اس پر پتھروں کی بارش کر کے ہم اسے ایک نئی ابتلا اور مصیبت میں ڈالیں۔“ نقیب نے پُر تحسین نگاہوں سے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”اے امیر! میں آپ کی جنگی مہارت کا قائل ہوتا ہوں، یہ اپنے کرم لا متنا ہی کے طفیل آپ کو دوست باغبان بن کر وادی جیلہ کی آب کی توفیق عطا فرمائے۔“

مونس بھی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ انہوں نے دیکھا ایک سوار اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتا ہوا آ رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہی وہ چاروں پہاڑ سے نیچے اتر آئے جو ان کے قریب آکر گھوڑے سے کودا اور اپنی سانس پر قابو پاتے ہوئے بدحواسی سے پوچھا: ”آپ میں سے عامر بن نافع کون ہے؟“ عامر نے اس پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: ”میں عامر بن نافع ہوں تم گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟“ سے کسی نے زیادتی کی ہے یا تم ہمارے لیے کوئی بُری خبر لے کر آئے ہو؟“ اس اجنبی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا: ”میں ایک بدترین خبر لایا طیطوس کے پانچ سو آدمیوں نے مسلمانوں کی بستی حاویہ پر حملہ کیا۔ انہوں نے کے ایک ایک گھر کو لوٹا۔ جو جوان لڑنے کے قابل تھے انہیں قتل کر دیا گیا جو ان لڑکیوں کو وہ اٹھا کر لے گئے ہیں۔ ان میں بستی کے سردار کی بیٹی امیمہ بھی ہے۔ ان ظالموں نے بستی کے بوڑھے سردار عمیر کو بھی قتل کر دیا ہے۔ میں بھی کارہنہ والا ہوں۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا ہوں۔ ہم نے سن رکھا یہاں کوئی عامر بن نافع آئے ہیں جو سرحدی مسلمانوں کی حفاظت کا انتظام کرتے ہیں پہلے آپ کے مستقر میں گیا تھا۔ وہاں سے مجھے خبر ہوئی کہ آپ اس طرف عامر کا ہاتھ غصے میں بے ساختہ اپنی تلوار کے دستے پر چلا گیا تھا نے نقیب کی طرف دیکھتے ہوئے زہر ملی آواز میں کہا: ”نقیب! نقیب! فدا“

نہ اس اشمرہ سے آرہی تھی وہاں میرے ننھیال ہیں۔ راستے میں ان لوگوں
لاقات ہو گئی۔ انہوں نے مجھے اس ارادے سے اپنے ساتھ لے لیا کہ وہ مجھے
ماطت میں انطاکیہ چھوڑ کر آئیں گے۔

عامر نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ تو کیا تم اس اشمرہ سے اکیلی سفر
آ رہی ہو۔ لڑکی نے اس بار اپنی آنکھوں کی پوری سحرکاری سے عامر کی طرف
ہوئے کہا۔ میرے ساتھ میرے دو محافظ اور ایک سائیس تھا۔ عامر نے تعجب
پوچھا وہ کدھر گئے۔ لڑکی نے پھر شوخ آواز میں کہا۔ اگر تم انہیں قتل نہ کرو تو
ایک ہی اشارے پر وہ یہاں آ جائیں گے۔

عامر نے مسکرا کر کہا۔ میں ان تینوں کو جان کی امان دیتا ہوں۔ لڑکی نے
کے نچلے حصے کی طرف منہ کر کے کہا۔ تم تینوں باہر آ جاؤ، تمہیں کوئی کچھ نہ کہے گا
کے دیکھتے ہی دیکھتے تین مسلح جوان بھیجے گئے نچلے حصے سے باہر نکل آئے۔ لڑکی نے
کہا۔ جنگ کے دوران اپنی جان کی حفاظت کے پیش نظر یہ تینوں بھیجے گئے اس
نے میں چھپ گئے تھے۔

عامر نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ اب تم اپنی منزل کی طرف روانہ ہو سکتی ہو
میں سے کوئی بھی تم سے تعرض نہ کرے گا۔ عامر کے ان الفاظ سے راشیل کے
رے پر کنوار پنے کی پوری تازگی بھر گئی تھی۔ اس کا حسن آسودگی پاکر کچھ اس طرح
ب اٹھا تھا جیسے بھرکتے شعلے پہنچ و تاب کھا کر اٹھتے ہوں۔ وہ جذبات اور
نیوں کے ایسے حسین طوفانوں میں کھو گئی تھی جیسے رات کے شروع حصے کا کنوار
را چھوٹا خواب۔ عامر جب پیچھے ہٹنے لگا تو راشیل نے پوچھا۔ ایسا لگتا ہے۔ تم
ناحملہ آوروں کے سالار ہو۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں تمہارے اور مرنے والوں کے
درمیان کیا دشمنی تھی۔

عامر نے غصیلی آواز میں کہا۔ میرے اور ان کے درمیان ایسی ہی دشمنی تھی
یسے ریور کے گڈریے اور بھڑیے کے درمیان، جیسے زہراور زہراور کے درمیان

پیچھے اس کا لشکر تھا اور سامنے ابھی کے قریب مسلمان لڑکیاں بے کسی اور
چازگی کی حالت میں کھڑی تھیں۔ عامر آگے بڑھ کر پہلے ابھی کے قریب آیا۔
نے جب ابھی کے گروے ہوئے پردوں میں سے ایک کو ہٹا کر دیکھا تو دیگر
گیا۔ ابھی کے اندر ایک حسین ترین لڑکی تھی جو ذرق لباس پہنے ہوئے
چہرے پر اس نے سفید جالی کا نقاب ڈال رکھا تھا جس میں سے اس کا منہ
اور حسین چہرہ یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے حلقہ شب میں بعل بدخشاں۔
خوب صورت اور دلکش تھی جیسے کینائی کی لذت، جیسے خاموشی کا سحر جیسے
کی تڑپ اور جذبات کا ہیجان، عمر میں وہ لڑکی کی آخری سرحد اور جوانی کی
سیر طرھی پر تھی۔

عامر کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ خوفزدہ سی ہو گئی تھی اور اس کے
پر سرسوں کے پھولوں کی سی پیلاہٹ پھیل گئی تھی۔ تاہم وہ عامر کو دیکھ
تھی کیونکہ اس نے اپنے چہرے پر خود کا نقاب گرا دیا تھا۔ عامر نے اس نو
کے گلے میں لٹکتی ہوئی سونے کی صلیب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ تم کو
کہاں سے آئی ہو اور مرنے والوں سے تمہارا کیا تعلق ہے۔ لڑکی خوف سے
رہی تھی لہذا وہ کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔ عامر نے اس کی ڈھارس بندھا
کہا۔ تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔ ہم سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

لڑکی سنبھل گئی پھر اس نے اپنی دلکش، پُر امرا اور خواب انگیز
میں کہا۔ میرا نام راشیل ہے اور میں انطاکیہ کے ایک رئیس کی بیٹی ہوں۔
جب خاموش ہو گئی تو عامر نے پھر پوچھا۔ لیکن ان مرنے والوں سے تمہارا کیا
اس بار لڑکی نے اپنے بھرے بھرے جسم کو ایک بل دیا۔ اپنی چمکیلی آنکھیں
پھر فہم ہوں کے جلتے رنگ جیسی امراور رموز سے بھر پور آواز میں اس نے
یہ تمہارے ہاتھوں مرنے والے قلعہ حارم کے حاکم طیطوس کے آدمی ہیں طب
کا چھوٹا بھائی یورا کہ میرا منگیتا ہے۔ مرنے والے یہ سب مجھے جانتے تھے۔

عامر خاموش ہوا تو ریشیل نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔ عامر واپس مڑتا ہوا بولا۔ نامور
 کیا رکھا ہے۔ میں گناہم رہنا ہی پسند کرتا ہوں۔ اب تم جاؤ اپنی منزل کھوٹی نہ کر
 کاش ہم اس حالت میں ہوتے کہ بحفاظت تمہیں تمہارے گھر تک پہنچا سکتے۔ ریشیل
 کے سائیں نے بھی کچھ گھوڑوں کو ہانک دیا تھا۔ ریشیل نے بھی کاپر وہ گرا دیا
 عامر پیچھے ہٹ کر نقیب کے پاس کھڑا ہو گیا تھا۔

عامر اب اس طرف آیا جہاں چروں پر لدے ہوئے سامان کے پام
 مسلمان لڑکیاں کھڑی تھیں جنہیں طیطوس کے آدمی اٹھا کر لائے تھے۔ عامر نے انہیں
 مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ میں جانتا ہوں اس وقت تمہارے کیا جذبات ہو
 میں تم سب سے وعدہ کرتا ہوں آئندہ ہم ہر مقام پر طیطوس کے آدمیوں کے
 بستیوں کا دفاع کرتے رہیں گے۔ عامر کا پھر نقیب کی طرف دیکھتے ہوئے اُ
 نے کہا۔

نقیب! نقیب! لشکر کے کچھ گھوڑوں کو خالی کر کے باقی گھوڑ
 پر دو دو جوان بٹھا دو۔ خالی گھوڑوں پر یہ لڑکیاں سوار ہوں گی۔ ہم انہیں
 کے گھروں تک چھوڑ کر آئیں گے۔ نقیب کے اشارے پر ان کی آن میں لشکر
 نے چند گھوڑوں کو خالی کر دیا۔ لڑکیوں کو ان پر سوار کیا گیا اور سامان سے ل
 چروں کو ہانک کر عامر حاویہ نام کی اس بستی کی طرف روانہ ہو گیا جسے طیطوس
 آدمیوں نے لوٹا تھا۔

عامر جب جبلہ ندی پار کر کے اس بستی کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ
 کے لوگ ان مرنے والوں کو دفن کر کے آرہے تھے جو طیطوس کے آدمیوں سے ج
 کرتے ہوئے مارے گئے تھے۔ عامر اور اس کے لشکر کو دیکھ کر سب لوگ رک
 تھے۔ وہ جوان جو عامر کے پاس مدد کی درخواست لے کر گیا تھا وہ لشکر سے بچل کر
 کے لوگوں میں آیا اور انہیں مخاطب کر کے کہا۔

سنو! سنو! میری بستی والو! میں اپنی بستی کی لڑکیوں کو اور وہ سا

۱۵۰

۱۵۱

۱۵۲

۱۵۳

اور آرزوؤں کے جبری جوان کی خوش کن آواز ہمارے لیے بشارت کے لمحات آئے گی۔ عامر نے آہستہ آہستہ اپنی گردن اُپر اٹھائی اور کمال رقت میں اس میں ایک کم مایہ وجہ گہرا انسان ہوں۔ میرے رب نے اگر مجھ کوئی ایسا کام لیا جس کی آپ نے مجھ سے توقع کی ہے تو میں اپنے خون کے صدقہ بھی اسے فرض سمجھ کر پورا کر دوں گا۔

اس بوڑھے بزرگ نے پھر دعائیہ انداز میں کہا۔ خدا تجھے جزیہ بوزرا بلالی، نگافر دینوازی اور شان حجازی عطا فرمائے۔ میں اور میرے کئی ساتھی بستی بستی اور قریہ قریہ گھوم جائیں گے۔ ہم تمہارے لیے جنگجو مسلمان جوانوں کو پر کے تمہاری قوت میں اضافہ کریں گے۔ میرا نام ابو الفرح ہے۔ میں اور میرے کئی دن رات تمہارے لیے کام کریں گے۔

عامر نے ابو الفرح کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے بزرگ یہ آپ کی لڑکیاں اور نچروں پر لدا سامان ہے۔ جس جس کا قتنا سامان ہو اسے دے دیں اب اجازت دیں میں جاتا ہوں۔

عامر جب اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے موڑنے لگا تو ان لڑکیوں سے جنہیں وہ دشمن سے چھڑا کر لایا تھا ایک لڑکی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آہ بڑھی، وہ بلا کی حسین اور اس کی جوانی ابھی نوخیز تھی۔ عامر کے سامنے آکر اسے شکر کے امیر! میں اس بستی کے مرنے والے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا نام ہے۔ اس بستی میں میرا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار نہیں جس کے پاس میں رہ سکوں میرے بارے میں کیا فیصلہ کر کے جارہے ہیں۔

عامر کی گردن جھک گئی تھی۔ بوڑھا ابو الفرح سوچوں میں کھو گیا تھا۔ میں مونٹس کی آواز ابھری اس نے امیمہ کو مخاطب کر کے کہا۔

اے بہن! تو ہمارے ساتھ چلے گی۔ میری کوئی بہن نہیں۔ آج سے اُمیری بہن ہے۔ تو میرے ساتھ چل، میری بیوی مجھے دیکھ کر خوش ہوگی، وال

بے سکون زندگی بسر کر سکے گی۔ امیمہ چپ چاپ ان کے ساتھ ہولی اور عامر کی سربراہی بن شکر واپس کوچ کر گیا تھا۔

شکر جب واپس مستقر میں آیا تو مونٹس نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یا میرا آپ میرے ساتھ گھر چلیے۔ اس لیے کہ — عامر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ میرا مستقر میں جوانوں کے اندر رہنا ضروری ہے۔ میں شکر کا امیر ہوتے ہوئے شکر کے ساتھ رہتا ہی اچھا لگتا ہوں۔ تم امیمہ کو لے کر گھر چلے جاؤ۔

قریب کھڑے سعد نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ اور نقیب بے لک گھر چلے جائیں میں شکر کو سنبھال لوں گا۔ عامر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ نہیں ان اپنے کسی لشکر کی ذہن میں یہ بات نہیں لانا چاہتا کہ میں انہیں مستقر میں چھوڑ رہا ہوں۔ عامر نے زندگی بسر کرتا ہوں۔ تم جاؤ مونٹس! امیمہ کو لے کر گھر چلے جاؤ۔ اس امیمہ کو لے کر چلا گیا اور مستقر میں مقیم لشکر کی اپنے اپنے کمروں سے نکل کر امر اور اس کے ساتھ جنگ میں حصہ لینے والے لشکر کا استقبال کرنے لگے تھے۔

تھوڑی دیر بعد مونٹس اپنے گھر کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ دروازہ جب کھلا تو سامنے مونٹس کی بیوی اسماء کھڑی تھی۔ مونٹس اور امیمہ جب اندر داخل ہوئے اور اسماء نے دروازہ دوبارہ بند کر لیا تو مونٹس نے گھوڑے سے اتر کر اسماء سے وہ سب احوال کہہ دیئے جن کے تحت امیمہ وہاں آئی تھی۔ اسماء نے لے بڑھ کر امیمہ کو گھوڑے سے اتارا اور اسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔ آج اُمیری بھی بہن ہے۔ اسماء امیمہ کو لپٹائے حویلی کے اندر لے گئی۔ مونٹس وژو ٹڈوں کو اصطبل کی طرف لے جا رہا تھا۔



بنے آتی تھی۔ مونس نے حویلی کا ایک حصہ ان تینوں کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

عامر کے پاس اب پانچ ہزار مسلح اور تربیت یافتہ جوان تھے۔ اس کے علاوہ
 دل کی ایک بڑی تعداد زیر تربیت تھی۔ وادی کے اندر دور دور تک جہازیں
 بڑی ہوتی تھیں، انہیں نچروں کی مدد سے جوت کر آباد کیا گیا تھا۔ پہاڑوں کے
 تین بڑے بڑے حوض چونکہ بلندی پر تھے لہذا میدان کی فصلوں کو ان حوضوں کے پانی
 بام تھا۔ یہ حوض چونکہ بلندی پر تھے لہذا میدان کی فصلوں کو ان حوضوں کے پانی
 بڑی آسانی کے ساتھ سیراب کیا جاسکتا تھا۔ لشکر کے لیے خوراک اب ان ہی
 دل سے پیدا ہونے لگی تھی۔ اس کے علاوہ امن کی حالت میں پورا لشکر مصروف
 رہتا تھا اور کسی غلط موضوع پر سوچنے کے لیے ان کے پاس کوئی وقت نہ تھا۔
 قریبی پہاڑوں کے اوپر گڑھے کھود کر اور ان گڑھوں میں کھاؤ بھرنے
 کے واسطے چھل دار پودے لگا دیئے گئے تھے۔ عامر اپنے لشکر کو ہر ضرورت کے
 لیے خود انحصاری کی طرف لے جانا چاہتا تھا اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب
 ہو گیا تھا۔ لشکر کے لیے بھیڑ، بکریوں اور گھوڑوں کا ایک بہت بڑا ریوڑ
 تھا اور کچھ جوان اس ریوڑ کی دیکھ بھال پر مقرر تھے۔ اس کے علاوہ عامر
 نے جوانوں کو طیطوس کی جاسوسی پر بھی مقرر کر دیا تھا۔

ایک روز درے کی منجھنقوں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے بعد عامر
 متفرق طرف جا رہا تھا۔ نقیب، سعد اور مونس بھی اس کے ساتھ تھے۔
 ان میں سے چھر پر سوار ایک بوڑھی عورت آئی اور ہاتھ کے اشارے
 میں رکنے کو کہا۔ عامر نے اپنے گھوڑے کی بائیں کھنچ کر اسے روک دیا۔
 سعد اور مونس بھی رُک گئے۔ وہ اس بوڑھی کا انتظار کرنے لگے جس نے
 انہیں روکا تھا اور اس کی سیاہ رنگ کی خچر کافی سست رو تھی۔

جب وہ بوڑھی قریب آئی تو عامر نے اسے مخاطب کر کے پوچھا: اے
 کیا تو نے ہمیں ہاتھ دے کر روکا ہے؟ بوڑھی نے آہ آمیز سانس لیتے ہوئے



دن بھٹے اور ماہ گزرتے رہے۔ صبح طلوع ہوتی رہی شام غروب ہوتی
 رہی۔ ستارے مسکراتے رہے۔ خرواں روتی رہی۔ عامر کی قوت میں اب دل بدل
 ہوتا جا رہا تھا۔ مستقر میں لشکر کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر کچھ نئی عمارتیں کھڑی
 کر دی گئی تھیں۔ کوہستانوں کے اندر تین میل وہ لمبا درہ جس کے اندر سے گزرتا
 حارم کی طرف سے آنے والی شاہراہ وادی جبلہ میں داخل ہوتی تھی۔ اس درے کے
 دونوں جانب پہاڑوں کے اوپر منجھنقیں نصب کر دی گئی تھیں۔ جن کے قریب چھ
 کے ڈھیر لگا دیئے گئے تھے۔ ان منجھنقوں کے ساتھ پتھروں کے کمرے تعمیر کر دیئے
 تھے۔ جہاں لشکر کا ایک حصہ قیام کر کے ہر وقت اس شاہراہ پر نگاہ رکھتا تھا جو طیلو
 کے قلعہ حارم کی طرف سے آتی تھی۔ ندی کا پچھلا پل عامر نے گرا دینے کا ارادہ
 ملتوی کر دیا تھا اس لیے کہ ذرا اور نیچے جبلہ ندی ایک کھلے اور ہموار میدان میں
 ہو کر گزرتی تھی۔ جہاں اس کا پاٹ چوڑا ہو گیا تھا اور پانی کی گہرائی کم ہو جانے کے
 سے اسے وہاں سے آسانی عبور کیا جاسکتا تھا۔

عامر، نقیب اور سعد اکثر لشکر کے اندر ہی رہتے تھے تاہم مونس کبھی
 انہیں مجبور کر کے اپنی حویلی میں بھی لے جاتا تھا۔ مونس انہیں اپنے بھائیوں کی طرح
 چاہنے لگا تھا اور اس سماع کا پیارا ان سے ایک بہن جیسا تھا۔ امیمہ بہت کم ان

عامر نے بڑی ہمدردی سے کہا - "اے خاتون! ہم بھی تو تمہارے بیٹے
ہم ہمارے پاس رہو ہم تمہاری خدمت ایک ماں جان کر کریں گے۔ ماریہ نے شکر
بڑے میں کہا - میرا رب تیری عمر دلا کرے۔ جس بستی سے ہجرت کر کے میں آئی ہوں اس
لے سردار سے بھی میں نے کسی بار اپنی بیٹی کی بازیابی کی اتماس کی لیکن اس نے اپنی محبوبی
انکار کر دیا اور تمہاری طرف آنے کا مشورہ دیا۔ اب بولو مجھے کیا کرنا چاہیے اور تم
یری بیٹی کو واپس لانے میں کہاں تک میری مدد کر سکتے ہو۔

عامر چند ثانیوں کچھ سوچتا رہا پھر اس نے بڑھی ماریہ سے پوچھا - اے خاتون!
کون ہے جو تمہاری بیٹی کو زبردستی اٹھا کر لے گیا ماریہ نے اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو
نچتے ہوئے کہا - اس کا نام سبور ہے۔ وہ انطاکیہ کا ایک ناٹ اور شاہی تیغ
لان ہے۔ انطاکیہ کے حکمران ریمند کی نگاہوں میں اس کی بڑی عزت اور وقار ہے
انطاکیہ شہر کے وسط میں ایک کھلا میدان ہے جسے موت کا میدان کہتے ہیں۔ یہاں
میدان میں ہر اتوار کو ریمند کی موجودگی میں تلوار زنی کے مقابلے ہوتے ہیں۔ ان
بابول میں سبور ہمیشہ جیتتا ہے اور اسے وہاں سے بھاری انعامات ملتے ہیں۔
عامر نے پوچھا اور تمہاری بیٹی کا کیا نام ہے۔ ماریہ نے اپنے آنکھوں سے
آنسو پونچھتے ہوئے کہا - اس کا نام بیامہ ہے اور وہ دہلی پتی اور
قد کی ایک خوبصورت لڑکی ہے۔

عامر نے ماریہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا - آج سے تم ہماری ماں ہو اور ہمارے
تھر ہوگی۔ میں عنقریب انطاکیہ جاؤں گا اور تمہاری بیٹی کو وہاں سے نکال کر ضرور تم
ملاؤں گا۔ انطاکیہ تو یہ رہا۔ سبور تمہاری بیٹی کو لے کر سمندر کی پاتاں میں بھی اتار
اے تو میں اسے ضرور تلاش کر کے رہوں گا۔ عامر نے رک کر کچھ سوچا پھر مونس
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مونس! مونس! تم ماں کو گھر لے جاؤ۔ میں اور نقیب آج رات کسی بھی
انطاکیہ رواد ہو جائیں گے۔ میں اس کام کو بہت جلد مٹا لینا چاہتا ہوں۔ پھر

کہا۔ ہاں تمہیں ہی روکا ہے۔ میں اس علاقے میں اجنبی ہوں۔ میری رہنمائی کر
اس عامر بن نافع سے ملنا چاہتی ہوں جس نے سرحدی مسلمانوں کو متحد کیا ہے۔ عامر
"میں ہی عامر بن نافع ہوں۔ آپ کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔
وہ معمر خاتون چند لمحوں تک بڑے غور اور انہماک سے عامر کو دیکھتے
پھر اس نے اپنی لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ تمہاری یہاں آمد سے مسلمانوں کو
بلا ہے۔ خدا تمہیں اور توفیق دے کہ تم طیطوس کے ہاتھوں مسلمانوں کی حفاظت
سکو۔ میں تمہارے پاس ایک فریاد لے کر آئی ہوں۔ عامر نے کمال عاجزی
مسکنت میں پوچھا کیسی نالش؟ کس کے خلاف فریاد لائی ہیں آپ؟
اس خاتون نے کہا - سنو! میری کہانی سنو! میرا نام ماریہ ہے۔ یہ
بیٹے اور بیٹی کے ساتھ طیطوس کی عملداری میں رہتی تھی۔ ایک مسلمان مبلغ کے
میں میرا بیٹا اور بیٹی مسلمان ہو گئے، ہمارے ساتھ ہماری بستی کے اور کئی لوگوں
بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ سب نو مسلم ابھی یہی سوچ رہے تھے کہ کسی ایسی بستی
ہجرت کر جائیں جس کے اندر مسلمانوں کی اکثریت ہو۔

ہم سفر کی تیاری کر رہے تھے اور ابھی کوچ میں چند یوم باقی تھے
قبیلے کا ایک جوان جو انطاکیہ میں رہتا ہے واپس بستی میں لوٹا۔ اسے جب خبر
کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے تو سخت برہم اور مشتعل ہوا غضب کی حال
اس نے میرے جوان بیٹے کو قتل کر دیا اور میری بیٹی کو اٹھا کر انطاکیہ لے
چاہتی ہوں میری بیٹی مجھے دلائی جائے۔ وہ میری واحد نشانی ہے۔ اس
میں جی نہ سکوں گی۔ میں دوسرے نو مسلموں کے ساتھ اپنی بستی سے ہجرت
جبلہ ندی کے اس پار ایک ایسی بستی میں آ رہی ہوں جس میں سب مسلمان
گوشتی کے سب مسلمان میرا خیال رکھتے ہیں۔ پھر بھی میں محسوس کرتی ہوں
پاس کوئی ایسا فرد ہو جو میرا اپنا ہو اور اس دنیا میں سوائے میری بیٹی کے
میرا رشتہ دار نہیں ہے۔

عامر نے ماری سے کہا۔

”اے ماں! ہمارے پاس ایک ایسی لڑکی بھی ہے جس کا اس دنیا میں نہیں۔ اس کا نام امیہ ہے۔ وہ ایک باہمت اور خوش اخلاق لڑکی ہے۔ مجھے اُسے وہ آپ کو ایک ماں جان کر آپ کی خدمت کرے گی۔ موشن ماریہ کو لے کر آپ کی طرف چلا گیا جب کہ عامر، نقیب اور سعد مستقر کی طرف جا رہے تھے۔“



رات کسی آشیانہ گم کردہ طائر کی طرح ملول و خاموش اور کسی بوسیدہ مینار کا خاموش و تنہا سحر کے ساگر میں ڈوب جانے کو بھاگی جا رہی تھی۔ چاروں طرف ہوا کا غبار پھیلا ہوا تھا۔ شب کے اس دام بلاخیز اور حلقہ فترک میں دو سوار غول و سرا آندھی و طوفان کی طرح اُسے جا رہے تھے۔ ان کا رخ وادی بجلہ سے انطاکیہ کی طرف تھا۔ وہ عامر اور نقیب تھے اور بوڑھی خاتون کی بیٹی یمامہ کو لانے کی مہم پر ہوئے تھے۔ ستارے افلاک کے دربان بن کر جاگ رہے تھے جھینگر کسی شد حدی خواں کی طرح ترانہ وحدت گا رہے تھے۔ سردی اور تیز ہواؤں کی مار کے لیے بے آشیانی و بے سہارا پرندے اپنی چونچیں پروں میں دبائے بڑی سے صبح کا انتظار کر رہے تھے۔ کائنات کی ہر چیز اس انتظار میں تھی کہ کوئی بولہ دھڑکے اور کوئی بھڑکے کہ شب کا پُرا سرا رکوت ختم ہو جائے۔

جس وقت رات اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی، شفق کی جوئے خوں مٹی اور گھروں سے چٹکیوں کی گھر گھول سنائی دینے لگی تھی۔ عامر اور نقیب کی عمل داری سے نکل کر عیسائیوں کے ایک دوسرے قلعہ نما شہر معرۃ النعمان سے گزر رہے تھے۔ شہر میں داخل ہو کر رکنے کے بجائے وہ باہر ہی باہر گئے اور جب سورج طلوع ہوا تو اس کی پہلی کرنوں نے دیکھا کہ عامر اور عیسائی تیغ زنوں کے لباس میں گلے میں صلیبیں ڈالے اپنے گھوڑوں کو شمال بھگا رہے تھے۔

سہ پہر کے قریب عامر اور نقیب انطاکیہ میں داخل ہوئے۔ دونوں اس شہر میں اجنبی تھے۔ لہذا تھوڑی دیر تک وہ شہر کے اندر گھومتے رہے۔ آخر کار وہ ایک ایسی سرائے کے سامنے آئے کہ جو شہر کے بڑے بازار کے عقب میں ایک پُر سکون محل میں تھی۔ دونوں نے کوئی فیصلہ کیا پھر وہ سرائے میں داخل ہو گئے۔ وہ سیدھا صطبل کی طرف آئے اور ابھی وہ اپنے گھوڑوں کو وہاں باندھ رہے تھے کہ ایک بوڑھا تیز تر زدم اُٹھاتا ہوا ان کے پاس آیا اور خوفزدہ سے لہجے میں پوچھا۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ میں اس سرائے کا مالک ہوں اور میرا نام ایورنیس ہے۔

عامر نے اسے چونکا دینے کی خاطر پہلے اپنے گلے میں لشکتی صلیب کی طرف دیکھا پھر بوڑھے ایورنیس کو گھورنے لگا۔ وہ شاید عامر کے اس طرح دیکھنے کی تاب نہ لاسکا تھا۔ لہذا فوراً بول پڑا۔ میں یہودی ہوں۔ عامر نے اس بار بڑی نرمی سے کہا ہم دونوں اس شہر میں اجنبی اور مسافر ہیں، ہم رات بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں ایک کمرے کی ضرورت ہے۔ ایورنیس نے سکون کا ایک لمبا سانس لیتے ہوئے کہا میں سمجھا تھا آپ وہ ہیں اسی لیے میں خوفزدہ ہو گیا تھا۔

عامر نے پریشان لہجے میں پوچھا۔ وہ سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ ایورنیس نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ تم دونوں میرے ساتھ آؤ تاکہ میں تمہارے کھانے اور آرام کا بندوبست کروں۔ سورج اب غروب ہو رہا تھا۔ فضاؤں میں تاریکی اپنے حال بننے لگی تھی۔ عامر اور نقیب ایورنیس کے ساتھ ہوئے۔ عامر نے پھر کہا۔ ہمارے گھوڑے تھکے ہوئے ہیں۔ انہیں چارے کی سخت ضرورت ہے اس لیے کہ۔

ایورنیس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اندیشہ نہ کرو میں ابھی کسی ملازم کو بھیج کر ان کے چارے کا انتظام کرتا ہوں۔ ایورنیس انہیں لے کر سرائے کے اندر آیا۔ وہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس میں بکڑی کے بھدے میز رکھے ہوئے تھے اور اس بڑے کمرے کے تین اطراف میں مسافروں کی رہائش کے لیے چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔

جب کہ چوتھی طرف مطبخ تھا جس کے اندر ایورنیس کی جوان سال لڑکی اور اس کی بڑی مسافروں کے لیے کھانا تیار کرنے میں مصروف تھیں۔ بڑے کمرے کے ایک کونے میں لکڑی کے بنے ہوئے شراب کے کافی ڈھول رکھے ہوئے تھے۔

اندر آکر ایورنیس نے اپنے ایک ملازم سے عامر اور نقیب کے گھوڑوں کے چارے کا انتظام کرنے کو کہا اور خود وہ ان دونوں کو ان کا کمرہ دکھانے لگا۔ وہ فارغ ہو کر عامر اور نقیب پھر مطبخ میں آئے۔ پہلے انہوں نے گھوڑوں کی زینوں بندھے ہوئے اپنے بستر آڑے۔ پھر انہوں نے زمینیں کھول کر ایک طرف رکھ دیں اتنی دیر تک اس ملازم نے گھوڑوں کے آگے دانہ اور چارہ ملا کر ڈال دیا تھا۔ عامر اور نقیب اپنے بستر اٹھا کر اپنے کمرے میں آئے اور سن کی کبھی ہوئی چارپائیوں پر اپنے بستر لگا دیئے تھے۔

دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے تھے کہ ایورنیس اندر آیا اور عامر کی طرف ہوئے کہا۔ آؤ کھانا کھا لو۔ تم دونوں تھکے ہوئے ہو۔ کھانا کھا کر آرام کرو۔ آج سرائے میں تمہارے علاوہ صرف چند مسافر ہی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہ کہیں باہر ہوئے ہیں۔ شاید دیر سے لوٹیں۔ پچھلے چند روز سے سرد و برفانی ہوائیں چل رہی ہیں اس لیے سرائے میں مسافروں کی تعداد بھی کم ہو گئی ہے۔ عامر اور نقیب باہر آکر پرہیزگار ہوئے۔ ایورنیس نے اپنی بیٹی سے کھانے کو ان کے سامنے رکھ دیا اور خاموشی سے کھانے لگے۔

تھوڑی ہی دیر بعد جب کہ عامر اور نقیب ابھی کھانا کھا رہے تھے میں چھ دیو قامت اور نرمند جوان داخل ہوئے۔ ان کے سخت کھڑے چہرہ و زخموں کے نشانات تھے۔ یوں لگتا تھا انہوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ جنگوں میں گزارا ہو۔ انہیں دیکھتے ہی ایورنیس کا رنگ فق ہو گیا تھا اور وہ ہوا کر کانپنے لگا تھا۔ مطبخ میں کام کرتی ہوئی ایورنیس کی بیوی اور اس کی بیٹی پریشان اور غموں لگ رہی تھیں۔

سرائے میں آتے ہی وہ عامر اور نقیب کے قریب میزوں پر بیٹھ گئے، اور ان سے مختلف کھانوں کی فرمائش کرنے لگے۔ ایورنیس جب ان کی خواہشات کی بن سے قاصر رہا تو ایک دوسرے کو اشارے کرتے ہوئے وہ اٹھے اور کمرے میں بے ہوئے شراب کے چوبی مشکوں سے شراب پینے لگے۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اب کے وہ شیکے ان کے ڈھکن کھول کر اٹھنے شروع کر دیئے اور شراب سرائے کے کمرے میں گندے اور فالتو پانی کی طرح بہنے لگی تھی۔

عامر اور نقیب کھانا کھانے میں مصروف رہے۔ تاہم وہ دونوں انہیں نشان کن اور حیرت زدہ نگاہوں سے ضرور دیکھتے جا رہے تھے۔ ایورنیس اس کی بیٹی اور بیٹی بڑی بے چارگی اور تاسف کے ساتھ اپنا نقصان ہوتا دیکھ رہے تھے۔ اچھی طرح شراب پینے اور سارے شیکے اٹھنے کے بعد وہ ایورنیس کے پاس آئے اور ان میں سے ایک نے مطبخ میں کام کرتی ہوئی ایورنیس کی بیٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے ایورنیس سے پوچھا۔ یہ لڑکی کون ہے؟ ایورنیس نے لکپکپاتی آواز میں کہا۔ میری بیٹی ہے۔

اس نے ہلکا اور دبا دبا تہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ خوب حسین ہے اس بے پہلے کبھی اس پر ہماری نگاہ کیوں نہ پڑی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ مطبخ کی طرف بھٹے لگا تھا۔ ایورنیس بڑی طرح کانپ رہا تھا اور اپنی بیٹی کی حفاظت کے لیے وہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا تھا۔ مطبخ میں آکر اس جوان نے ایورنیس کی بیٹی کا نازک بازو پکڑ لیا اور اسے باہر کھینچتے ہوئے کہا۔ میرے ساتھ آؤ۔

لڑکی شور کرنے لگی۔ ایورنیس نے اس کی سماجیت کرتے ہوئے کہا۔ بڑی بیٹی کو چھوڑ دو۔ میرا کوئی بیٹا نہیں۔ یہی میرا سہارا ہے، اسے چھوڑ دو۔ ل جوان نے ایورنیس کے منہ پر غصے میں بھر پور طمانچہ دے مارا اور وہ لڑکھڑاکر بر گیا۔ وہ لڑکی کو کھینچ کر پھر باہر لے لگا۔ ایورنیس بچا رہا تھا کہ پھر اٹھا اور اس کے پیچھے لگ گیا۔

نزدیک آکر حملہ آور ہوتے عامر اور نقیب نے خود آگے بڑھ کر ان پر حملہ کر دیا۔
 پہلے ہی جھپٹے میں انہوں نے ان میں سے دو کے پیٹ اپنے سخت کتوں سے
 صول کی طرح بجا ڈالے تھے۔ ان کے ساتھی بھی ان پر ٹوٹ پڑے اور یوں یورنیں
 سرائے میں کتوں کا ایک طوفان سا چل نکلا تھا۔

جلد ہی عامر اور نقیب ان پر غالب آتے دکھائی دینے لگے۔ کیونکہ ان کے
 تے بڑھنے اور حملہ آور ہونے کے عمل میں وہ جوش اور جذبہ نہ رہا تھا جو شروع میں
 تھا۔ اس کے علاوہ تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود وہ عامر اور نقیب کے ہاتھوں
 ی طرح پٹے بھی تھے۔ اتنی دیر تک ان کا وہ ساتھی بھی کھڑا ہو گیا تھا جس نے
 یورنیں کی بیٹی کو بے آبرو کرنا چاہا تھا اور جسے ان دونوں نے مار مار کر ادھم مارا
 یا تھا۔ تاہم وہ اس قابل نہ تھا کہ اپنے ساتھیوں کی کوئی مدد کر سکے۔ عامر اور
 نقیب نے ایک دوسرے کو اشارہ کرتے ہوئے اپنے حملوں اور ہچاڑوں میں اور
 بڑی پیدا کر لی تھی۔ جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور وہ سب لڑائی سے منہ موڑ کر سرائے
 سے باہر بھاگ گئے تھے۔

عامر اور نقیب اپنے کپڑے درست کرنے لگے تھے۔ ایورنیں آہستہ
 آہستہ آگے بڑھا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک پریشانی اور فکر کے تاثرات تھے
 قریب آکر اس نے احسان مندانہ لہجے میں کہا۔ میں تم دونوں کا مشکور ہوں۔ تم
 نے ان وحشیوں سے میری بیٹی کی عزت بچائی ہے۔ اگر تم اس وقت سرائے میں
 نہ ہوتے تو شاید اب تک میں تباہ و دیوان ہو چکا ہوتا۔

عامر نے اپنے سر پر اپنا خود درست کرتے ہوئے کہا۔ تمہیں ہمارا مشکور
 ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہاں ہوتے ہوئے تمہاری بیٹی کی مدد ہمارا فرض تھا
 وہ اگر دگنے بھی ہوتے تو بھی ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ کیونکہ ہم اپنے لباس
 کے نیچے ذریعہ پہنے ہوئے ہیں اور ان کے کتوں کا ہم پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔
 ایورنیں نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ مجھے افسوس ہے میں ابھی تک

اتنے میں سرائے میں داخل ہونے والے وحشیوں کا ایک ساتھی عامر کے پاس
 چند لمحوں تک وہ عامر اور نقیب کو غلط سمجھا ہوں جسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ سانپ کی طرح
 غصے میں بل کھا کر آگے بڑھا اور کھانا کھاتے ہوئے عامر کو بالوں سے پکڑ کر اس کا
 اوپر اٹھاتے ہوئے اس نے کہا۔ کون ہو تم؟ کیا تم ایسے ہی سرکش اور طاغی ہو
 ہو کہ ہماری یہاں موجودگی سے بے نیاز ہو کر تم سکون سے کھانا کھا رہے ہو۔
 ابھی تک خاموش تھا۔ نقیب کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے کسی نے اس پر کونا
 ہوا پانی ڈال دیا تھا۔

اس نے کھانا چھوڑ دیا اور اس اڑدھے کی طرح اٹھ کھڑا ہوا جس کے
 شکار کرنے کا وقت آگیا ہو۔ نقیب آگے بڑھ کر کوئی قدم اٹھالے والا تھا کہ
 بھی کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر وحشی جلال اور جنگلی قہر انیت چھا گئی تھی۔
 اس نے اپنے بال چھڑائے پھر وہ اپنے پاؤں پر گھوما اور ایک زوردار آہنی گھوڑ
 اس کے پیٹ میں دے مارا۔ وہ وحشی بری طرح ہوا میں اچھلا اور تکلیف کی لڑ
 کے باعث کراہتا ہوا دور جاگرا۔

اچانک عامر نے دیکھا ایک وحشی ایورنیں کی لڑکی کو اٹھائے ایک
 کی طرف لے جا رہا تھا۔ عامر اس طرف بھاگا۔ نقیب بھی اس کے پیچھے پیچھے
 عامر نے اسے کمرے میں داخل ہونے سے قبل ہی جالیا اور اسے بالوں سے
 کراہتی طرف کھینچا۔ وہ اپنا توازن کھو بیٹھا۔ لڑکی اس کے ہاتھ سے چھوٹ
 اس کے ساتھ ہی عامر اور نقیب کے کٹے کچھ اس توازن اور تسلسل کے ساتھ
 پر برسے تھے کہ وہ فریق پر گر کر بری طرح لوٹنے لگا تھا۔ اس کے پانچوں سا
 اب تھرا نہ انداز میں عامر اور نقیب کی طرف بڑھے تھے۔

عامر اور نقیب نے ایک بار ایک دوسرے کو دیکھا۔ شاید انہوں نے
 کوئی آخری فیصلہ کر لیا تھا۔ آنے والے چونکہ مسلح ہونے کے باوجود خالی ہاتھ آگے بڑ
 رہے تھے۔ لہذا ان دونوں نے بھی اپنی تلواریں بے نیام نہ کی تھیں۔ قبل اس کے

تم دونوں کے نام تک نہیں پوچھ سکا۔
 عامر نے فوراً کہہ دیا۔ میرا نام ایرک اور میرے ساتھی کا نام جا
 ہے۔ ایورنیس نے پھر پوچھا۔ کیا تم اس شہر میں اجنبی ہو یا تمہارا کوئی
 والا ہے۔ عامر نے کہا۔ ہم دونوں اس شہر میں اجنبی ہیں اور ہمارا وطن قلعہ
 کی ایک قریبی بستی ہے۔ ایورنیس نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔
 انطاکیہ میں کس غرض سے آئے ہو۔

عامر نے صرف ایک لمحہ نقیب کی طرف دیکھا۔ پھر مطمئن انداز
 اس نے کہا۔ ہم یہاں سبوتاژ کے ایک جوان سے ملنا چاہتے ہیں۔ اس کا
 بھی قلعہ حارم سے ہے ایورنیس نے ذرا سوچتے ہوئے کہا۔ کیا یہ وہی سبوتا
 نہیں جو یہاں شاہی تیغ زن ہے۔ ہاں ہاں ہم اسی سبوتا سے ملنا چ
 ہیں۔ ایورنیس نے پھر پوچھا۔ کیا تم اُسے جانتے ہو۔ نہیں ہیں
 نہیں جانتا لیکن اس کی وساطت سے ہم دونوں انطاکیہ کے شاہی تیغ زنا
 شامل ہونا چاہتے ہیں۔

ایورنیس نے غمزہ لہجے میں کہا۔ لیکن یہ تو ایک بدنام پیشہ ہے جو
 تمہارے ساتھ جھگڑا کرنے کے بعد ابھی اس کے سرائے سے نکلے ہیں۔ وہ سبوتا
 ہیں اور شہر کے اندر لوٹ مار کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں۔ یہاں کے حاکم
 کو خدا سنبھالے اس نے ان شاہی تیغ زنوں کو یہاں کے لوگوں کو گھوٹنے کھوٹ
 کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ سنو! سنو! ایرک! میں تمہیں یہ پیشہ اپنانے سے
 رہنے کی تنبیہ کرتا ہوں اور اگر تم کوئی آخری فیصلہ کر سہی چکے ہو تو ان
 مچ کر رہنا اگر تم شاہی تیغ زنوں کو ہرانے میں کامیاب ہو گئے تو وہ تمہارا
 خلاف ہو کر تمہاری جان کے درپے ہو جائیں گے۔

عامر نے پھر پوچھا۔ اگر میں تیغ زنوں کے اس گروہ میں شامل
 جا ہوں تو مجھے کیا طریقہ کار اپنانا چاہیے۔ ایورنیس نے پریشان آواز میں کہا۔

میں وسط میں ایک کھلا میدان ہے۔ اس میدان کو موت کا میدان کہتے ہیں۔
 ان ہزاروں کوشریوں کا دل بہلانے کی خاطر تیغ زنوں میں مقابلے ہوتے ہیں۔
 کوئی نوادہ کسی بھی تیغ زن کو ہرانے میں کامیاب ہو جائے تو اُسے اس گروہ میں
 مل کر لیا جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو اس مقابلے میں اکثر تیغ زن مارے بھی جاتے
 اور کوئی ان کا پرہیز حال نہیں ہوتا۔ اتوار آنے میں ابھی پانچ دن باقی ہیں۔ اگر
 اس گروہ میں شامل ہونے کا فیصلہ کر سہی چکے ہو تو ان کے نگران سے مل کر

عامر نے اپنا ہاتھ اپنی تلوار کے دتے پر لے جاتے ہوئے پوچھا۔ میں ان
 نگران سے کہاں اور کس وقت مل سکتا ہوں۔ ایورنیس نے ذرا رک کر کہا۔ اس
 بت کے میدان کے ارد گرد آن گزرت کرے بنے ہوئے ہیں۔ ان ہی کمروں میں
 ہی تیغ زن رہتے ہیں اور اپنے کمروں سے نکل کر ہر روز وہ تیغ زنی کی مشق
 کرتے ہیں۔ ان کا نگران جو یہاں کے حکمران ریمینڈ کی طرف سے مقرر کیا ہوا
 وہ بھی ان کے اندر ہی رہتا ہے۔ اس کا نام تبراقدہ ہے۔ اگر تم چاہو تو کل
 اُسے موت کے میدان میں مل سکتے ہو۔ عامر شاید کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا تھا کہ
 مسافر اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے سرائے میں داخل ہوئے۔ ایورنیس ان
 طرف متوجہ ہو گیا۔ عامر اور نقیب اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔



دوسرے روز عامر اور نقیب نے اپنے گھوڑوں کو ایورنیس کی سرائے
 ماہی بہنے دیا اور وہ پیدل چلتے ہوئے شہر کے وسطی حصے میں واقع موت کے
 ران کی طرف روانہ ہو گئے۔ صحرا الموت کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ
 کے وسط میں آئے اور موت کے میدان میں داخل ہوئے۔ صحرا الموتی انطا
 کے اندر ایک بڑی بلند چٹان ہے۔ اسی چٹان کے اوپر حضرت موسیٰ نے
 نرتر حضرت سے ملاقات کی تھی۔

مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ براقہ نے چونکتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر بھر دو۔ ابھی اری گفتگو کی سچائی اور حقیقت کو عیاں کرتا ہوں۔ براقہ نے ہاتھ کے اشارے سے ان جوانوں کو بلایا جو میدان کے وسط میں تیغ زنی کی مشق کر رہے تھے۔ وہ سب آگے ہوئے آئے اور براقہ کے سامنے آڑکے۔ براقہ نے اب عامر کی طرف ہتے ہوئے کہا۔ ان میں سے تم کس جوان سے مقابلہ کرنا پسند کرو گے۔ عامر ایک نظر ان سب کی طرف دیکھا پھر اس نے ان میں سے تیس کو ڈیل جوانوں طرف اشارہ کر دیا۔

براقہ نے کسی قدر گلیانی اور مہجانی انداز میں کہا۔ تین سے نہیں ایک ہو۔ ایک اجنبی اور نوآموز کا ان میں سے تین کو بیک وقت مقابلے کی دعوت ان کی توہین ہے۔ عامر نے دوبارہ ان پر ایک نگاہ ڈالی پھر ان میں سے کسی طرف اس نے اشارہ کر دیا۔ وہ جوان باہر نکل کر کھڑا ہو گیا۔ جب کہ اس دوسرے ساتھی پیچھے ہٹ کر ایک گول دائرے کی صورت میں کھڑے ہو گئے۔

مقابلے کے لیے باہر نکل جانے والے نے عامر کو مخاطب کر کے اپنی تلوار نیا کرتے ہوئے کہا۔ اپنی تلوار کھینچو کہ میں تمہیں تباؤں کون زیر کون زبر ہے۔ نقیب بھی پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ عامر نے تلوار نکالی اور جوان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے نرم لہجے میں کہا۔ اے رفیق مہربان! ابلے کے دوران جب تیری استقامت اور عزیمت جواب دے جائے، تو تباہ دینا تاکہ میں اپنا ہاتھ کھینچ لوں۔ کہیں ایسا نہ ہو تو تو خود میں نہا جائے اور شہسار ہوں۔ اس تیغ زن نے کوئی جواب نہ دیا اور عامر پر حملہ آور ہو گیا۔ رنے اس کا وار اپنی تلوار پر لیا اور جوابی حملہ کر دیا۔ اس تیغ زن نے شروع میں نیز اور مہجان خیز حملے شروع کر دیے تھے اور عامر نے اپنے آپ کو صرف دفاع کے لیے محدود کر لیا تھا۔ براقہ نے بے چینی کے عالم میں اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے

جب وہ موت کے میدان میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ وسیع میدان تھا جس کے اندر میڑھیاں ناشتیں بنی ہوئی تھیں۔ جب کہ میدان کے دائیں طرف ایک پنختہ اور بلند چبوترہ بنا ہوا تھا۔ میدان کے اندر کچھ جوان تیغ زنی کی مشق کر رہے تھے اور چند جوان اس چبوترے پر بیٹھے مشق کرنے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ عامر اور نقیب میدان میں آگے بڑھے اور اس جگہ آئے جہاں کچھ جوان چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عامر نے آگے بڑھ کر ان میں سے ایک کو مخاطب کر کے کہا۔ اے بھائی! میں یہاں اجنبی ہوں مجھے تیغ زنیوں کے نگران براقہ سے ملنا ہے۔ چبوترے کے وسط میں بیٹھا ہوا ایک جوان جس کے چہرے پر زحموں کے آن کرنا نشان تھے وہ عامر کو مخاطب کر کے بولا۔ میں شاہی تیغ زنیوں کا نگران براقہ ہوں کہو تم کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے ہو۔ عامر نے چند قدم اور آگے بڑھ کر کہا۔ میں قلعہ حارم کی طرف سے آیا ہوں۔ میرا نام ایرک ہے اور میں انطاکیہ کے شاہی تیغ زنیوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔

براقہ چند لمحوں تک غور سے عامر کو دیکھتا رہا پھر نرم لہجے میں اس نے کہا کیا تم سنجیدہ اور اپنے حماس میں ہو۔ برسوں تک اس میدان میں مشق کرنے کے بعد صرف اگلی کے چند جوان ہی شاہی تیغ زنیوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جاؤ جاؤ کوئی اور کام کرو۔ اس پیشے میں موت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ تم ایک خوب صورت اور اعلیٰ شخصیت کے جوان ہو۔ جاؤ جس طرف سے آئے ہو اس طرف ہی لوٹو اس پیشے میں تیغ زن کی موت ہر وقت دوسرے تیغ زن کے ہاتھوں میں رہتی ہے وہ جیت جانے پر چاہے تو قتل کر دے، چاہے تو معاف کر کے زندگی بخش دے۔ جاؤ چلے جاؤ یہ میرا غمناک مشورہ ہے۔

عامر نے اپنی تلوار کے دسے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میں نے اپنی ساری زندگی بھی تلوار کے ساتھ کھیلتے ہوئے گزاری ہے۔ میں سنجیدہ ہوں اور تمہارے ہر تیغ زن کو مقابلے کی دعوت دیتا ہوں اور اگر تم پسند کرو تو میں تمہارا

نے آگے بڑھ کر عامر کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ آؤ میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دوں۔
تمہاری ضرورت اور آسائش کی ہر چیز میسر ہوگی۔ عامر نے براقہ سے اور قریب ہو
دھم آواز میں کہا۔

میں یہاں ایک سرے میں ٹھہرا ہوا ہوں اور جب تک میں آئندہ اتوار کو
نے والا مقابلہ جیت نہیں جاتا میں اسی سرے میں ٹھہرنا پسند کروں گا۔ براقہ نے
دش رہ کر کچھ سوچا پھر کہا۔ تمہاری مرضی جہاں جی چاہے رہو۔ تم پر کوئی قید
نہیں ہے۔ عامر براقہ سے رخصت ہوا اور نقیب کے ساتھ وہ موت کے میدان
بائیں نکل گیا تھا۔ ان دونوں کا رُخ اب ایورینس کی سرے کی طرف تھا۔



پانچویں روز اتوار کے دن موت کا میدان انطاکیہ کے لوگوں سے کھینچا کھج بھر
تھا۔ ان میں مرد و عورتیں سبھی شامل تھیں۔ میدان کے اندر جو چوترا تھا۔ اس کے اوپر
میانہ نصب کر دیا گیا تھا۔ چوترا پر قیمتی قالین اور شیشی ڈال کر اسے خوب
دیا گیا تھا۔ چوترا کے وسط میں انطاکیہ کا حکمران ریمینڈ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے
ن طرف اس کی بیوی اور بیٹیاں بیٹھی تھیں جب کہ ان کے دائیں اور پیچھے انطاکیہ
ریمینڈ کی بیوی اور بیٹیاں بیٹھی تھیں جب کہ ان کے دائیں اور پیچھے انطاکیہ

ریمینڈ کے بائیں طرف انطاکیہ کے عائدین بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر ایک کی نگاہیں
اے بیٹنی اور بے تانی سے میدان کا طوائف کر رہی تھیں جب کہ میدان میں ابھی
بلے کے لیے کوئی نہ اُترتا تھا۔ رتنے میں تیغ زنوں کا نگران براقہ میدان میں داخل
ہوا۔ اہل نے دعائیں جو انوں کے ہاتھ ختم رکھے تھے جو سر سے پاؤں تک لہے
غرت تھے اور انوں نے سر پر ایسے خود چڑھا رکھے تھے کہ ان کا چہرہ تک نہ دیکھا
سکتا تھا۔ وہ عامر اور سبور تھے۔ براقہ انہیں میدان کے وسط میں لایا پھر دونوں
ناطب کر کے اس نے کہا۔ کوشش کرنا کہ کوئی زخمی نہ ہو اور سنو! جب تم میں
کوئی مقابلہ جیت جائے اور وہ یہ محسوس کرے کہ وہ کسی اور سے بھی مقابلے کی

کرتے ہوئے کہا۔ شروع میں غصے کا دھیمے تو آواز آخر میں اپنی پوری طراوت نفس
کے ساتھ بے قرار لڑا اور آدھی طوفان بن کر لڑتا ہے۔ میں اس وقت سے خوفزدہ
جب یہ اجنبی دفاع سے نکل کر جارحانہ انداز اختیار کرے گا۔ اس وقت ہمارے رائے
کی حالت ایسی ہی ہوگی جیسے تیز بارش کے بعد سخت طوفان میں اپنی جڑوں سے اک
جانے والے درخت۔ تم نے دیکھا اس کے دفاع میں کیسا سکون و سرور اور مہم
آہستہ آہستہ عامر کے جارحانہ انداز کا سکوت و خاموشی۔ منتقمانہ کارروایا
میں بدلنے لگی اس کے حملوں کا تقدس و راستگی، مہات و سادگی اور بے ساختہ
دسبکی۔ شفق کی جھوٹے خون اور رعد و برق نثر نشاں میں تبدیل ہونے لگے تھے۔ عامر
دفاع سے نکل کر جارحیت اختیار کر گیا تھا۔ پہلے کے چند لمحوں کے دوران وہ ا
تیغ زن کو دھکیلنا ہوا اور تک لے گیا۔ اس کے بعد جو اس نے اپنے طوفانی اور دھ
دھار حملوں کا سلسلہ شروع کیا تو وہ تیغ زن اپنے آپ کو محزون و مجبور اور اداں
اور حور محسوس کر رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں درماں طلبی اور چہرے پر ہوا یا
اڑنے لگی تھیں۔

عامر اب اپنی مرضی کے مطابق اسے اپنے سامنے بے بسی کی حالت
بھگتا رہا تھا۔ انطاکیہ کا تیغ زن شاید عامر کی تلوار پر گرفت اور اس کے حملوں کا
سختی اور نچنگی کا اندازہ لگا چکا تھا۔ لہذا اس نے عامر کو رُک جانے کا اشارہ
دیا۔ جب عامر رُک گیا تو اس نے اپنی تلوار پھینک کر اپنی شکست تسلیم کر لی۔
عامر نے اپنی تلوار نیام میں کر لی اور تیغ زنوں کے نگران براقہ کی طرف
ہوئے اس نے پوچھا۔ کیا اب بھی میں انطاکیہ کے تیغ زنوں میں شامل ہونے کے
نہیں ہوں۔ براقہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ یقیناً تم تیغ زنوں میں شامل کیے جا
کے اہل ہو۔ سنو! تم اب یہیں قیام کرو گے۔ تمہارے سب اخراجات ہم پورہ
کے۔ یہ بھی یاد رکھو آنے والے اتوار کو تمہارا مقابلہ سب سے ماہر اور کڑے تیغ
سبور کے ساتھ ہوگا اور یہ مقابلہ اہل انطاکیہ کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

سکت رکھتا ہے تو اپنا بایاں ہاتھ ہوا میں بلند کر دے اور اگر اس میں اتنی نہ ہو تو چپ چاپ میدان سے باہر نکل جائے۔

اتنے میں ایک مسلح جوان موت کے میدان میں داخل ہوا۔ اس کے ایک سنہری طشت تھا۔ جس میں دو تلواریں اور دو ڈھالیں رکھی ہوئی تھیں۔ عامر اور سبور دونوں نے ایک ایک تلوار اور ڈھال لے لی۔ وہ جوان بھاگ کر میدان سے باہر نکل گیا۔ براتہ وہیں ایک طرف ہٹ کر زمین پر بیٹھ گیا اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ میدان میں جہاں تھوڑی دیر قبل تک لوگوں کے باتیں کرنے کا شور اُٹھ رہا تھا اب چاروں طرف گہری خاموشی اور سکوت چھا گیا تھا۔ سبور نے آگے بڑھ کر میدان میں پہل کی تھی۔ اس نے ایک ساتھ اپنی تلوار اور ڈھال سے عامر کو دیا تھا۔ عامر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی تلوار اور ڈھال پر لیے۔ سبور تباہ توڑ حملے شروع کر دیے تھے جب کہ عامر نے اپنے آپ کو صرف دفاع تک کر رکھا تھا۔ شاید سبور اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر کے عامر کو تھکا دینا چاہتا لیکن یہ اس کی بھول تھی کیونکہ خود عامر بھی اسے تھکا کر مارنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ کچھ دیر تک سبور لگاتار جارحیت اور عامر دفاع تک رہا۔ جب عامر نے محسوس کیا کہ سبور کے حملوں میں پہلے جیسی وہ تیزی، تلخی، غضب ناکی جہت نہیں رہی تو وہ دفاع کو خیر آباد کہہ کر جارحیت پر اتر آیا تھا۔ اس نے حملوں میں ایسی تندی، دشواری اور مضبوطی پیدا کر لی تھی کہ سبور اسے اپنے کاثرہ اور دستِ قاتل سمجھنے لگا تھا۔

اب لمحہ بہ لمحہ سبور کی قوت مدافعت بھی جواب دے رہی تھی۔ بازو بے جان اور بے حس ہو رہے تھے۔ اس کے چہرے پر آرزوئی و برکتگی اور اس کی جان پر خستگی، دلگیری اور شکستگی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ دوسرے عامر کے حملوں میں ایک جذبہ اور ولولہ تھا۔ اس کے اس چڑھاؤ سے لگتا کہ اس نے سچے سچے رازوں کا عرفان کھولنے لگا ہو۔ اس کی غضب ناکی اسی ط

جس طرح پیاسے صحرا کی پیاس چلی لاتی دھوپ میں اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔ رات کے پہلے حصے میں روشن ہونے والے آگ کے لاد کی طرح بھڑکتا رہا، اور سبور رات میں اپنی ہستی کے لیے جدوجہد کرنے والے دیے کی طرح بجھتا رہا۔ عامر کو بڑی طرح اپنے آگے آگے بھگا رہا تھا اور لوگ اس کے اس اچانک صعود پر دلچسپی رکھتے۔

دفعۃً عامر نے اپنی تلوار گھا کر ماری جس سے سبور کی تلوار اس کے ہاتھ سے ٹک کر گرنے لگی اور ساتھ ہی اس کے سر سے خود بھی اتر گیا تھا۔ سبور بوکھلا گیا۔ نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ اپنی تلوار اٹھاؤ میں تمہیں پھر قسمت آزمائی کا موقع ملے گا۔ سبور نے نیچے جھک کر اپنا خود اٹھایا پھر کیکپاتی آواز میں اس نے کہا۔ اپنے سے ہاتھ کھینچتا ہوں اور اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں۔ تم ایک آہنی حصا ہے توڑنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ تمہارا تعلق کس سرزمین سے ہے۔ عامر نے بھی اپنے سر سے خود اتارتے ہوئے کہا۔ میں قلعہ حارم کا ملکین۔ سبور کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ میں بھی قلعہ حارم کا باشندہ۔ مجھے خوشی ہے کہ مجھے موت کے اس میدان میں شکست دینے والا مل گیا ہے۔ لوگ عامر کا ننگا چہرہ دیکھ کر تالیاں بجانے لگے تھے۔ سبور نے تلوار اٹھائی اور میدان سے باہر نکل گیا۔ عامر نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کر دیا تھا اور اشارہ کیا کہ اس میں ابھی مقابلہ کرنے کی سکت ہے۔

میدان میں ایک اور تیغ زن داخل ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تین نیزہ اور بائیں ہاتھ میں سخت چمڑے کا ایک ٹوکڑا تھا۔ اس کا چہرہ ننگا تھا۔ اس نے اپنے سر پر کوئی خود نہ پہن رکھا تھا۔ عامر کے قریب آ کر وہ لڑا۔ کچھ دیر لگائیوں سے وہ عامر کو دیکھتا رہا۔ پھر اپنا کورا مضبوطی سے تھاما اور تین نیزہ ہوا میں بلند کرتے ہوئے اس نے عامر پر حملہ کر دیا تھا۔ عامر نے ڈھال مار مار کر انہیں منہ کا نیزہ دوڑھٹا دیا اور تلوار کا ایک خوفناک وار اس پر کیا لیکن وہ

اچھل کر ایک طرف ہو گیا اور عامر کا وار خالی نکل گیا۔ دونوں پھر ایک دوسرے
 بڑھے۔ نئے آنے والے نے تاک کر اپنا کوڑا پھینکا جو عامر کی گردن کے گرد
 گیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے عامر کو اپنی طرف کھینچا ساتھ ہی اس نے اپنا
 بھی عامر کے دے مارا۔ کوڑے کے کچاؤ سے عامر لڑکھڑا گیا تھا۔ اس لیے
 طرح اپنا دفاع نہ کر سکا تھا۔ تاہم اس نے اس تیغ زن کے نیزے کا وار
 پر لینا چاہا لیکن کوڑے کی لڑکھڑاہٹ کے باعث وہ نیزے کو پوری طرح اپنی
 پر نہ لے سکا اور نیزے کا ایک حصہ اس کی پیشانی پر معمولی سی خراش بنا تا
 جس سے خون بہہ نکلا تھا۔ نیا آنے والا اپنی اس کارگزاری پر خوش اور مطمئن
 عامر کی پیشانی سے خون بہتے دیکھ کر انطاکیہ کا وہ تیغ زن پھر گبا
 نے فوراً اپنا آپ سمیٹا اور دوبارہ عامر کو نیزہ مارا۔ عامر اس حملے کو روکنے کا
 ایک جست لگا کر دائیں طرف ہو گیا اور حملہ آور کا نیزہ زمین میں گھس
 فدا حرکت میں آیا اور قبل اس کے اس کا حریف اپنا نیزہ کھینچتا یا اس پر اپنا
 عامر نے اس کے نیزے پر اپنا پاؤں رکھا اور اس کے کندھے پر اس زور سے
 کا دستہ مارا کہ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا اور اس کا آہنی نیزہ اس کے ہاتھ
 گیا تھا۔ عامر نے دوبارہ اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ اس نے اپنی تلوار کے
 اور ڈھال سے لگاتار اس پر شدید بدمصر ہی لگانا شروع کر دی تھیں۔ اس
 کے شانے، سر اور پہلو بری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ نتیجہ وہ زمین پر گر
 اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے اپنی شکست تسلیم کرنے کے علاوہ وہ غا
 اپنی سلامتی کی بھیک بھی مانگ رہا تھا۔ عامر نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔
 میدان سے باہر نکل جاؤ۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور بوجھل بوجھل قدموں
 طرف سے آیا تھا اسی طرف چلا گیا۔ اس کا لباس جگہ جگہ سے پٹھا ہوا
 آلود تھا۔

وہ جب میدان سے باہر نکل گیا تو عامر نے ایک بار پھر اپنا

بہ بندہ کر دیا تھا۔ میدان کے اندر قریب ہی زمین پر لیٹا ہوا براق اٹھا اور
 اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ کر اس نے نیچے گراتے ہوئے کہا۔

ایرک! ایرک! اپنا ہاتھ نیچے کر لو۔ انطاکیہ میں اب کوئی ایسا جوان
 جو تمہارا سامنا کر سکے۔ جن دو جوانوں کو تم نے شکست دی ہے۔ وہ
 اب انطاکیہ کی نگاہ میں ناقابل تسخیر تھے۔ آج سے تم انطاکیہ کے تمام شاہی تیغ
 کے سرکردہ ہو تو تم جب اور جہاں چاہو۔۔۔۔۔ براق کہتے کہتے ٹرک گیا۔
 کہ ایک جوان بھاگتا ہوا ان کے پاس آیا اور عامر کو مخاطب کر کے کہا۔ تمہیں
 کے حکمران ریمینڈ نے طلب کیا ہے میرے ساتھ آؤ۔ عامر چپ چاپ اس
 اٹھ ہویا۔ براق بھی ان کے ہمراہ ہویا تھا۔ میدان میں آنے والے جوان نے
 ریمینڈ کے سامنے لاکھڑا کیا۔

ریمینڈ جس کے چہرے پر حیرت انگیز سکون تھا۔ چند لمحوں تک عامر کو غور سے
 رہا۔ عامر بھی اس کے گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ ریمینڈ کے دائیں طرف
 دیکھا۔ ریمینڈ کی بیٹیوں کے ساتھ راشیل بیٹھی ہوئی تھی۔ وہی راشیل جس کے
 اس کی ملاقات اس وقت اس کی گھبی میں ہوئی تھی جب اس نے طیطوس کے
 کے ساتھ جنگ کی تھی۔ راشیل بھی بڑے غور اور دل چسپی سے عامر کی طرف
 ہی تھی۔ شاید وہ موت کے میدان میں اس کی کامیابی سے متاثر تھی۔

اتنے میں ریمینڈ عامر سے مخاطب ہوا۔ اے نوجوان اجنبی! تو کون ہے اور
 زمین سے تیرا تعلق ہے۔ عامر نے اپنے سر کو درسا جھکتے ہوئے کہا۔ اے
 کے عظیم بادشاہ! میرا نام ایرک ہے اور میں قلعہ حارم کے نواح کا رہنے والا ہوں
 نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے سپور کو مخاطب کر کے کہا۔ کیا یہ تمہارا ہم وطن ہے؟
 سپور نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ مجھے فخر ہے کہ یہ میرا ہم وطن ہے اور
 ٹی ہے کہ مجھے موت کے اس میدان میں شکست سے دوچار کرنے والے
 قلعہ حارم سے ہے۔ ریمینڈ نے اپنے پہلو میں خالی نشست پر ہاتھ مارتے

ہوئے عامر سے کہا۔ ہمارے نزدیک اگر بیٹھو۔ تم جیسے شجاع اور بہادر کی صحبت
لیے فخر ہے۔ عامر آگے بڑھ کر اس نشست پر بیٹھ گیا۔

ریمینڈ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ آج سے تم انطا
تیغ زونوں کے سربراہ ہو۔ تم نے سبور کو شکست دے کر ثابت کر دیا ہے کہ
نا قابلِ تسخیر ہو۔ میرے محل کے دروازے ہر وقت تمہارا لیے کھلے ہیں۔ تم جب
آ جا سکتے ہو۔ پھر ریمینڈ نے اپنے پہلو میں رکھی ہوئی نقدی کی ایک تھیلی اٹھا
اسے عامر کی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ اس میں سب طلائی سکتے ہیں اگر تم ما
بیکار بیٹھ کر کھاتے رہو تو بھی یہ تمہارے لیے کافی ہیں۔ ریمینڈ نے براقہ کی طرف
ہوئے کہا۔ ایرک کی رہائش کا بندوبست کرو۔

براقہ سے قبل ہی سبور بول پڑا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا، ایرک میر
رہے۔ میں چاہتا ہوں میرا ہم وطن میرے ہی کمرے میں رہے کہ میں دل
اس کی خدمت کر سکوں۔ ریمینڈ نے براقہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر سبور
تمہیں اس کی اجازت ہے۔ تمہارا اس کے ساتھ رہنا ہمارے لیے سکون کا
ہوگا کہ یہ اس شہر میں ابھی اجنبی ہے۔

ریمینڈ کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی موت کے میدان میں بیٹھے
بھی اٹھ گئے تھے۔ ریمینڈ چھوڑے سے اتر کر میدان سے باہر چلا گیا۔
عمائدین اور رئیسوں کی عورتیں اور لڑکیاں بھی میدان سے نکل گئی تھیں۔
اس وقت جب کہ لوگ میدان سے باہر جا رہے تھے اور سبور
کسی اور طرف تھی۔ براقہ نے اشارے سے عامر کو اپنے پاس بلایا اور اس
کرتے ہوئے کہا۔

اے میرے دوست سن! تو بہادر اور شجاع ہے۔ مجھے تم
ہے۔ میری ایک نصیحت سن! سبور کے ساتھ رہتے ہوئے ہر وقت
کو بیدار رکھنا۔ تمہیں اپنا ہم وطن جان کر جس طرح یہ تم سے ہمدردی اور



لہنجا ل کہ سبور کا دار اس پر روکا۔ اس کے بعد اس نے اپنی تلوار کھینچ لی اور
پر طوفانی حملہ کر دیا۔ عامر سبور کو اپنے آگے آگے دھکیلتا ہوا ایک کونے
لے گیا پھر اس نے اس قوت کے ساتھ سبور کی تلوار پر اپنی تلوار دے ماری کہ سبور کی
رہتے کے قریب سے کٹ گئی۔ ساتھ ہی عامر نے اس کے منہ پر ایک سخت مٹک مار
کر کہا۔ تم کیا سمجھتے تھے میں سو رہا تھا۔ یاد رکھو، میں شروع ہی سے تمہاری طرف
بدلن تھا۔ اس کمرے کے اندر میں نے ایک رات بھی سو کر نہیں گزاری۔ میں دن
دقت اپنے ساتھی کے پاس سرائے میں جا کر سویا کرتا تھا لیکن اس کمرے میں ہر رات
بیداری اور اپنے پورے ہوش و حواس میں گزار رہی ہے۔ عامر نے ایک اور زوردار

سبور کے منہ پر مارا اور سبور لڑکھڑاتا ہوا فرش پر گر گیا تھا۔
عامر نے کمرے کے اندر سے ایک رستی لی اور سبور کے دونوں ہاتھ خوب کس
آس کی پشت پر باندھ دیئے تھے۔ سبور پریشانی اور استعجاب کے عالم میں عامر
بیکھ رہا تھا۔ عامر نے اپنی تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھتے ہوئے پوچھا۔ بولو
میں مسلمان عورت ماری کی لڑکی یا ماہ کہاں ہے جیسے تم اغوا کر کے لے آئے تھے۔
سبور نے سخت حیرت اور بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ تم کون ہو
ری اعلیت کیا ہے۔ اور تم یہ سب کچھ کیسے جانتے ہو؟ عامر نے پھر اس پر
مٹک برساتے ہوئے کہا۔ میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے اور تم اٹھا مجھ سے سوال
رہے ہو۔

سبور خاموش ہو گیا۔ عامر نے اس کی گردن پر رکھی اپنی تلوار کی نوک پر
بڑھاتے ہوئے کہا۔ جلدی اور سچ بولو ورنہ اس برفانی اور طوفانی رات میں تمہیں
مار کے میں اپنی منزل کی طرف لوٹ جاؤں گا۔ سبور نے ہلکاتے ہوئے کہا۔ اس
لے اپنے آپ کو ختم کر لیا ہے۔ عامر غصے میں برس پڑا۔ وہ کیسے؟ سبور نے
رات میں پکپکاتے ہوئے کہا۔ یہ سچ ہے کہ میں اسے اغوا کر کے لایا تھا لیکن اس
وقت کوئی اور حزن کو دیکھتے ہوئے انطاکیہ کے ایک رئیس نے اسے مجھ سے



سبور کے ساتھ رہتے ہوئے عامر کو تین روز ہو گئے تھے۔ نقیب
سرائے میں ہی ٹھہرا ہوا تھا۔ تاہم عامر ہر روز ایورنیں کی سرائے میں جا
سے مل لیا کرتا تھا۔ عامر کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا جس سے
کر وہ سبور کو انطاکیہ سے لے بھاگنا چاہتا تھا۔ ایک روز جب کہ فضا ذرا
سے برف باری ہو رہی تھی۔ رات گہری ہو گئی تھی۔

عامر اور سبور ایک ہی کمرے میں گہری نیند سو رہے تھے اور
جلتی ہوئی مشعل کی غبار آلود روشنی کمرے کی ہر چیز کی موجودگی کا تہہ
اچانک سبور اپنی مسہری پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یوں جیسے وہ سونے کا بہانہ کر
لمحوں تک وہ بڑے ہنماک سے گہری نیند سوئے ہوئے عامر کو دیکھتا رہا۔
پاؤں وہ نیچے اتر کر دیوار کی طرف بڑھا اور آواز پیدا کیے بغیر اس نے
ننگی ہوئی اپنی تلوار کھینچ لی۔ پہلے اس نے دروازے کا جائزہ لیا۔ وہ
سے بند تھا۔ مطمئن ہو کر وہ عامر کی طرف بڑھا۔ اس وقت اس کے چہرہ
وحشی اور قاتل جیسے تاثرات پھیل چکے تھے۔

سبور نے جونہی آگے بڑھ کر سوئے ہوئے عامر پر اپنی
چاہی۔ ایک دم عامر اٹھ کر بیٹھ گیا اور فوراً مسہری کے پائے سے لٹک

خرید لیا تھا۔ پھر اس رئیس نے اس لڑکی کی آبروز بردستی لوٹ لی اور جواباً لڑکی نے اپنے سینے میں خنجر مار کر اپنے آپ کو ختم کر لیا۔

عامر نے غمزدہ آواز میں پوچھا۔ کیا تم جانتے ہو وہ رئیس کہاں رہے؟
ہاں میں جانتا ہوں اس کی حویلی کہاں ہے۔ عامر ایک بار پھر تھپتھپا کر اس نے سبور کا منہ باندھ دیا پھر وہ نیچے جھکا اور سبور کو اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔ عامر جب اپنے کمرے سے نکل کر موت کے میدان میں اس نے دیکھا باہر تیز برف باری ہو رہی تھی اور دور دور تک ہر شے پر سفید نظر آتی تھی۔

عامر سبور کو اٹھائے برف کے اندر بھاگنے لگا۔ موت کے میدان باہر نکل کر عامر نے سبور کی پسلیوں میں اپنے خنجر کی نوک چمھوتے ہوئے کہا۔ رئیس کے مکان کی طرف میری راہنمائی کرو جس کی بد اعمالی کے باعث یا آپ کو موت کی آغوش میں پھینک دیا تھا۔ یاد رکھو اگر تم نے کسی بد فعلی کا مظاہرہ تو میرے خنجر کا پورا پھل تمہاری پسلیوں میں اتر کر تمہارے جسم کو زہر آلود کر دے گا۔ سبور چپ چاپ ہاتھ کے اشارے سے عامر کی راہنمائی کرنے لگا۔ ایک جگہ سبور نے عامر کو روکا اور ایک حویلی کی طرف اشارہ کر دیا۔ عامر اس کے دروازے پر آیا۔ ایک درخت کے نیچے اندھیرے میں اس نے سبور کو دیا اور اس کی دونوں ٹانگیں بھی کس کر باندھنے کے بعد رستی کا دوسرا سر اس نے کے ساتھ باندھ دیا تاکہ سبور رینگ کر بھی بھاگنے نہ پائے۔ پھر حویلی کی دیوار اندر داخل ہوا۔

پہلے اس نے حویلی کے چاروں طرف ایک چکر لگایا۔ اندھیرے جگہ باغ کے اندر وہ اس رستے کے پاس رُک گیا جو جھولے کے طود پر ایک سے بندھا ہوا تھا۔ عامر نے اس رستے کو کھولا اور حویلی کی پشت پر آیا۔ کند بنا کر اس نے اوپر پھینکی اور اس کی مدد سے وہ اوپر چڑھنے لگا تھا۔

اس نے دیکھا ایک عافظ ادھر ادھر ٹہل کر پہرہ دے رہا تھا۔ ایک ستون کی اوٹ میں ہو کر عامر اس پہریدار کی طرف دیکھنے لگا جو ایک تنگ راہداری میں آگے بڑھ رہا تھا۔ راہداری میں جہاں چھوٹی سی ایک مشعل جل رہی تھی وہاں وہ پہریدار کھٹکھٹا اس نے گل کر دی اور سیڑھیاں اتر کر نیچے کی منزل پر چلا گیا۔

عمارت کا نچلا حصہ پہلے ہی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اب اوپر والے حصے میں بھی چند کمروں کے علاوہ اندھیرا پھیل گیا تھا۔ شاید اس حویلی کے مکینوں کی رہائش اوپر کی منزل پر تھی۔ پہریدار مشعل بجھا کر جب نیچے اتر گیا تو عامر ان کمروں کی طرف بڑھا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ دو کمرے ساتھ ساتھ تھے جن کے اندر چھوٹی مشعلیں روشن تھیں۔ ایک کمرے میں ادھیڑ عمر کا ایک مرد اور عورت سوئے ہوئے تھے۔ شاید میاں بیوی تھے۔ عامر دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہاں ایک ہی مہری تھی۔ عامر اس کمرے میں داخل ہوا اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ اس کمرے میں ریشل سوئی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے جسم کو خوب رضائی میں ڈھانپ رکھا تھا۔ تاہم اس کا چہرہ اور بازو ننگے تھے۔

عامر نے دیکھا کہ حسن میں وہ دشمن ایمان اور فتنہ گرد دوراں پول ریشمی بستر پر پڑی تھی جیسے کوئی مہتاب پیکر کوئی الف لیلوی شہزادی یا زینبی خلک کی حور۔ اس کے یاقوت و مرجان و گلزار ہونٹ تھوڑے سے کھلے ہوئے تھے۔ اس کا گلانی ہجرہ اپنے حسن اور تازگی میں کُن کا پُر اسرار معجزہ حسن تخلیق کا اچھوتا اعجاز طلسمات کا شہود اور محسم رنگ و رعنائی لگتا تھا۔ عامر چند لمحوں تک اس نیرنگی قدرت کا فراہمکن، طغیان نشاط، طراوت گل اور بخت مہتاب کو غور سے دیکھتا رہا۔ فینک کی حالت میں بھی وہ صنم شعلہ جمال و زہرہ نگاہ شاخ زریں کی طرح مدہوش اور نیکم و الماس و گہر کی طرح طربناک لگ رہی تھی۔

کچھ ثانیوں تک عامر اس بختِ تنہا کی فسوں کاری میں کھویا رہا۔ پھر وہ سنبھلا شاید اس نے کوئی آخری فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے کمرے کے اندر سے ایک

تھے پھر پھڑانے لگا تھا۔ جب کہ راشیل اور سبور پریشانی اور حیرت سے عامر کو
یکھ رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے اور دونوں کے منہ
بھی کپڑا بندھا تھا۔ لہذا وہ عامر سے کچھ پوچھ بھی نہ سکتے تھے۔ عامر نے احتیاطاً ان
دونوں کے ہاتھ کی رتیاں اصطبل کے ایک کھونٹے سے باندھ دی تھیں۔ تاکہ وہ
وزن بھاگنے نہ پائیں۔ پھر وہ اصطبل کے اندر سے زمینیں اٹھا کر اپنے اور نقیب
لے گھوڑے پر ڈالنے لگا تھا۔

گھوڑوں پر زمینیں ڈالنے کے بعد عامر سرائے کے اندر داخل ہوا۔ اندر
سرائے کا ایک ملازم جاگ رہا تھا۔ عامر کو دیکھتے ہی اس نے پریشان آواز میں پوچھا۔
اس وقت یہاں تمہارا مقابلہ دیکھنے کا بڑا لطف آیا تھا۔ کیا تم وہاں
امرنے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ تمہارا مالک ایورنیں کہاں ہے۔ ملازم نے نیند
سے بوجھل آنکھیں تھیلی سے رگڑتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے سکونتی حصے میں سو
پکڑے۔ عامر نے اس سے کچھ نہ کہا اور اپنے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔
تھوڑی دیر بعد نقیب نے دروازہ کھولا اور خوابیدہ سی آواز میں اس نے پوچھا۔
آپ! اتنی رات گئے یہاں؟ خیریت تو ہے۔ عامر نے اندر داخل ہوتے
ہوئے کہا۔ اس نیند کو جھگاڑتو تم پر سوار ہے۔ میں اپنا کام مکمل کر چکا ہوں۔
تو اس وقت زوروں کی برف پڑ رہی ہے لیکن اس کی پرواہ کیے بغیر ہم ابھی
دراسی وقت کوچ کریں گے۔ نقیب نے حیرت اور پریشانی میں پوچھا سیور کا کیا بنا
عامر نے اپنے بستر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

سبور اریہ کی لڑکی میامہ کو اٹھا کر یہاں لے آیا تھا اور اسے ایک بھاری
نم کے عوفن ایک رئیس کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس رئیس نے جب میامہ کو اس کی عفت
سے محروم کرنا چاہا تو میامہ نے اپنے آپ کو خنجر مار کر خودکشی کر لی۔ میں سبور کے
ملازمہ اس رئیس کی لڑکی کو بھی اٹھالایا ہوں تاکہ اسے احساس ہو کہ کسی کی لڑکی
لڑائی کی کیسی قدر اور عزت ہے۔ میں اس رئیس کو قتل کر دیتا لیکن اس کا اتنا

کپڑا اٹھایا۔ پھر اپنے چہرے پر خود کا نقاب گرنے کے بعد وہ آگے بڑھا اور راشیل
کو اٹھا کر ایک دم اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا۔ راشیل عامر کی گرفت میں بے بس
پزندے کی طرح پھڑپھڑ کر رہ گئی تھی۔ عامر نے اس کے دونوں ہاتھ بھی پشت پر
باندھ دیئے اور اسے اپنے کندھے پر اٹھا کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

راہداری میں آکر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ اس جگہ
آیا جہاں رسہ نیچے لٹک رہا تھا۔ اپنا منہ راشیل کے کان کے قریب لے جاتے ہوئے اس
نے سرگوشی کی۔ میں تمہارا دشمن نہیں مہر دو ہوں۔ میں رستے کے ذریعے نیچے اترنے
لگا ہوں۔ اگر تم نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو اوپر کی منزل سے گر کر اپنی ہڈیاں پود
چور کر لوگی۔ عامر نیچے اترنے لگا۔ پھر رگ گیا۔ راشیل کو وہاں ڈال کر وہ دوبارہ کمرے
میں گیا اور ایک چادر اٹھا لیا۔ اس چادر کی مدد سے اس نے راشیل کو اپنی کمر پر باندھا
پھر وہ رستے کی مدد سے نیچے اتر گیا۔

برف زوروں پر پڑ رہی تھی۔ نیچے اتر کر عامر نے ادھر ادھر دیکھا۔ ہر
طرف دیرانی اور سکوت تھا۔ شاید جوہلی کا پہریدار بھی کہیں پڑ کر سو گیا تھا۔ عامر جوہلی
کی بیرونی دیوار کے پاس آیا۔ پہلے راشیل کو اپنی پیٹھ سے کھول کر دیوار کے اوپر
بٹھایا۔ خود وہ دیوار چھانڈ کر دوسری طرف گیا اور راشیل کو بھی دوسری طرف اٹا
لیا۔ عامر نے پہلے سبور کی وہ رستی کھولی جو درخت سے بندھی ہوئی تھی پھر اس
نے سبور کو اٹھا کر دائیں کندھے پر اور راشیل کو بائیں کندھے پر ڈال کر وہ ایورنیں
کی سرائے کی طرف بھاگنے لگا تھا۔ برف باری میں ہر چیز سفید ہو گئی تھی اور
خوب بڑھ گئی تھی۔ برف باری کے باعث گلیاں اور کوچے ویران پڑے تھے۔
یہ وقت عامر کے لیے انتہائی سودمند ثابت ہوا۔

ایورنیں کی سرائے کے پاس آکر عامر نے اپنی رفتار سست کر لی تھی۔
سرائے میں داخل ہو کر وہ سیدھا اصطبل کی طرف چلا گیا۔ راشیل اور سبور دونوں کو
اس نے اصطبل کے ایک اندھیرے کونے میں ڈال دیا۔ عامر کا گھوڑا اسے دیکھ کر

تصور نہیں۔ اُس نے تو بیمار کو خرید ہی اس غرض تھا۔ اصل مجرم سبور ہے تاہم وہ رئیس بھی اپنی لڑکی کی کشدگی پر سر پیٹے گا۔ اس لڑکی کو کچھ عرصہ ہم اپنے پاس رکھیں گے پھر لوٹا دیں گے تاکہ اس رئیس کو سبق اور عبرت ہو کہ کسی کی بیٹی کی حفاظت کس طرح کرنی چاہیے۔

عامر نے ذرا رک کر کہا۔ میں ان دونوں کو اصطبل میں ڈال آیا ہوں۔ ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ میں اپنے گھوڑوں پر زینیں بھی ڈال آیا ہوں اب تم جلدی کرو اپنا بستر لیٹو اور یہاں سے کوچ کریں۔ یہاں ہر لمحہ کا قیام بہرے لیے خطرات میں اضافہ کرتا رہے گا۔ عامر خاموش ہو گیا۔ پھر وہ دونوں اپنے اپنے بستر لیٹنے لگے تھے۔

دونوں اپنے بستر کندھوں پر رکھے باہر آئے۔ عامر نے سرانے کے ملازم کو چند سیکے دیتے ہوئے کہا۔ کچھ ناگزیر حالات کے تحت ہم رات کے اس وقت اور برف باری کے طوفان میں یہاں سے کوچ کرنے پر مجبور ہیں۔ میری طرف سے ایورنیں کا شکریہ ادا کر دینا کہ اس نے ہم سے ترجیحی سلوک کیا۔ ملازم نے آگے بڑھ کر عامر سے اس کا بستر لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ لاؤ میں تمہیں اصطبل تک چھوڑ آتا ہوں۔ عامر نے اُسے کندھے سے پکڑ کر اپنی نشست پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ تم آرام کرو۔ ہم آسانی سے کوچ کر جائیں گے۔ کیونکہ میں گھوڑوں پر پہلے ہی زینیں ڈال چکا ہوں۔

ملازم اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ عامر اور نقیب اپنے بستر اٹھائے اصطبل میں آئے۔ عامر نے اپنا بستر گھوڑے کی زین سے باندھتے ہوئے کہا۔ نقیب! نقیب! سبور کو میں اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہوں لڑکی کو تم اپنے آگے ڈال لو۔ سنو! یہی لڑکی ہے جو ایک بار اس وقت ہمیں گہی میں ملی تھی جب ہم جب انے طیطوس کے آدمیوں کو شکست دی تھی۔ اس کا نام راشیل ہے اور سنو! نقیب! اصطبل میں دانے اور چارے کی بوریاں پڑی ہیں۔ آؤ گھوڑوں کے تو برے بھر

راتے میں یہ خوراک ہمارے گھوڑوں کے کام آئے گی۔ دونوں نے خوراک برے بھر کر اپنے گھوڑوں سے باندھ لیے۔ اچانک عامر نے اپنے گھوڑے میں کھلی اور اُسے لے کر وہ سرانے کے اندرونی حصے کی طرف جانا ہوا بولا۔

ہی آہوں نقیب! تم ان دونوں کو گھوڑوں پر رکھو۔ عامر ایک بار پھر سرانے کے ملازم کے پاس آیا اور اسے چند سکے اڈے ہوئے کہا۔ تمہارے پاس کھانے کا سامان ضرور ہوگا۔ اس میں سے کچھ اس خرچین میں ڈال دو کہ اس سفر کے دوران ہم دونوں کے کام آئے گا۔ برف باری کے طوفان میں شاید ہم اپنے لیے راستے میں کھانے کا سامان حاصل کریں۔

ملازم نے خرچین لی اور اس میں کھانے کی چیزیں بھر کر عامر کو لٹا دی دوبارہ اصطبل میں آیا اس نے دیکھا نقیب نے سبور کو اپنے گھوڑے پر اور اس کو اس کے گھوڑے پر ڈال رکھا تھا۔ زین سے خرچین باندھتے ہوئے عامر نے یہ تم نے کیا کیا۔ میں نے تمہیں راشیل کو اپنے گھوڑے پر اور سبور کو میرے پر ڈالنے کو کہا تھا۔ نقیب نے ٹالتے ہوئے کہا۔ آپ فکر مند نہ ہوں میرے گھوڑے سے بھاگ نہیں سکتا۔ آپ اگر اس کے بندھے ہوئے بازو، دلیں تو بھی میں اسے اپنی گرفت سے بچنے نہ دوں گا۔ اب آپ اپنے گھوڑے لے۔ یہاں وقت ضائع کرنا ہمارے لیے مسائل کھڑے کر دے گا۔

عامر اپنے گھوڑے پر بیٹھا۔ راشیل کو اس نے اپنے آگے ڈال لیا تھا۔ دونوں بچھے سرانے سے نکل کر گلی میں داخل ہوئے اور گھوڑوں کو درمیانہ روی سے لے گئے۔ ہر طرف سکوت تھا۔ سردی اور برفانی طوفان میں لوگ گہری نیند سوئے تھے۔ زمین پر اس قدر برف پڑ گئی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں تک کی آواز نہ سنی جاتی تھی۔ انطاکیہ شہر سے نکل کر دونوں جنوب کی سمت اپنے گھوڑوں کو لے گئے تھے۔

ناچ جیسے وہ سامنے والے پہاڑ میں کوئی غار ہو۔ اگر ایسا ہے تو یہ ہمارے لیے
پناہ گاہ ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی دیکھو چشموں کا پانی بہتا ہوا دائیں ہاتھ جا
ا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں خشک درخت اور جھاڑیاں بھی بہت ہیں جنہیں کاٹ
کر غار کو گرم رکھنے کا بندوبست بھی کر سکتے ہیں۔

عامر نے مسکرا کر نقیب کی طرف دیکھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے گھوڑے
رخ بھی اس سمت موڑ لیا تھا جس طرف نقیب نے اشارہ کیا تھا۔ جب وہ نزدیک
ہوا تو انہوں نے دیکھا وہ ایک کافی بڑا غار تھا اور اس کا منہ اس قدر کھلا تھا کہ
وڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے اس میں داخل ہوا جاسکتا تھا۔ عامر اور نقیب آگے
بھے اس غار میں داخل ہوئے۔ دونوں اپنے گھوڑوں سے اترے۔ راشیل اور
بور کو انہوں نے غار میں پتھروں کے ایک ڈھیر کے پاس بٹھا دیا تھا۔ وہ دونوں
اٹ اڑھے ہونے کے باوجود سردی سے کپکپا رہے تھے۔ انہوں نے گھوڑوں کی
پلیں اور بستر آمار کو ایک طرف رکھ دیئے تھے۔ پھر عامر نے اپنا کھانا سنبھالتے
نقیب سے کہا۔

اودہ خشک درخت کاٹ لائیں جو ہم دیکھ کر آئے ہیں۔ اس غار میں
کے بغیر وقت گزارنا مشکل ہو جائے گا۔ نقیب نے بھی اپنا کھانا سنبھال لیا۔
دونوں غار سے نکل کر باہر چلے گئے تھے۔

کافی دیر تک وہ پہاڑوں کے اندر خشک درخت کاٹتے رہے۔ پھر
دلنے ان درختوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر غار میں لانا شروع کر دیا تھا۔ حتیٰ
غار کے ایک کونے میں انہوں نے ثابت درختوں کو کاٹ کاٹ کر لکڑیوں
لیا ڈھیر لگا دیا تھا۔ پھر دونوں نے مل کر اس جگہ آگ روشن کی جہاں راشیل اور سبور
اٹا سے دیکے پڑے تھے۔ آگ جب خوب روشن ہو گئی تو نقیب نے اٹھ کر دونوں
دھڑل کے تو برے چڑھا دیئے جبکہ عامر نے اٹھ کر راشیل اور سبور کے منہ پر
مے ہوئے کپڑے کھول دیئے تھے۔ اتنے میں نقیب نے دو مشکیزے اٹھائے

جب صبح ہونے کے قریب تھی تو وہ دونوں انطاکیہ کی حدود سے نکلا
حارم کے طیلوس کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ مشرق سے اب طلوع سحر کے
دینے لگے تھے۔ برف اسی طرح پڑ رہی تھی جس جگہ وہ سفر کر رہے تھے۔
سلسلہ تھا اور دُور دُور تک کسی آبادی کا کوئی نشان نہ تھا۔ یہ وہی رات تھی
راتے سے وہ انطاکیہ گئے تھے۔ لہذا ان کے گھوڑے بغیر کسی رہنمائی کے چلا
تھے۔ سردی زیادہ ہوجانے کی وجہ سے عامر نے اپنا بوسیدہ کپل جس میں کئی بیون
تھے۔ راشیل پر ڈال دیا تھا۔ نقیب نے بھی اپنا کپل سبور پر ڈال رکھا تھا۔

اچانک عامر نے اپنے گھوڑے کو اصل راتے سے دائیں طرف موڑ
نقیب نے اپنے گھوڑے کو اس کے پہلو میں لاتے ہوئے کہا۔ آپ اصل راتے
ہٹ رہے ہیں۔ عامر نے سر کو اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے ساتھ
اؤ۔ میں کسی پناہ گاہ کی تلاش میں ہوں۔ تم دیکھتے نہیں سحر طلوع ہونے والی ہے۔
یہ علاقہ ہمارے دشمن کا ہے۔ پھر تمہیں یہ بھی خبر ہو کہ راشیل طیلوس کے بھا
کی منگوتر ہے۔ اس لیے راشیل اور سبور کے ساتھ دن میں طیلوس کی قلمروں میں
ہمارے لیے انتہائی مشکل اور خطرناک ہوگا۔ اس کے علاوہ لگانا برف کے
میں سفر کرتے ہوئے ہمارے گھوڑے بھی سردی اور تھکاوٹ محسوس محسوس
ہیں۔ ان کی رفتار پہلے سے سست ہو گئی ہے اور انہیں آرام کی ضرورت۔
کے علاوہ مجھے یہ بھی خطرہ ہے کہ راشیل اور سبور کہیں راتے میں ہی سردی
مارے جائیں۔ جب کہ سبور کو میں زندہ اس خاتون کے سامنے پیش کرنا چاہتا
جس کی اس نے بیٹی اغوا کی تھی۔

نقیب خاموش رہا۔ شاید عامر کا فیصلہ اس کے دل کو لگا تھا لہذا
سے اس کے ساتھ ساتھ گھوڑے کو ہانکنے لگا تھا۔

ایک میل اصل راتے سے ہٹ کر وہ دونوں کوئی پناہ گاہ تلاش کر
تھے کہ ایک دم نقیب نے چلا کہ عامر کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔ ادھر دیکھو عام

اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ شکیزے پانی سے بھر لایا۔

سبورو اور راشیل دونوں ابھی تک خوف و استفسار کے عالم میں عامر کو دیکھ رہے تھے۔ راشیل اور سبورو کے دیکھتے ہی دیکھتے عامر ان نقیب۔ ایک شکیزے سے وضو کیا۔ پتھر لیے فرش پر انہوں نے ایک بوسیدہ کبل بچہ اور اس پر وہ فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ راشیل اور سبورو دونوں انہیں عجیب سی وحشت اور دیوانگی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

آگ کے روشن الاؤ کی وجہ سے غار اب خوب گرم ہو گئی تھی۔ سے فارغ ہو کر عامر نے کبل الاؤ کے پاس بچھا دیا۔ پھر اس نے سبورو پر ڈالا کبل بھی لیا اور اسے بھی پتھر فرش پر بچھا دیا۔ پھر وہ راشیل کے پاس آیا پشت پر بندھے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ کھولتے ہوئے اس نے کہا۔ آگ کے پاس اس کبل پر بیٹھ جاؤ۔ راشیل شاید سردی محسوس کر رہی تھی۔ لہذا فوراً اٹھ کر الاؤ کے پاس بچھے ہوئے کبل پر بیٹھ گئی۔ سبورو خود بخود ہی اٹھ کر کبل کے ایک کونے پر بیٹھ گیا تھا۔ جس پر راشیل بیٹھی تھی۔

راشیل نے الاؤ کی طرف اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے عامر کی طرف دیکھ کر کہا۔ کیا تم وہی نہیں ہو جس نے موت کے میدان میں سبورو کو شکست دی؟ عامر نے نقیب کے ساتھ دوسرے کبل پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ہاں، میں وہی۔ راشیل نے طنز کرتے ہوئے کہا۔ جب تم نے سبورو کے علاوہ ایک اور شخص کو بھی شکست دی تھی تو مجھے تم سے ہمدردی ہو گئی تھی اور میں دل طلبہ تمہاری شجاعت و پامردی کی قائل ہو گئی تھی لیکن تم نے مجھے بے وجہ اغوا کر لیا۔ اس ہمدردی کو شدید نفرت اور شجاعت کے ان دلی جذبات کو بزدلی اندک میں بدل دیا ہے۔ کاش تم مجھے میرے گھر سے رات کے وقت چودوں کی طرح نہ لیتے تو میں چند روز بعد خود تمہیں تمہاری کتھ کی خوشی میں دعوت دیتی۔

عامر نے بے تعلقی کا اظہار کرتے ہوئے کہا مجھے تمہاری نفرت دینے

دل دھندلادی سے کوئی غرض نہیں۔ میں نے تمہیں تمہارے گھر سے اٹھا کر لایا ہے۔ راشیل نے سخت کراہت اور تنفر میں کہا۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ میدان کے فاتح نے مجھ جیسی کمزور اور بے یس لڑکی کو کیوں اغوا کیا؟ عامر کچھ کہنے والا تھا کہ سبورو نے پہلی بار بولتے ہوئے پوچھا کیا تم مسلمان ہو؟ بحمد اللہ! میں مسلمان ہوں۔ سبورو نے غصے میں دانت پس کر کہا۔ تو مجھے کہا تھا تمہارا نام ایرک ہے اور تم حارم کے عیسائی ہو۔ اگر مجھے خبر تم مسلمان ہو تو میں پہلے روز ہی تمہاری گردن کاٹ دیتا۔ تم دھوکہ باز اور ہونیں تم.....

سبورو اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ نقیب غضب کی حالت میں اٹھا۔ سبورو کے منہ پر اس نے ایک بھر پور طمانچہ مارتے ہوئے کہا۔ زبان کو اپنے حلقوم لٹے! کہ تو میرے امیر سے مخاطب ہے۔ راشیل نے پریشانی میں اور دہی زبان لایا۔ امیر! کس کا اور کہاں کا امیر! سبورو نے دانت پس کر نقیب کی طرف بے کہا۔ تو میرے قہر سے بچ نہ سکے گا۔ راشیل نے اس بار اپنا لب و لہجہ تبدیل کر کے پھر عامر سے پوچھا۔ آپ نے یہ نہیں بتایا مجھے کیوں اغوا کیا گیا ہے۔

عامر نے اس کی حالت میں سبورو کی طرف دیکھ رہا تھا چونکا اور راشیل کی طرف دے اس نے کہا۔ سنو! یہ سبورو قلعہ حارم کے قریب سے ایک مسلمان عورت کی جوان اور لڑکی اٹھا کر انطاکیہ لے آیا تھا۔ وہ عورت پہلے عیسائی تھی اور بعد کو مسلمان۔ اس سبورو کی رشتہ دار ہے۔ اس سبورو نے اس سے مسلمان ہونے کا انتقام لے لیا۔ اس نے اس کو اغوا کر کے انطاکیہ میں فروخت کر دیا۔ لڑکی کو خریدنے والا تھا۔ تمہارے باپ نے اس لڑکی کو بے آبرو کرنا چاہا جس کے حجاب مسلمان لڑکی نے خنجر مار کر اپنے آپ کو ختم کر لیا۔ وہ عورت میرے پاس لائی تھی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اُسے اُس کی بیٹی واپس لا کر دوں گا۔

میں اس کی بیٹی تو حاصل نہیں کر سکا لیکن سبور کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوا وہ جس طرح چاہے اس سے اپنی بیٹی کا انتقام لے لے۔

عامر ذرا رکا پھر راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہیں اس لیے کیا گیا ہے کہ تمہارے باپ کو احساس ہو کہ بیٹی کی کس قدر وقعت اور عزت ہے۔ اس نے کسی کی بیٹی کو بے وقعت کرنا چاہا۔ اب اسے اپنی بیٹی کی جہا رونا ہوگا۔ راشیل نے بچا رگی اور تنگی میں کہا۔ یہ رذالت اور کم ظرفی تو میرے لیے ہے اس کی سزا مجھے کیوں ملنی چاہیے۔ عامر نے غضب کی حالت میں جس وقت میں تمہیں اٹھانے گیا تھا اس وقت میں چاہتا تو تمہارے باپ کو قتل دیتا لیکن اس نے تو اس لڑکی کو خریدنا ہی اپنی اسی خواہش کے لیے تھا جس کا اظہار کیا تھا۔ لہذا میں نے اسے معاف کر دیا اور اس سبور کو اپنے ساتھ لے جاؤ اس لڑکی کو اغوا کرنے، بیچنے اور اس کی ناحق موت کا ذمہ دار ہے۔

راشیل نے حقارت سے سبور کی طرف دیکھا پھر کمال نفرت میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا اور بھڑک کر کہا تو قابل نفرت اور قابل مواخذہ تو واجب القتل اور مصلوب کیے جانے کے قابل ہے۔ سبور نے غصے میں پیتے ہوئے راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تو بھی میرے غضب اور غدارہ پنچ نہ سکے گی۔

غار میں چند ثانیوں تک خاموشی رہی پھر عامر نے نقیب کی طرف دیکھا کہا۔ تم اس کمر پر کھانا لگاؤ میں سبور کے ہاتھ کھولتا ہوں۔ نقیب نے عامر سے کھانے کی چیزیں نکال کر کمر پر لگا دیں، پانی سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ بھی رکھ دیا۔ جو بہی سبور کے ہاتھ کھلے اس نے الاؤ سے جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اسے نقیب پر حملہ کر دیا۔ نقیب ایک لمبی جبت لگا کر دوڑ جا کر اودا پنا گیا۔ پھرے ہوئے سانپ کی طرح سبور واپس مڑا اور اسی جلتی مرنج لکڑی نے راشیل پر حملہ کر دیا۔ راشیل اٹھ کر بھاگ نکلی۔ سبور نے جلتی لکڑی اور

ہماری اور اس کی گوشت سے بھری، گداز اور خوبصورت ٹانگ جھلسا کر بی۔ راشیل نے تھوکر کھائی اور گر پڑی۔ سبور نے آگے بڑھ کر جلتی ہوئی لکڑی میں پرگری ہوئی راشیل کا چہرہ جھلسا دینا چاہا لیکن عامر اس وقت حرکت میں آیا اور اس نے آگے بڑھ کر جب سبور کو روکنا چاہا تو سبور نے عامر پر حملہ کر دیا اور سبور کا لکڑی والا ہاتھ پکڑ لیا اور سبور کے منہ پر ایک مکتہ دے مارا۔ بے ہاتھ سے جلتی ہوئی لکڑی چھوٹ گئی اور وہ انتہائی بے بسی کے عالم میں پتھر لیے فرش پر جا گرا تھا۔

عامر نے جلتی ہوئی لکڑی اٹھا کر الاؤ میں پھینک دی تھی۔ سبور کے اس رویے کی حالت اس دندے جیسی ہو گئی تھی جس پر کسی نے کمین گاہ سے حملہ کر دیا عامر نے ایک لمبی جبت لی اور سبور کے اوپر آ کر مارا۔ سبور نے اپنے آپ کو بچانا نہ عامر نے بری طرح اسے دبوچ کر بے بس کر دیا تھا اور پھر اس نے لگاتار کئی سبور کے دے مارے۔ سبور بری طرح کراہا اٹھا۔ اس کا شانہ عامر کے سے جھک سا گیا تھا۔

سبور نے مزاحمت ترک کر دی اور اپنے بازو زمین پر پھینک کر بے بسی کر دیا تھا۔ عامر نے اسے گریبان سے پکڑ کر اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ تو انطاکیہ بند کا شاہی بیخ زن ضرور ہے لیکن تو ایسا تو نہیں کہ کوئی تجھے زیر نہ کر سکے۔ موت کے میدان میں تجھے شکست دے سکتا ہوں تو یاد رکھ یہاں ان کو بہتانی ملے ایسا کوئی نہیں جو مجھے تمہاری سپلیاں توڑنے سے روک سکے۔ اٹھو! اور راشیل سے اپنے رویے کی معافی مانگو، ورنہ میں الاؤ سے جلتی ہوئی لکڑی ہماری ٹانگوں کو اسی طرح جھلسا دوں گا جس طرح تو نے راشیل کی ٹانگ جھلسائی بلند نے فوراً ہاتھ جوڑ کر نقیب اور راشیل سے معافی مانگ لی۔

سبور کو چھوڑ کر عامر راشیل کے پاس آیا اور سبور کی کا اظہار کرتے ہوئے ہماری ٹانگ زیادہ تو نہیں جھلسی۔ راشیل نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

لے لیے یہی کافی ہے کہ وہاں تمہیں اپنے گھر سے بھی بہتر ماحول ملے گا۔ تمہیں وہاں صرف
ایک سال رہنا ہوگا اس کے بعد تمہیں باعزت طور پر پرواپس لوٹا دیا جائے گا اب
اٹھکھانا کھاؤ۔ راشیل اٹھ کر کھانے کے کبل پر آگئی۔ عامر نے سبور کی طرف اشارہ
کیا۔ تم بھی آ جاؤ۔ سبور بھی عامر کے سامنے بیٹھ گیا اور چاروں مل کر کھانا کھانے لگے
تھے۔



وہ پورا دن اُنہوں نے غار کے اندر گزارا۔ برف باری اب تھم چکی تھی۔ بادل
ٹھٹھ گئے تھے اور آسمان صاف ہو گیا تھا۔ جب شام ہو گئی اور اندھیرا گرا ہو گیا
عامر کے کہنے پر نقیب گھوڑوں پر زینیں ڈالنے اور بستر لیٹنے لگا۔ عامر نے پہلے
بور کے ہاتھ نشت پر باندھے پھر اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا۔ سبور سے فارغ
ہو کر جب وہ راشیل کی طرف بڑھا تو راشیل نے انتہائی بے چارگی میں منست
رتے ہوئے کہا۔

میرے ہاتھ اور منہ نہ باندھیے۔ انطاکیہ سے یہاں تک اس حالت میں سفر
مانے نہایت تکلیف دہ حالت میں گزارا ہے۔ میری طرف سے آپ مطمئن رہیے
مانہ تو جھگٹے پاؤں کی، نہ ہی مدد کے لیے کسی کو پکاروں گی۔ میں بالکل بے ضرر
ہوں گی۔ مجھ سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں سبور جیسے بھیڑیے
مدد کے لیے پکارنے پر آپ کی پناہ کو ترجیح دوں گی۔

عامر نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رسی اور کپڑا خرچین میں ڈال دیئے۔ اتنی
بلک نقیب کوچ کی تیاری کر چکا تھا اور دونو بستر بھی لپیٹ کر اس نے زینوں
باندھ دیئے تھے۔ نقیب نے سبور کو اٹھایا اور اپنے گھوڑے پر ڈال کر اس
بل ڈال دیا۔ راشیل کبل لپیٹ کر خود ہی اٹھی اور عامر کے گھوڑے پر بیٹھ
اُس نے اپنے آپ کو اچھی طرح کبل میں لپیٹ لیا تھا۔ عامر اور نقیب بھی سوار
رغار سے نکلے اور واپس اس راستے کی طرف روانہ ہوئے جیسے چھوڑ کر وہ پناہ کی

نہیں میں بچ گئی ہوں۔ میری ٹانگ کو کوئی نقصان نہیں ہوا صرف میرا ہاں
ہے۔ موٹے کپڑے ہونے کی وجہ سے میں بچ گئی درنہ یہ بچھرا ہوا سو ر مجھے
چکا ہوتا۔ راشیل نے دوبارہ الاؤ کے پاس کبل پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ میں
ایک اطمینان کرانا چاہتی تھی کہ اس نے غار میں طوفان کھڑا کر دیا۔ عامر نے
کبل پر بیٹھتے ہوئے پوچھا، کیسا اطمینان؟

راشیل نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ پہلے آپ مجھے یہ بتائیے،
میرے لیے شناسا کیوں ہے۔ یوں لگتا ہے یہ آواز میں نے پہلے بھی کہیں
عامر نے مسکرا کر کہا، ہاں میری آواز پہلے بھی تم نے سُن رکھی ہے۔ میرا
نافع ہے اور میرے ساتھی کا نام نقیب ہے۔ میں داوی جبلہ کے سرچ
کا امیر ہوں۔ میری تمہاری ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب تم طیلوس کے
ساتھ گجھی میں اس انٹمرہ کی طرف آرہی تھیں اور میں نے حملہ کر کے طیلوس
آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

راشیل نے کچھ سوچنے کے انداز میں کہا۔ بالکل سچ کہا آپ نے
آپ چہرے پر خود کا نقاب ڈالے تھے۔ لہذا میں آپ کو پہچان نہ سکی تھی
آپ سے جو اطمینان لینا چاہتی تھی اس کی ضرورت نہیں رہی۔ عامر نے
تم کیسا اطمینان چاہتی تھیں۔ راشیل نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے کہا۔
میں یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ جہاں آپ مجھے لے جا رہے ہیں کیا وہاں میرا
ہوگی مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں لیکن میں اپنی عفت و آبرو کی ضمانت
لیکن اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اگر آپ سبور کی قسم کے آدمی ہوں
روز می عزت و وقار سے مجھے نہ جانے دیتے جس روز گجھی میں آپ سے
ہوئی تھی۔

عامر نے نہایت سنجیدگی میں کہا۔ جہاں میں تمہیں لے جا رہا ہوں
تمہیں کوئی میلی آنکھ سے بھی دیکھے تو اس کی وہ آنکھ نکال دی جائے۔ تمہا

خاطر اس غار کی طرف آئے تھے۔

ایک جگہ جہاں چشمے کا پانی کوہستان سے اتر کر نشیب کی طرف بہتا ہے عامر رک گیا۔ نقیب نے بھی اپنے گھوڑے کو روک لیا اور عامر کی طرف دیکھنے لگا۔ عامر نے نیچے اتر کر مشکیزہ پانی سے بھر کر زمین سے باندھ لیا اور دونوں پھلنے لگے کوہ جنوب کی طرف جانے والی شاہراہ کی طرف دوڑا رہے تھے۔

دوسرے روز دوپہر کے قریب عامر اور نقیب نے چوٹی پہل سے جوڑ پار کیا۔ پھر وہ اپنی وادی میں داخل ہو رہے تھے۔ جب وہ کچھ فاصلہ آگے بڑھ تو انہوں نے دیکھا کہ پہاڑ کے اُپر اور دامن میں ان گنت بکریاں چر رہی تھیں ایک بوڑھا جو عربوں جیسی قبا پہنے ہوئے تھا پہاڑ کے اُپر کھڑا بکریوں کی نگہ کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بربط تھا۔ جسے بجا کر وہ گارہا تھا۔ عامر اس بوڑھے چرواہے کو پہچان نہ سکے۔ نہ ہی وہ اس کے گیت کو سن پارہے۔ جب وہ اور نزدیک ہوئے تو اس چرواہے کی آواز صاف اور واضح ہو کر اس سماعت سے ٹکرائی۔

آواز کا سوز اور محن مغنی ایسا پرکشش تھا گویا زردوں کے طلسم کی طرح صبح نجات کی طرح دلفریب، افسوں انتظار کی طرح پُر تاثیر اور سنہرے خوابوں خیرہ کن۔ اب اس نغمہ زن مغنی کے اشعار انہیں صاف سنائی دے رہے تھے کی مدھر دھن پر وہ اپنی فصول خیز آوازیں گارہا تھا۔

اذا ماسری برق بدت من خباله

کما لاحت العذراء من خلل السحاب

فكم من جنود امانت بغصاة

و ذی سطوات قد ابانت علی عقب

(ترجمہ) جب بجلی چمکتی ہے تو اُس کے درمیان سے اس طرح ظاہر ہوتی ہے جس طرح کوئی غذا اپنے چہرہ تاباں کو سیاہ زلفوں

کے اندر سے نمودار کرتی ہے۔ کتنے ہی لشکر ہیں جو اس کے ہاتھوں رنج و مصیبت میں پڑ کر تباہ و برباد ہو گئے اور پھر سطوت و شوکت رکھنے والوں کو اُلٹے پاؤں واپس ہونا پڑا۔

يَعْدَدُ مِنَ النجم الافلاك رقبها
لَو انَّهُ كَانَ يَجْرِي فِي مجاريها
كأمت لبون سموها وَعَلُوها

تستوقف الفلك المحيط الدائر

(اگر اس کے برج ستاروں کی طرح حرکت کرتے ہوتے تو ان پر سے افلاک کے ستارے بھی گرنے جاسکتے تھے۔ وہ وقت دور نہیں کہ یہ قلعہ اپنی بلندی اور رفعت و استحکام کے باعث فلک محیط کی گردش کو روک دے گا۔

پہاڑ کی چوٹی پر بربط بجا کر گاتا ہوا وہ مغنی عامر اور اس کے ساتھیوں بھگڑا چانک خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنا بربط زمین پر رکھ دیا۔ ایک تھپر رب بیٹھ کر اس نے کچھ لکھا۔ پھر وہ کاغذ جس پر اس نے کچھ لکھا اور ایک باندھا اور اس تیر کو اس نے عامر کی طرف چلا دیا تھا۔ تیر سنستا ہوا عامر رب زمین میں پیوست ہو گیا۔ عامر آگے بڑھا اور تیر کے ساتھ بندھا ہوا اس نے کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا

اے کوہستان جبلہ کے مسافر! رگ جاؤ۔ یہ وادی سرحدی عقاب کی ہے اور اس کے ہر تھکر کے پیچھے تمہیں سرحد کا ایک پاسان نظر آئے گا۔ میرے دوسرے فیصلے تک یہیں رُک کر انتظار کرو۔ خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے اپنی مرضی سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میرے تیر تم سب کا سینہ پھلنی کر دیں گے اور پھر تمہارے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ

ہی چکی چلا رکھی ہے جس سے کوئی محفوظ اور مامون نہیں ہے۔ سو میں دمشق
نیرباد کہہ کر تمہاری طرف چلا آیا۔

عامر نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔ اور یہاں آکر آپ بکریاں کیوں چرا
ہے ہیں۔ جہاں میں رہوں گا وہیں آپ کی رہائش بھی ہوگی۔ آپ یہاں میرے
ملاح کار اور ناصح بن کر رہیں گے۔ پھر عامر نے نقیب کی طرف اشارہ کر کے کہا
یہ میرا دست راست نقیب بن حره ہے۔ ایک خلص دوست اور بے غرض
اتھی۔ نقیب نے بھی آگے بڑھ کر عیس سے مصافحہ کیا۔ پھر عامر کے اشارے
مب جوان واپس چلے گئے جب کہ عامر اور نقیب عیس کو لے کر آگے بڑھ
ئے تھے اب وہ پیدل ہی چلے جا رہے تھے۔

عامر کے آنے کی اطلاع انا نانا بستی اور مستقر میں پھیل گئی تھی۔ اور
اُنکے مراد اور عورتیں تربیت کے میدان میں جمع ہو گئے تھے۔ تنگ گھاٹی
میں نکل کر عامر جب کھلے میدان میں داخل ہوا تو لوگوں نے چاروں طرف سے
بے گھیر لیا۔ لوگوں کے ہجوم میں عامر اور نقیب آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ اُن کے
منے بوڑھی خاتون ماریہ آگئی اس کے ساتھ مونس اس کی بیوی اسماع اور
بہ بھی تھی۔

ماریہ نے ہاتھ بلند کر کے عامر کو رکنے کا اشارہ کیا اور عامر رُک گیا۔ اتنے میں
ل کے ہجوم کے اندر سے سعد نکل آیا پہلے اس نے عامر اور نقیب سے مصافحہ کیا
مونس نے اور دونوں عامر کے پہلو میں کھڑے ہو گئے۔ راشیل بھی گھوڑے سے
نی اور عامر کے قریب ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اتنے لوگوں کے ہجوم میں وہ خوفزدہ ہو
اتھی اسی لیے وہ عامر سے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔

عامر کے اشارے پر نقیب نے سبور کے ہاتھ کھول کر اس کے منہ پر بندھا
پڑا بھی ہٹا دیا اور وہ بھی نیچے اتر کر نقیب کے قریب کھڑا ہو گیا۔ ماریہ آگے بڑھی
ناہمانی مایوسی کے عالم میں عامر کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ اے سرحدوں

رہے گا۔

عامر اور نقیب اپنے گھوڑوں کو ایک جگہ روک کر کھڑے ہو گئے
نے نقیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ نقیب! نقیب! نہ جانے یہ چرا
ہے۔ اس کی تحریر کی حُب الوطنی اور شجاعت کے رنگ میں ایک اپنا
اس کے الفاظ کی ادائیگی میں درد و سوز اور اس کے لہجے میں ایک محاذ
پاسان کی نسی عقیدت اور اراد مندی ہے۔ اس کے برہٹ کا ساز و ساز
کے سرور کا آہنگ میرے لیے شناسا ہے۔ یوں لگتا ہے برسوں پہلے
سے بچھڑ گئی تھی اور آج پھر میرا دستہ روک کر کھڑی ہو گئی ہے۔ کاش
سکتا میری قوم کا یہ محسن اور میری ملت کا یہ بزرگ کون ہے۔ اور یہ کہ
اس وادی میں داخل ہوا ہے۔ عامر خاموش ہو گیا کیونکہ اس بوڑھے چرواہے
اشارے پر کچھ جوان اپنی تلواریں سونتے پہاڑ سے نیچے اترنے لگے تھے۔
پیچھے پیچھے وہ بوڑھا بھی نیچے اترنے لگا تھا۔ لیکن اس کی رفتار دوسروں
سست تھی۔

عامر اور نقیب اپنے گھوڑوں سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔ پہاڑ
والے نزدیک آ کر عامر اور نقیب کو پہچان گئے اور آگے بڑھ کر دونوں سے
کرنے لگے۔ اتنی دیر تک وہ بوڑھا بھی قریب آ گیا۔ عامر اسے پہچان گیا و
بن حراں تھا۔ وہی عیس جو برہٹ بجا کر دمشق کی بد حالی کے گیت گایا اور
عامر نے اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور عیس کی طرف بھاگا۔ عیس
آ کر عامر کو گلے لگا لیا۔ عامر نے عیس کی گردن پر سر رکھتے ہوئے کمال
پوچھا۔ اے میرے بزرگ! آپ کب اس وادی میں داخل ہوئے۔

عیس نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ مجھے یہاں آئے تین روز
ہیں۔ دمشق میں اب میرے جیسے انسان کا رہنا محال ہے۔ طاہر المرزغانی جو
کا وزیر ہونے کے علاوہ شہر کا کوتوال اور محتسب بھی ہے۔ اس نے شہر

کے سے بچے میں کہا۔ تم بھی میرے ساتھ چلو بیٹا! آج سے تم ہم سب کے ساتھ
 کی حویلی میں رہو گے۔ عامر چپ چاپ ماریہ کے ساتھ ہو گیا۔ نقیب، سعد،
 اسماء اور مونس بھی ان کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ دوسرے لوگ اب
 اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔

جب وہ حویلی میں داخل ہوئے تو عامر نے دیکھا مونس نے اپنے اور اسماء
 لیے حویلی کے صرف دو کمرے اپنے پاس رکھے تھے اور باقی کے پانچ کمرے عامر
 ب، سعد، ماریہ اور امیر کے لیے وقف کر دیئے گئے تھے۔ ماریہ نے ان کمروں
 کا اشارہ کرتے ہوئے عامر سے کہا۔

عامر! عامر! میرے بیٹے! آج سے ہم ان کمروں میں ایک ہی خاندان
 فراہم کی طرح رہیں گے۔ میری ایک بیٹی مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئی لیکن راشیل
 میری صورت میں اللہ نے مجھے دواور بیٹیاں دے دی ہیں۔ یہی نہیں تم۔
 اب اور سعد میرے بیٹے ہو اور جس ماں کے تین شیر دل بیٹے ہوں اسے کیسا غم
 افکندہ۔ اب ان ہی کمروں میں ہم سب کھانے اور رہنے کا انتظام ہوگا۔
 سب کے ساتھ ان کمروں کی طرف چلی گئی تھی۔



کے پاس بان! میری بیٹی کہاں ہے؟
 عامر کی گردن جھک گئی اور وہ ماریہ کو کوئی جواب نہ دے سکا تھا۔
 آگے بڑھی اور عامر کے دونوں شانے پکڑتے ہوئے اس نے نہایت شفقت اور ہمدردی
 سے کہا۔ 'نافع کے بیٹے اگر دن نہ جھکاؤ۔ منہ اُپر اٹھا کر مجھ سے بات کرو۔ یہ
 دیکھ رہی ہوں تم سب کو اٹھا لائے ہو بتاؤ، میری بیٹی کہاں ہے۔ بلا جھجک کہہ دو
 اس دنیا میں جب کہ میرا کوئی سہارا نہیں رہا۔ اب تم ہی میرے بیٹے اور غمگسار
 کہہ دو بلا جھجک کہہ دو، کیا ہوا میری بیٹی کو۔

عامر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ اے
 میں شرمندہ ہوں میں تمہاری بیٹی نہ لاسکا۔ پھر اس نے سبور کی طرف اشارہ کرتے
 کہا اس نے تمہاری بیٹی کو انطاکیہ کے ایک رئیس کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔
 رئیس نے جب تمہاری بیٹی کو بے آبرو کرنا چاہا تو اس نے خودکشی کر لی۔ پھر عامر
 راشیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، سبور کے ساتھ ساتھ میں اس رئیس کی
 کو بھی اٹھا لایا ہوں چاہو تو اس سے اپنی بیٹی کا انتقام لے لو جب کہ گناہ گار اس
 ہے یہ نہیں اور چاہو تو اس کو اپنی بیٹی بنا کر لو۔

ایک دم غصے میں بوڑھی ماریہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ایک جھٹکے کے
 اس نے عامر کی تلوار کھینچ لی۔ راشیل خوفزدہ ہو گئی اور تیزی سے حرکت میں آکر
 کے پیچھے کھڑی ہو گئی تھی۔ ماریہ نے عامر کی تلوار لہرائی اور پھر سبور کے سینے
 گھونپ دی۔ تلوار سبور کا دل چیرتی ہوئی نکل گئی اور وہ زمین پر گر کر دم توڑ گیا
 اب ہاتھ میں خون آلود تلوار لیے راشیل کی طرف بڑھی۔ راشیل عامر کے پیچھے کا
 خوف اور دہشت میں بُری طرح کانپ رہی تھی۔

ماریہ نے آگے بڑھ کر راشیل کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ تو خوف زدہ نہ
 تیرا کوئی قصور نہیں۔ تو یہاں میری بیٹی بن کر رہے گی تیرے لیے تفکّر اور غم کا
 اندیشہ نہیں ہے۔ راشیل کے ساتھ ساتھ ماریہ نے عامر کا ہاتھ بھی پکڑ لیا اور

راشیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ بہت دنوں بعد سوال ہے۔ گوئیں یہاں اسیر ہوں لیکن میری زندگی اسیر کی سی نہیں ہے۔ اپنے گھر سے بھی بہتر ماحول ملا ہے۔ عامر نے اس بار ماریہ کی طرف دیکھتے۔ ماں! راشیل سے گھر کا کام نہ لیا کرو۔ ورنہ یہاں سے واپس جا کر ہم برائی کرے گی۔ ماریہ کی بجائے راشیل نے خود ہی جواب دیا۔ یہ آپ سے ہا۔ کوئی مجھ سے کام لیتا ہے۔ میں گھر کا کام اپنی خوشی اور رضا سے

۱۔

امیرہ برتن دھوتی رہی۔ راشیل اپنی جگہ سے اٹھی اور ماریہ کے قریب گئے اس نے پوچھا۔ ماں! میں ان کے لیے کھانا لاؤں۔ ماریہ نے پرسکون ہالے آؤ بیٹی! میں فرش پر چٹائی بچھاتی ہوں جس کمرے سے ماریہ نکلی میں اس نے چٹائی بچھا دی۔ راشیل بھاگ بھاگ کر وہاں کھانے کے لگی۔ عامر، نقیب اور سعد بھی چٹائی پر بیٹھ کر کھانا شروع ہی کرنے ہو چکی کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔

عامر اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔ تم دونوں بھائی کھانا کھاؤ۔ میں دیکھتا آیا ہے۔ نقیب نے فوراً اٹھ کر جوتے پہنتے ہوئے کہا۔ آپ بیٹھیں میں ہوں کون ہے۔ عامر چٹائی پر بیٹھنے لگا تھا کہ اس نے دروازے پر داز سنی۔ وہ گھبراہٹ اور پریشانی میں کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ عامر کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ سعد نے بھی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور وہ بھی بیرونی دروازے کی طرف چل دیا۔

انہوں نے دیکھا ایک مسلح جوان جو سیاہ گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے اڑے پر کھڑا تھا۔ جو نہی اس کی نگاہ عامر پر پڑی۔ اس نے بے صبری کا تے ہوئے کہا۔ یا امیرہ! طیطوس کے لشکر کا ایک حصہ آج شام سے ت بھی یہاں سے پانچ میل اُدپر کی مسلمان بستیوں پر حملہ آور ہوگا۔ اس



پرواز نخیل اور پیاسے صحرا میں اٹھنے والے گراؤز کی طرح دن گزرتے رہے عامر دن رات محنت کر کے اپنی قوت میں اضافہ کر رہا تھا۔ اب دور دور کی سرحد بستیوں کے مسلمان بھی اس سے پورا پورا تعاون کر رہے تھے۔ اب اس کے پاس آٹھ ہزار مسلح اور تربیت یافتہ مجاہدوں کا لشکر تھا وہ نو آموز سپاہی جو ابھی زیر تربیت تھے اس کے علاوہ تھے۔ پہاڑوں کے دامن میں واقع مستقر کو اور وسیع کر دیا گیا تھا اور جو سپاہی شادی شدہ تھے۔ اب ان کے لیے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہنے کا انتظام کر دیا گیا تھا۔

ایک روز عامر، نقیب، سعد اور مونس نو آموز جوانوں کو جنگی تربیت دینے کے بعد دوپہر کے کھانے کے لیے حویلی میں داخل ہوئے۔ مونس اس طرف مڑ گیا۔ جہاں وہ اپنی بیوی اسماء کے ساتھ رہتا تھا۔ عامر، نقیب اور سعد حویلی کے دوسرے حصے کی طرف چلے گئے۔ عامر نے دیکھا صحن میں راشیل اور امیرہ بیٹھی برتن دھو رہی تھیں اور سامنے والے کمرے میں ماریہ بیٹھی شاید انہی کا انتظار کر رہی تھی راشیل کے پاس سے گزرتے ہوئے عامر رک گیا۔ اتنی دیر تک ماریہ بھی اٹھ کر باہر آگئی۔ عامر نے صرف ایک لمحہ راشیل کی طرف دیکھا پھر مدھم مدھم سی آواز میں اس نے پوچھا۔ تم یہاں کیسی ہو؟

یا تھا۔ مائیل اور امیر پریشان کھڑی رہ گئی تھیں۔ ماریہ عام کو آوازیں دیتی رہ گئی لیکن عام نے کسی کی نہ سنی تھی۔ اصطبل میں آکر تینوں نے ذرہ پنہیں سہر پر خود اور جب وہ اپنے آپ کو ہتھیاروں سے مسلح کر کے اپنے گھوڑوں پر سوار ہونے تو مونس بھی اپنے آپ کو مسلح کر کے اپنے گھر سے نکل آیا۔

چاروں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور حویلی سے باہر آکر انہوں نے لڑا تھا لیا اور مستقر کی طرف اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔ عام مستقر سے اپنے چار ہزار جنگجوؤں کو ساتھ لیا۔ میدان سے نکل کر انہوں نے گھاٹی کو عبور کر کے جبلہ ندی کا چوبی پل پار کیا۔ پھر وہ بائیں ہاتھ مڑ کر گھاٹی لدغان کی طرح آگے بڑھنے لگے تھے۔ جو خبر یہ خبر لایا تھا وہ لشکر کی راہنمائی رہا تھا۔

پانچ میل اُد پر جا کر خبر کے کہنے پر عام نے لشکر کو روک دیا۔ وہاں اس لشکر کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا۔ آدھا حصہ اس نے اپنے پاس رکھا اور اس نے نقیب کے حوالے کیا۔ مونس کو بھی اس نے نقیب کے ساتھ کر دیا تھا۔ جب کہ طبیب سعد بن حمیل کی مرہم پٹی کرنے والے دستوں کی راہنمائی رہا تھا۔ اپنے دو ہزار کے لشکر کو لے کر عام پہاڑوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ اب کے ساتھ دو ہزار جوانوں کو اس نے ایک نمایاں جگہ کھڑا کر دیا تھا جہاں دشمن پر نگاہ رکھ سکے۔ اس طرح دو گروہوں میں بٹ کر وہ دشمن کا انتظار بنے لگے تھے۔

کوئی ایک ساعت بعد طیطوس کا ایک لشکر وہاں نمودار ہوا۔ لشکر کی اوجین ہزار سے کسی صورت کم نہ ہوگی اور وہ وہاں سے گزر کر جنوب میں واقع مانول کی بستیوں کی طرف بڑھنا چاہتا تھا لیکن نقیب ان کی راہ کو کھڑا ہوا۔ کوہتاؤں سے گھری ہوئی ایک وادی میں دونوں لشکر ایک دوسرے سے بریکار ہو گئے تھے۔

بارہ ایک گہری چال چل رہے ہیں۔ انہیں یہ خبر تو ہو چکی ہے کہ ان کے سیکڑا جوان جبلہ کے اس پار مارے گئے تھے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا یہ نقصان کس کے ہاتھوں ہوا۔ اسی راز کو جاننے کے لیے طیطوس نے اپنے لشکر روانہ کیے ہیں۔

ایک لشکر جس کی حیثیت ہراول دستے کی سی ہوگی۔ مسلمان بستیوں کی لوٹ مار کا سلسلہ شروع کرے گا۔ دوسرا لشکر اس ہراول سے دواہٹ کراوٹ میں رہے گا اور اگر ان کے ہراول پر کسی نے حملہ کیا تو یہ دوسرا لشکر پشت کی جانب سے اپنے ہراول کی مدد کرے گا۔ اس طرح طیطوس یہ چاہتا ہے کہ اس کے لوٹ مار کرنے والے لشکروں کو کیسے اور کون نقصان پہنچاتا ہے۔ ان سب کی توجہ چھ ہزار کے قریب ہوگی۔

جب آنے والا وہ خبر کا تو عام کی ایسی آواز بلند ہوئی گویا تہ گرداب سے افلاک کا دربان بن کر کوئی بولا ہو۔ اس نے اس خبر سے مخاطب ہو کر پوچھا تھا۔ کیا تہ اس علاقے کی نشاندہی کر سکو گے جسے طیطوس کے آدمی اپنی ترکاز کا حدف بنائیں گے۔ اس آنے والے نے ایک عزم کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”اے امیر! آپ مطمئن رہیے، میں اس جگہ سے خوب واقف ہوں۔ میں آندھی، جھکڑوں اور برف کے طوفانوں میں بھی آپ کو اس جگہ کی نشاندہ کر سکتا ہوں۔ ایا امیر! یہ پانچ میل کی مسافت تو کچھ نہیں۔ اب ہم میں قدر استطاعت ہے کہ ہم راتِ شمرہ سے کوہتاں حرمون اور انطاکیہ سے قلعہ مار کے جنوب تک اپنے ہر حرف اور نشانے کی پہچان رکھتے ہیں۔

عام نے اس سے آگے کچھ نہ کہا تھا۔ وہ اس کمرے کی طرف بھاگا تھا جہاں بیٹھ کر وہ کھانا کھانے لگا تھا۔ وہاں پڑے ہوئے اس نے اپنی زرہ اور جنگی ہتھیار اٹھائے اور اصطبل کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ نقیب اور اسد بھی اس کے پیچھے اپنے ہتھیار اٹھا کر اصطبل کی طرف چلے گئے تھے۔ مونس بھاگ کر اپنے گھر کے اندر

باقابل تلافی ضرب لگ رہی تھی۔ لہذا یوراکہ اپنے لشکر کو لے کر عامر کی مت بھاگا۔ وہاں مونس دشمن سے زندگی اور موت کی جنگ کر رہا تھا۔ اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ جب اس طرف سے بھاگنا چاہا تو مونس نے برد لڑتے سپاہیوں کے ساتھ آہنی دیوار بن کر یوراکہ کی راہ روک دی تھی۔ یوراکہ کی حالت اس بھیڑیے جیسی ہو گئی تھی جسے ہر طرف سے نیزہ بردار نے گھیرے میں لے لیا ہو۔ اسے اپنی زندگی تک خطرے میں پڑتی دکھائی دے۔ کیونکہ پشت کی طرف سے عامر لڑتا لڑتا اجل کا پیغام بن کر اس کے سر آ رہا تھا۔ یوراکہ نے فرار کی راہ بنانے کے لیے اپنے لشکر کی پوری قوت قاس طرف حملہ کر دیا جہاں مونس لڑ رہا تھا۔ یوراکہ نے مونس پر حملہ سے ختم کر دیا اور اپنے چوتھائی حصے سے بھی کم بچنے والے لشکر کو لے کر ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سعد نے اپنے دستوں کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کے ساتھیوں کی طبی مدد کرنا چاہی لیکن وہ تو سب موت کے بے بغل گیر ہو چکے تھے۔

عامر اپنا گھوڑا بھگتا ہوا مونس کی لاش کے قریب آیا۔ گھوڑے سے نکل کر وہ لہو لہان مونس کو دیکھتا رہا پھر جھک کر اس نے مونس کی تہ ہوسے کہا۔ اے ابن نصر! خدا کی قسم تو نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ یوراکہ سے تیرے قصاص کا حق ادا کر دوں گا۔



سپر کے قریب جب کہ امیر صحن کے ایک کونے میں پتھروں سے بنے کے تختہ حوض پر بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی۔ راشیل اس کمرے میں لڑجس میں ماریہ بیٹھی ہوئی تھی۔ عامر، نقیب اور سعد کے جنگ پر بھوکا پردہ اُٹاس اور اندر وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ راشیل اس سے قریب گئی اور اس کے انداز میں پوچھا۔ اے مادرِ مہربان! میں نے سن رکھا ہے۔ تم

نقیب نے شروع میں ہی دشمن کو جھنے نہ دیا تھا۔ گو اس کا لشکر تعداد میں طیطوس کے اس رونا ہونے والے لشکر سے آدھا تھا۔ اس کے باوجود نقیب نے ایسے انداز میں حملہ کیا تھا کہ دشمن کو اس نے ایک جگہ جم کر لڑنے کا موقع ہی نہ دیا تھا اور وہ پے درپے انہیں پیچھے دھکیلتا جا رہا تھا۔ عین اس وقت جبکہ نقیب اپنے غصے سے لشکر کے ساتھ دشمن کو شکست سے دوچار کرنے والا تھا۔ پہاڑوں اندر سے طیطوس کا ایک اور لشکر نمودار ہوا۔ کوہستانوں کی اوٹ میں بیٹھا ہوا عامر اس لشکر کو دیکھ چکا تھا لہذا وہ گھات سے نکل کر اس لشکر کے تعاقب میں لگ گیا تھا۔ اس تعاقب کے دوران غمرا پنا گھوڑا دوڑاتا ہوا عامر کے قریب لایا اور اسے آوازیں پکار کر کہا۔

یا امیر! یہ جو لشکر اب نمودار ہوا ہے اس کا سالار طیطوس کا چھوٹا بھائی یوراکہ ہے۔ عامر نے جواب میں کچھ نہ کہا تاہم اس کے چہرے پر آہنی جذبے کے گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی عامر نے اپنی بلند آوازیں اللہ اکبر کی صدا بلند کی جو کہ میں لشکر نے کئی بار کوہستانوں کا سینہ چیر دینے والی آوازوں میں تکبیریں بلند کر عامر پشت کی جانب سے یوراکہ کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ اللہ اکبر کی صداؤں سے نقیب کے ساتھ لڑنے والا طیطوس کا لشکر بھی چونک پڑا اور وہ تیزی سے پسپا ہو کر یوراکہ کے ساتھ آ ملا تھا۔

اب ایک طرف سے عامر اور دوسری طرف سے نقیب اور مونس دشمن پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ گو یوراکہ ایک ماہر جنگجو تھا لیکن عامر اور نقیب کے سامنے وہ اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ بھی نہ جم سکا تھا۔ اس کی حالت اس گدھ جیسا ہو گئی تھی جس پر کسی بھوکے اور خوشخوار شاہین نے حملہ کر دیا ہو۔ عامر نے کچھ ایسے انداز میں یوراکہ کے لشکر کا قتل عام شروع کر دیا تھا جیسے کوئی جوان دوانا کلو صحرا کے نخل کو کاٹ پھینکنے کا عزم کر چکا ہو۔

جلد ہی یوراکہ کے لشکر میں شکست کے آثار واضح ہو گئے۔ عامر کی طرف

ماریہ نے ذرا سوچتے ہوئے کہا اس نے پیش گوئیاں تو بہت ہی بتائی
لیکن مجھے ان میں سے چند ایک ہی یاد رہی ہوں گی۔ بہر حال تم سنو۔ توریت
تثنا۔ باب ۳۳ کی آیت ۲ میں لکھا ہے۔ کہ "خداوند سینا سے آیا اور
ہے اُن پر ظاہر ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے
آیا۔ اس کے واسطے ہاتھ میں ان کے لیے شریعت تھی۔" ماریہ کی اور پھر غور
شیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس پیش گوئی کی تفسیر سنو بیٹی! سینا سے موسیٰ علیہ السلام آئے۔ وادی
ہے جس کے اندر بیت اللہ اور ناصروہیں وہاں سے عیسیٰ علیہ السلام آئے۔
فاران مکہ کا ایک پہاڑ ہے اور یہاں سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ
ظہور ہوا۔ دس ہزار قدسی وہ صحابہ کرامؓ ہیں جن کے ساتھ آپؐ مدینہ
لکھ مکہ میں داخل ہوئے۔

ماریہ کے اس انکشاف پر راشیل کہیں کھو گئی تھی ماریہ نے پھر کہا اب
اے یوحنا باب ۱۶ کی آیات ۷ سے ۱۳ کو سنو، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا
ماتہارے لیے بہتر ہے۔ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فار قلیط (احمد تمہارے
اے گا اور اگر میں جاؤں تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا وہ دنیا کو آ
وہ راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔ گناہ سے

فار قلیط عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی احمد ہیں۔ ایک عیسائی عالم سیل
قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کے حاشیے میں خود لکھتا ہے کہ فار قلیط جو
عبرانی لفظ ہے اس کے معنی احمد ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن پاک سے اس
کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور جب عیسیٰ بن مریمؑ نے کہا اے بنی اسرائیل
میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں تصدیق کرتا ہوں۔ توریت
میں سے اس کی جو میرے سامنے ہے اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول

پہلے عیسائی تھے بعد کو مسلمان ہو گئیں۔ اگر یہ سچ ہے تو کیا تم بتا سکو گی کہ
نئے تمہیں عیسائیت چھوڑنے پر مجبور کیا۔

ماریہ چند لمحوں تک راشیل کو گھورنے کے انداز میں دیکھتی رہی
اس نے کہا۔ میں نے نصرانیت کی سچائیوں کی وجہ سے حلقہ گبوش اسلام
ہوں۔ راشیل نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ یہ کیا بات ہو
نصرانیت کی سچائیوں سے کیسے اور کیونکر اپنا آپ تبدیل کرنے پر
ہوئیں۔ ماریہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے ٹھیک کہا۔
سچائیاں وہ پیش گوئیاں ہیں جن کا تعلق نبی آخر الزمان کی آمد سے ہیں
عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید دونوں میں پائی جاتی ہیں۔

راشیل نے دل چسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ تم تو پیدا
تھی پھر اس قدر عمر گزرنے کے بعد سچائیاں کیسے تم پر اثر انداز ہوئیں
مجھے اُلٹی کہ تم نے اپنا آبائی مذہب ہی ترک کر دیا۔ ماریہ نے کسی ق
میں کہا۔ ان سچائیوں کا مجھ پر منفی نہیں مثبت اثر ہوا ہے اور میں
والے کی پکار کا صحیح جواب دیا ہے۔ میں پہلے ان سے آگاہ نہ تھی۔ اب
ہماری بستیوں میں گھوم پھر کر وعظ کرتا تھا وہ توریت اور انجیل کا جو
بڑا عالم تھا۔ کوئی راہب مذہبی معاملات میں اس کا سامنا کرنے کی
نہ کرتا تھا۔

اس کی باتوں سے متاثر ہو کر میں ہی نہیں کسی راہب بھی
کر گئے۔ اس کے وعظ میں سچائی اور میٹھی ترپ تھی۔ اس کی باتوں
و پاکیزگی اور اس کی پکار میں کشش اور زندگی کی حرارت تھی اور میں
کی انجیل کی پیش گوئیوں پر ایمان لے آئی۔ راشیل ماریہ کے قریب
اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس مسلم مبلغ نے تم سے جو
کی تھیں۔ وہ مجھ سے بھی کہو۔ میں دیکھوں تو وہ کیسی وزنی اور حقیقی

اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہ لائے۔ راست بازی کے بارے میں اس میں خدا کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھ سکو گے۔ عدالت کہ دنیا کا سردار آزمایا جائے گا۔ مجھے تم سے اور بہت سی باتیں بھی کہ مگر تم ابھی انہیں برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ دُوح ہو تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ ہرے وہ سنے گا وہی کہے گا اور وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

راشیل نے متاثر کن لہجے میں کہا۔ کچھ اور بھی کہو ماں! گفتگو میں ایک انکشاف اور ——— راشیل کہتے کہتے رک کر کیونکہ کمرے میں عیسٰی داخل ہوا تھا۔ راشیل جب خاموش ہو گئی تو ماریہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اے بہن! راشیل کیا پوچھ رہا ہے ماریہ نے ایک بار مسکراتے ہوئے راشیل کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے مجھے پوچھا تھا۔ میں مسلمان کیسے ہو گئی اور میں اس کے جوا وہ پیش گوئیاں سن رہی تھی جو انجیل اور توریت میں ہیں۔ جن نے اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ عیسٰی نے کچھ سوچا پھر اس نے راشیل! میری اچھی بیٹی! جو کچھ ماریہ بہن نے تم سے کہا مجھ سے بھی کچھ سنو۔ میں تمہیں توریت اور انجیل کے چند باب اور ہوں۔ یہاں سے جانے کے بعد جب تمہیں یہ دونوں کتابیں میسر ہوں گے تو اندازہ لگانا کہ یقیناً اسلام ہی وہ آخری مذہب ہے جس کا وعدہ رسولوں سے رب عظیم نے کیا تھا۔

راشیل باہر بھاگتی ہوئی بولی۔ اے عم! فلاں رک جائے!

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۰۵) کی جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے۔ جو کے پاس کھلے دلائل لے کر آئے گا تو انہوں نے کہا۔ یہ تو صریح

بہن فلاں چلو سے کوئلے اٹھا لائی۔ پھر اس نے عیسٰی سے کہا۔ اب بولیں، آپ کہیں گے میں کوئلے سے دیوار پر لکھ لوں گی اور بعد کو حفظ کر لوں گی۔ عیسٰی نے بولنا شروع کیا۔ متی باب ۲۱۔ آیت ۳۳۔ استثناء باب آیت ۲۲۔ اس کے علاوہ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ دنیا میں صرف ان ہی ایسی کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے اور کتاب میں آج تک کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ تمہیں تورات اور انجیل کی خلاف اخلاق آیات کی نشاندہی بھی کرتا ہوں جب یہ دونوں کتب تمہیں تو تم خود جائزہ لے لینا۔ لکھو۔ پیدائش باب ۹۔ آیت ۲۰ اور ۲۱۔ زت نوح پر الزام، پیدائش باب ۱۹۔ آیت ۳ تا ۳۹ حضرت لوط پر الزام دین دوم باب ۱۱۔ آیت ۲ تا ۵ حضرت داؤد پر گناہ تراشی۔ سلاطین اول باب ۱۱۔ آیت ۱ تا ۴ حضرت سلیمان کو گناہ کا رٹھرایا گیا اور —

عیسٰی کو خاموش ہو جانا پڑا۔ کیونکہ باہر شکر کی آمد کا شور مچ گیا۔ بستی کے لوگ اپنے لشکر کے استقبال کی خاطر بھاگ بھاگ کر کھلے میدان میں آئے ہونے لگے تھے۔ عیسٰی جلدی جلدی باہر نکل گیا۔ اسام بھی اپنے مکان سے نکل آئی۔ امیمہ نے کپڑے دھونے بند کر دیے۔ راشیل، ماریہ، اسامہ کے ساتھ اپنے لشکر کو دیکھتے کے لیے وہ بھی باہر نکل کر کھڑی ہو گئی۔ بستی کے سب مرد میدان میں جمع ہو گئے تھے۔ عورتوں میں سے اکثر اسے باہر کھڑی ہو کر اور کچھ مکانوں کی چھتوں پر کھڑی ہو کر لشکر کو دیکھنے لگی ہیں۔ عامر کی سرکردگی میں لشکر کو ہستانی درے سے نکل کر کھلے میدان میں آئے ہوا اور اس جگہ آ کر جہاں لوگ استقبال کی خاطر کھڑے تھے۔

کچھ سپاہی چونکہ پہلے ہی بستی میں پہنچ کر فتح کی خوشخبری سنا چکے تھے لہذا لوگ جوق در جوق آگے بڑھ کر عامر، نقیب اور سعد کو گلے لگانے لگے۔ عامر لوگوں سے مل ضرور رہا تھا لیکن وہ افسردہ اور سنجیدہ تھا جب عیسٰی

عمیس نے فخریہ انداز میں اسماء کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے جانِ علم! ذاتِ قبری شجاعت اور صبر پر جس قدر شرف و گمان کروں کم ہے۔ سن بیٹی! انج بالکل ٹھیک ہے۔ وہ مونس کی نقش لے کر خود آتا لیکن وہ کہہ رہا تھا کہ میں سامنا نہیں کر سکوں گا۔ اسماء کے کہنے پر عمیس لاش کو اندر لے گیا۔ ماریہ۔ اسیہ اور نسبی کی دیگر کئی عورتیں بھی اسماء کے ساتھ حویلی کے اندر چلی ہیں۔

تھوڑی دیر بعد عامر اور نقیب بھی حویلی میں داخل ہوئے۔ دروازے کے اسی وہ اپنے گھوڑوں سے اتر کر ان کی باگیں پکڑے اصطبل کی طرف بڑھنے لگے۔ ایک طرف مسہری پر مونس کی لاش رکھی تھی اور وہاں اسماء کے گرد و کانی عورتیں تھیں۔ عامر اور نقیب کو دیکھتے ہی امیمہ جو بچی اور وہ ان کی طرف بھاگی اور ان کے ہاتھوں سے ان کے گھوڑوں کی باگیں لیتے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ دیجئے میں خود آپ دونوں کے گھوڑوں کو اصطبل میں باندھتی ہوں۔

عامر نے بڑی شفقت اور ہمدردی سے کہا۔ نہیں امیمہ! یہ تمہارا کام ہے۔ امیمہ نے ایک بار غور سے عامر کی طرف دیکھا پھر اس نے رقت آمیز اور کھپکھاتی آواز میں کہا۔ انی! میں اگر اپنی ولایت کی خاطر جنگوں میں حصہ لے سکتی تو مجھے مجاہدوں کے گھوڑے پکڑ کر اصطبل تک لے جانے کی سعادت ملے گی تو محروم نہ کیجئے۔ عامر چونک سا پڑا اور اس نے گھوڑے کی بالِ امیمہ غامدی۔ نقیب بھی ایسا ہی کر چکا تھا۔ اتنی دیر تک ماریہ بھی وہاں پہنچا اور اس نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اے بیٹی! میں تجھے تیری فتح کی مبارک باد دیتی ہوں۔ عامر نے ایک سعادت بیٹی کی طرح اپنا سر جھکاتے ہوئے کہا۔ اے ماں! میری اس فتح میں آپ کی میں بھی شامل ہیں۔ ماریہ نے پھر پوچھا۔ سعد کہاں ہے بیٹی! وہ زخمیوں کو دیکھ کر متحیر کیا ہے۔ ماریہ نے اس بار فکر مند ہو کر کہا۔ تم سب نے صبح کا کچھ

اس کے پاس گیا تو عامر نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ اچھا ہوا آپ! اس جنگ میں مونس کام آچکا ہے۔ میں اس کی نقش کے ساتھ اسماء کا نہ کر سکوں گا۔ آؤ میرے ساتھ، تم نقش گھر لے جاؤ۔ مونس کے ساتھ اور جوان بھی کام آئے ہیں اس کے علاوہ کچھ زخمی بھی ہیں۔

عامر کے ساتھ سب لوگ ادھر آ جمع ہوئے جہاں جنگ میں کام والے اور زخمیوں کو کچھ سوار اپنے آگے بٹھائے ہوئے تھے۔ سعد کی ہرک میں زخمیوں کو مستقل علاج کی خاطر مستقر کی طرف روانہ کر دیا گیا اور جو لوگ میں مارے گئے تھے۔ ان کی نعشیں ان کے رشتہ دار اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تھے۔ کوئی داویلا اور رونے کی آواز تک بلند نہ ہوئی تھی۔

عمیس بھی اس گھوڑے کی باگ پکڑ کر بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔ پر مونس کی نقش رکھی ہوئی تھی۔ جب وہ گھر کے پاس اس جگہ گیا جہاں بہن دوسری کئی عورتوں کے ساتھ ماریہ، راشیل، امیمہ اور اسماء کھڑی تھیں وہ رُک گیا پھر اس نے اسماء کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اے بیٹی! میں بد قسمت تیرے لیے یہ خبر لایا ہوں کہ تیرا شو میں مارا گیا ہے۔ میں اس کی نقش لایا ہوں۔“ سب عورتیں دم بخود کھڑی اسماء آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ صرف ایک لمحہ اس نے مونس کا چہرہ دیکھا اس نے مونس کے خون آلود جوتوں کو بوسہ دیتے ہوئے گلو گیار اور سکتی آواز اے میرے ہمسفر! مجھے فخر ہے آپ مذہب و ملت کی خاطر میں کام آئے۔ گو آپ کا کچھڑا میرے لیے شاق اور تکلیف دہ ہو گا۔

ہر مسافر کو ہر مہرا ہی کو ایک روز اپنے ساتھ سفر کرنے والوں سے ملنا ہو کر اپنی منزل کی طرف جانا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ جو اپنی منزل کو اد کی نسبت پہلے پالیتا ہے۔ اسماء کی پھر اس نے عمیس کی طرف دیکھتے ہو دلیکیری آواز میں پوچھا۔ اے عم! انی عامر کیسے ہیں۔ کہیں وہ زخمی تو نہیں

دل تم نے المرزغانی کی حیثیت کو دیکھا ہوتا۔ جو کچھ تم نے کہا ہے اگر یہ غلط اور بے
یاد ہوا تو میری تلوار تمہاری طرف بڑھتے ہوئے بھائی کے رشتے کی پردہ نہ کرے گی
نہیں نے بے جھجک ہو کر کہا۔ پہلے میری پوری بات سنیں اس کے بعد المرزغانی کی
رہنمائی میں آپ میرے لیے جو بھی سزا تجویز کریں گے میں اسے بخوشی قبول
کر لوں گا۔ بوری نے فوراً نرم ہو کر کہا۔ کہو! میں سنوں گا اور انصاف کروں گا۔

اسمعیل نے بوری سے اور قریب ہوتے ہوئے کہا۔ آج سے ایک سال
در کچھ ماہ پیشتر عامر بن نافع کے شہر بدر ہونے کے بعد۔ المرزغانی نے یروشلم کے
مکرموں سے ساز باز شروع کر دی تھی۔ نصرا نیوں نے المرزغانی کو پیش کش کی تھی
کہ اگر تم دمشق پر ہمارا قبضہ کرانے میں مدد دو تو ہم دمشق کے بدلے ساحلی شہر صور
دیں گے اور اس کا خود مختار حکمران تاج الملوک بوری نہیں طاہر المرزغانی ہو گا۔ دونوں
قبول کے درمیان اس سلسلے میں ابتدائی گفتگو بعلبک شہر میں طے ہوتی رہی اس
گفتگو کے لیے زیادہ تر مصلحت کو استعمال کیا گیا تھا۔ ہمارے کچھ مخلص کارکن اس
مٹانے اقدام کی ہمیں پہلے ہی اطلاع کر چکے تھے۔ لہذا میں اور شہاب الدین
نے اس سلسلے میں سابق محتسب اور امام یوسف فندلاوی سے مشورہ کیا۔ ہمیں
یقین تھا آپ اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں پر اعتبار نہ کریں گے۔ لہذا ہم نے
امام یوسف اور جمال الدین کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے ہمارے ساتھ پورا تعاون
کیا اور ہم نے کچھ ایسے آدمیوں کا تقرر کیا جو طاہر المرزغانی کے آدمیوں کا ہر وقت
نقاب کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے ہم نے المرزغانی کے آدمیوں کے پیچھے اپنے
مخلص کارکن بعلبک شہر بھی روانہ کیے تھے۔

تاج الملوک بوری نے درمیان میں ہلتے ہوئے پوچھا۔ اگر یہ دھوکا ہوا
نہ! اسمعیل نے بلا توقف کہا۔ گویں نے اپنی بات ابھی ختم نہیں کی پھر بھی میں
آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ میرے بڑے بھائی اور باپ کی جگہ ہیں۔ میں اپنی
ذات کو دھوکا دے سکتا ہوں آپ کو نہیں۔ پہلے میری پوری بات سنیں۔

نہیں کھایا بیٹے۔ عامر نے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے اور ماری کی بار
کاٹتے ہوئے کہا۔ مجھے ابھی جنگ میں مرنے والوں کی تکفین کا بندوبست کرنا ہے
عامر اور نقیب دونوں باہر نکل گئے اور سستی کے لوگوں کے ساتھ مل کر مشترکہ کھجور
تکفین کا انتظام کرنے لگے تھے۔

مشق کا حکمران تاج الملوک اپنے قصر میں کاتب کو عمال کے نام پر
لکھوا رہا تھا کہ قصر کا حاجب اندر آیا اور تاج الملوک بوری مخاطب کرتے ہوئے
اس نے کہا۔ سیدی! آپ کے براہ صغیر کسی انتہائی اہم اور ضروری کام کے
ساتھ آپ سے ابھی ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ بوری نے چونک کر کہا۔
اندر بھیج دو۔ حاجب چلا گیا۔ بوری نے کاتب کو احکام لکھانے بند کر دیے
تھوڑی دیر بعد قصر کے اس کمرے میں تاج الملوک بوری کا چھوٹا
شمس الملوک اسمعیل داخل ہوا۔ وہ نہایت سنجیدہ اور افسردہ تھا۔ بوری نے بڑے
شفقت سے کہا۔ اسمعیل! تم اس قدر عجلت میں مجھ سے کیا کرنا چاہتے ہو؟
نے کسی قدر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ مجھے تنہائی میں آپ سے کچھ کہنا ہے
بوری نے کاتب کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر جب باہر چلا گیا تو بوری نے پھر پوچھا
اب کہو۔

اسمعیل نے بغیر کسی توقف کے کہا۔ میں آپ سے یہ پوچھنے آیا ہوں
آپ نے دمشق کی کیا قیمت لگائی ہے۔ بوری نے پریشان لہجے میں پوچھا۔ یہ
کیا کہتے ہو اسمعیل! کھل کر کہو۔ مجھے ایسی پراسرار باتوں سے اور پیچیدہ تشبیہات
قطعاً کوئی دل چسپی نہیں ہے۔

اسمعیل نے گلوگیر آواز میں کہا۔ اپنے عزیزوں اور لواحقین کو دمشق
لے جگانے کا انتظام دناصرام کیجئے کہ آپ کا وزیر طاہر المرزغانی دمشق کا سودا
چکا ہے۔ تاج الملوک بوری چلا اٹھا۔ اسمعیل! اتنا بڑا الزام دینے۔

اسمعیل! اسمعیل! میں سمجھتا ہوں میں نے سابق محتسب جمال الدین اور
کے شیردل اور مخلص فرزند عامر بن نافع سے زیادتی کی ہے۔ یہ دونوں مرد
باک اور بے بدل رفیق اور دم ساز تھے۔ کاش! میں المرزغانی کو اس کی تہوں
سمجھ سکتا۔ اب بھی میں اُسے معاف نہ کروں گا۔ میرا رب جو قادر و قدوس اور
بخشن و خطا پوش ہے، میری مدد اور راہنمائی کرے گا۔ اسمعیل! اسمعیل! تم بھی
اسی وقت یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ سب سے پہلے جمال الدین اور امام یوسف
ادی کو میرے پاس بھیج دو۔ اس کے بعد تم سیدھے مستقر جاؤ اور اپنے لشکر کے
دل دستوں کو شہر کے تمام اسمعیلیوں کے گھروں پر تعین کر دو اور انہیں تاکید کرو
یہ حکم ملتے ہی شہر کے اندر جس قدر اسمعیلی ہیں انہیں تہ تیغ کر دیا جائے۔ تم خود
یغانی کی حویلی سے باہر میرا انتظار کرو۔

اسمعیل فوراً باہر نکل گیا۔ تاج الملوک چند لمحوں تک اس کے کھوڑے
ماپیں سنتا رہا پھر اس نے کاتب کو اندر بلا لیا اسے ایک فرمان لکھایا جس کے
تطاہر المرزغانی کی جگہ جمال الدین کو شہر کا محتسب مقرر کیا تھا۔ پھر اس نے
ب سے کہا کہ فوراً شہر میں اس حکم نامے کی منادی کرا دی جائے۔

کاتب شاید معلطے کی نزاکت اور نوعیت کو جانپ گیا تھا۔ لہذا وہ
باہر نکل گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد حکومت کے کاندھے ذہیں بجا بجا کر جمال الدین
بحیثیت محتسب نامزدگی کا اعلان کر رہے تھے۔ بوری ایک بار پھر قصر کے اس
رے میں بڑی بے چینی سے جمال الدین اور امام یوسف کی آمد کا انتظار کرنے لگا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد قصر کا حاجب اندر آیا اور بوری کو جمال الدین اور
یوسف کے آنے کی اطلاع کی۔ بوری نے پریشان حالی میں حاجب کو جھڑکتے ہوئے
تم نے ان دونوں کو باہر کیوں روک دیا۔ کیا تم اندھے ہو گئے ہو جو تم ان دونوں
میں پہچانتے۔ انہیں فی الفور اندر بھیج دو۔ حاجب جب باہر نکل گیا تو امام
صفا اور جمال الدین اس کمرے میں داخل ہوئے۔ بوری نے آگے بڑھ کر ان دونوں

میں کہہ رہا تھا کہ ہم قدم قدم پر المرزغانی کی سازشوں کا پیچھا کرتے رہے
اب حالات اپنے آخری رُخ پر پہنچ گئے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر قبل مسلمان درویشوں
کے بھیس میں یروشلم کے دس سرکردہ عیسائی داخل ہوئے ہیں جو المرزغانی سے مل
کر بیٹے کو یں گے کہ نصرانیوں کو کب اور کس وقت دمشق پر حملہ آؤد ہونا چاہیے۔
اگر اب بھی آپ کو میرے کہے ہوئے پر شک ہو تو مجھے قید میں ڈال دیجئے اور
اور خود اس معاملہ کی تحقیق کریں۔ میں آپ سے اپنی رہائی کی جھپک نہ مانگوں گا۔
جب آپ ثابت ہو جائے کہ میرا کہنا سچ ہے تو میں قید خانے سے باہر آنا پسند کروں گا
گا ورنہ ساری عمر وہیں گزار دوں گا۔

تاج الملوک بوری نے اس بار نرم ہو کر کہا۔ اسمعیل! اسمعیل! میرے
بھائی! مجھے تم پر اعتماد ہے۔ میں سمجھتا ہوں تم جو قدم بھی اٹھاؤ گے اس میں ہم سب
بھائیوں کی بہتری اور بھلائی ہوگی۔ اب تم کہو، ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہیے اور کیا تم نے
یروشلم کے ان دس نصرانیوں کو خود دمشق میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ اسمعیل نے اس کا
مطلوبہ انداز میں کہا۔

”نہ صرف دمشق میں بلکہ طاہر المرزغانی کی حویلی میں بھی داخل ہوتے ہیں انہیں
خود دیکھ چکا ہوں۔ اگر آپ میری بات مانیں تو ابھی اور اسی وقت طاہر المرزغانی کو
ان نصرانیوں سمیت اپنی گرفت میں لے لیں۔ میں شہاب الدین کو چند کارکنوں کے
ساتھ ان پر نگاہ رکھنے کے لیے تاکید کر آیا ہوں۔ میں پہلے شہاب الدین کو آپ کے
پاس بھیج رہا تھا۔ لیکن اس نے آنے سے انکار کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میں چھوٹا اور عجز
بھائی ہوں لیکن انہی میری بات نہ مانیں گے لہذا میں خود حاضر ہوں۔

تاج الملوک کے چہرے پر مٹھرا کے خشک نخل کی طرح ہونٹا کی اور الوداع
شام جیسی وحشت چھا گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک کچھ ایسی خاموشی طاری رہی گئی کہ
بے بس مغنی کے نعروں کا سن اچانک گلوگیر خاموشی اور تاریک نوا خانوں میں کھدکایا
ہو۔ پھر یہ ساکت و جامد لمحے جلد ہی ٹوٹ گئے اور بوری نے اسمعیل سے کہا۔

سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

’میں آپ دونوں کو اس قصر میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ امام یوسف جمال الدین دونوں خاموش رہے اور انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ بوری۔ قرب کی سرشاری سے مغلوب آرزو طلب لہجے میں کہا۔ میں نے آپ دونوں زیادتی کی تھی۔ میں اپنے رویے پر نادم ہوں۔ جمال الدین! آج نہیں بلکہ سے آپ شکر کے محتسب ہیں۔ میں نے آپ کی تقریری کا فرمان جاری کر دیا ہے شہر میں اس کی منادی بھی کرائی جا چکی ہے۔

جمال الدین نے مدغم سی آواز میں کہا۔ میں سن چکا ہوں۔ بوری۔ فیصلہ کن انداز میں کہا۔ اگر سن چکے ہو تو اور سنو! تم دمشق کے محتسب ہو المرزا کے خلاف حرکت میں آ جاؤ کما سے اس کے گھناؤنے جرائم کی سزا دی جاسکے۔ جمال الدین نے جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ اگر آپ بوری نہ بھی کرتے تو بھی میں المرزائی کے خلاف حرکت میں آنے والا تھا۔ میں آپ کے اپنی گردن کٹوا سکتا ہوں لیکن دمشق کے اس شہر کا سودا ہوتے نہیں دیکھو جہاں ہمارے اجداد کی سطوت اور سر بلندی کے ایوان ایستادہ ہیں۔

بوری نے کہا۔ چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ ایک ساتھ قصر سے باہر نکلے۔ وہاں جمال الدین نے کچھ مسلح سوار کھڑے تھے۔ وہاں کھڑا ہو کر انتظار کرتے لگا۔

اتنی دیر تک اس کا محافظ دستہ بھی تیار ہو کر قصر سے باہر گیا۔ ان ساتھ بوری کی سواری بھی تھی۔ بوری فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور یوں تینوں محافظ دستے اور جمال الدین کے مسلح سواروں کے ساتھ المرزائی کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا۔ بوری دونوں چھوٹے بھائی اسماعیل اور شہاب الدین وہاں کھڑے تھے اور مسلح جو المرزائی کی حویلی کا محاصرہ کر چکے تھے۔

بوری نے جمال الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جمال الدین! المرزائی کے نصرانی ساتھیوں سمیت باہر بلاؤ۔ جمال الدین نے اپنے مسلح سواروں کے حویلی میں داخل ہوا۔ حویلی کے اندرونی سب دروازے بند تھے۔ جمال الدین اب دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ظاہر المرزائی نے دروازہ کھولا۔ جمال الدین کو وہاں دیکھتے ہی اس نے آگ بگولا اور غضب ناک ہو کر پوچھا۔ تم بت یہاں کس غرض سے آئے ہو۔

جمال الدین نے نرم لہجے میں کہا۔ اپنے ان نصرانی حواریوں کے ساتھ جاؤ جن سے مل کر تم دمشق کا سودا طے کر رہے ہو۔ یاد رکھو صور کوئی ایسا اہم ہیں کہ ہم اسے دمشق کے بدلے قبول کر لیں۔ المرزائی نے جنگلی اور وحشی کی طرح غصے، غضب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ کیا تم جانتے ہو تم کس سے ب ہو۔ جمال الدین اس بار اپنا ہاتھ تلوار کے دستے پر لے گیا اور آگ کی ہلکتے ہوئے اس نے بھی کہا۔ میں شہر کا محتسب جمال الدین ہوں اور قوم یک غدار سے مخاطب ہوں۔ المرزائی نے چلاتے ہوئے کہا۔ تمہیں کب میں نے محتسب مقرر کیا ہے۔

جمال الدین نے طنز کرتے ہوئے کہا۔ تم دمشق کے کیسے بے خبر وزیر ہو میں علم نہیں اس وقت شہر کا محتسب کون ہے۔ اپنے ذہنی حواس کو درست اور سنو! شہر میں میرے محتسب ہونے کی منادی تک ہو چکی ہے۔ وقت ضائع نہ کرو اور اپنے دس نصرانی ساتھیوں کو باہر بلاؤ۔ یاد رکھو انے کوئی غلط حرکت کی تو بلا تامل میں تمہارا سر کاٹ دوں گا۔ ذرا باہر نکل کر۔ دمشق کا حکمران تاج الملوک بوری اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں اور ہفت فدا لادی کے ساتھ باہر کھڑا ہے اور مسلح سپاہی تمہاری حویلی کا گھیراؤ کر رہے ہیں۔ اب تمہیں اگر امید ہے کہ تم بھاگ سکتے ہو بھاگ دیکھو لیکن یاد رکھو اگر باہر آنے میں دیر کی تو میں اپنے مسلح جوانوں کو حویلی میں گھس جانے کا حکم دے

دول کا اور یوں تمہارے حرم کی بے حرمتی ہوگی۔

طاہر المرزغانی نے بھناتے ہوئے کہا۔ کیا تمہیں خبر ہے کہ مجھ پر ہاتھ سے دمشق میں ہزاروں اسماعیلی بھڑک اٹھیں گے اور شہر خانہ جنگی کا شکار ہوہو جمال الدین نے ایک عزم کے ساتھ کہا۔ میں شہر کا محتسب ہوں اور شہر کی تم سے بہتر جانتا ہوں۔ یاد رکھو تمہارے ساتھ شہر کے تمام اسماعیلیوں اور قرا کا ایسا حال ہوگا جو اس سے پہلے چشم کائنات نے نہ دیکھا ہوگا۔ اب تم اندہ جاسکتے ہو۔ یہیں کھڑے کھڑے نصاریوں کو آواز دو کہ وہ باہر آجائیں اس کے ہی جمال الدین نے تلوار کھینچ لی اور غضب ناک ہو کر کہا جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر عمل نہ ہوگا تو میں تمہارے کھڑے کھڑے کی گردن کاٹ دوں گا۔ المرزغانی نے آواز دے کر نصاریوں کو باہر بلا لیا۔ وہ واقعی تعداد میں دو

اور مسلمان صوفیوں جیسے لباس پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے المرزغانی سے کچھ چاہا لیکن وہاں مسلح جوانوں کو دیکھ کر وہ خاموش رہے۔ جمال الدین نے حویلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ادھر چلو جہاں تاج الملوک اور امام یوسف فذلا انتظار کر رہے ہیں۔ المرزغانی ان نصاریوں کے ساتھ چپ چاپ اس طرف آیا۔ جب وہ باہر آکر بوری اور امام یوسف کے سامنے کھڑے ہوئے تو بوز نصاریوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

تم کون ہو اور کس غرض سے دمشق میں داخل ہوئے ہو۔ یاد رکھو کل احوال کا علم ہے اگر تم میں سے کسی نے بھی جھوٹ بولا تو میں کھڑے اس کی گردن کاٹ دی جائے گی۔ کیا یہ سچ ہے کہ تم سب نصرانی مہاجر سے بل کر دمشق کا سودا کرنے آئے ہو۔

ایک نصرانی نے گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ میں پوچھ لیا۔ اگر تم وہیں تو کیا ہمیں معاف کر دیا جائے گا۔ بوری نے حکمانہ لہجہ میں کہا۔ یہ ایک امر ہے جس کا فیصلہ بعد کو ہوگا۔ پہلے جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب

یت دیکھ میں یہیں کھڑے کھڑے تم سب کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دوں گا۔ بھو میں دمشق کا حاکم تاج الملوک بوری ہوں اور اس وقت تمہیں قتل کرنے کے لیے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔

اس نصرانی نے لکپاتی ہوئے کہہ دیا۔ اے بادشاہ! تیرا اندازہ درست ہے۔ ہم یروکم کے نصرانی ہیں اور طاہر المرزغانی سے دمشق کا سودا کرنے آئے۔ طاہر المرزغانی کی گردن جھک گئی تھی جب کہ بوری کے چہرے پر دندنگی کا ہرہ تھا۔ بوری نے پہلے اپنے بھائی اسماعیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اسماعیل! بل! شہر میں جس قدر اسماعیلی ہیں ان کے قتل کا حکم دے دو۔ اسماعیل فوراً بے گھوڑے پر سوار ہوا اور چلا گیا۔ پھر بوری نے طاہر المرزغانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اے قوم کے غدار! تو ہمیشہ مجھ سے اچھے قول و قرار کی شمعیں روشن کر رہے بظاہر امن کا بربط بجاتا رہا اور مجھے خوب و ناخوب کی پہچان سے محروم رکھا۔ مجھے علم ہوتا کہ تیری نیت میں نفاق ہے۔ حالات نے اب خود تمہیں تاریخ عدالت میں لاکھڑا کیا ہے۔ یاد رکھو دمشق میں میری حالت کوئی ایسی کمزور نہیں۔ اب آہنی بازوؤں سے تیرے ساتھ ہنٹوں گا اور تجھے دشت عدم کی طرح رت خیز بناؤں گا۔ تو نے ہماری آزادی و سرفرازی اور سکون جان پر شب خون مارا ہے۔ تیری خاطر میں نے نافع کے بیٹے کو جو دمشق کی آنکھوں کی بینائی تھا شہر بدر دیا حالانکہ وہ جاں فروشوں کی جان اور حب الوطنی کا مینار تھا اب تمہاری بری پر مجھے اس کی اہمیت کا احساس ہوا ہے۔ آج میں تیری روح اور جسم کے درمیان خط امتیاز کھینچ دوں گا۔

تاج الملوک بوری رکا پھر اس نے امام یوسف فذلا دی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے بزرگ! میں آپ کا بھی گنہگار ہوں۔ کاش میں نے آپ کی ہدایات بل کیا ہوتا۔ آج میں طاہر المرزغانی کا معاملہ آپ پر چھوڑتا ہوں کہ آپ اس

کے سیاہ کردار اور گھناؤنے افعال سے بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ ہی اس کی سزا تجو کریں گے۔

امام یوسف سنبھلے اور طاہر المرزغانی کو مخاطب کر کے کہا۔ اے تورا غدار! آج تک حالات نے ہمیں تمہارے ہاتھوں کھلوتا بنائے رکھا اور ہم رب کے فیصلے کے منتظر رہ کر تمہاری بہتری کو برداشت اور تمہاری ہر فعلی پر ہی خون کے گھونٹ پیتے رہے۔ یاد رکھ یہ دنیا مکافات عمل ہے۔ تو نے اور کے لیے عرصہ مصاف تنگ کیا آج قدرت نے تمہارے اعمال نامے پر سخت کی مہر ثبت کرنے کی خاطر تمہارے اصل کردار کو عیاں اور تمہارے افعال کو ننگا امام یوسف رُکے پھر طاہر المرزغانی سے قریب ہو کر انہوں نے پوچھا اے دشمن دیں! تبا عامر بن نافع کے باپ اور شامہ کا قتل کس کے ایسا پہنچا طاہر المرزغانی خاموش رہا۔ جمال الدین نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر تلو دستہ مارتے ہوئے پوچھا۔

کیا تم نے سنا نہیں، دمشق کے حاکم امام یوسف کو تمہارے لیے تاج کر چکے ہیں۔ انہوں نے تم سے کچھ پوچھا ہے اور تم خاموش ہو۔ واللہ! یہ امیر لیے شہر کا محتسب ہوتے ہوئے ناقابل برداشت ہے۔ امام یوسف کے سوا کا جواب دیتے رہو۔ ورنہ تم جانتے ہو جمال الدین مجرموں سے اصل حقائق کا ڈھنگ جانتا ہے۔

طاہر المرزغانی نے پہلی بار زبان کھولتے ہوئے کہا۔ میرے ایسا پر مقلاج نے قتل کیا تھا لیکن بعد میں عامر بن نافع نے مقلاج کو مار دیا۔ امام یوسف نے پھر پوچھا۔ کیا یہ درست نہیں کہ تمہارے آدمی دمشق کے نواح میں ڈکیتی قطع طریق کرتے تھے اور عامر بن نافع ان کا راستہ روکنے کے علاوہ ان سے مال چھین کر اصل مالکوں تک پہنچاتا تھا۔ طاہر المرزغانی نے گردن کو اٹھایا اور کہنے لگا۔ ہاں یہ بھی درست ہے۔ کاش مجھے کچھ اور وقت مل جاتا تو آج

ب کے سامنے اس قدر بے بس اور مجبوری کی حالت میں نہ کھڑا ہوتا۔ امام یوسف دی نے اس بار جمال الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جمال الدین! اس کی گردن کاٹ جمال الدین نے بلند آواز میں کہا۔ اس رب کے نام سے شروع کرتا ہوں جس نے ایک ہمارے سامنے بے بس و مجبور کیا۔ اس کے ساتھ ہی جمال الدین نے اپنی تلوار بلند رکھی اور مرزغانی کی گردن کاٹ دی۔ اسی لمحہ تاج الملوک بوری نے اپنے محافظ کے سالار کو اشارہ کیا۔ وہ چند جوانوں کے ساتھ آگے بڑھا اور ان دنوں نصرانیوں کے مجھکائے مجرموں کی طرح کھڑے تھے کاٹ کر رکھ دیا۔

تاج الملوک نے امام یوسف اور جمال الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ لگوا رہنا کہ میں نے ایک ملت فروش، مذہب دشمن اور قوم کے عدو کو معاف کیا۔ جمال الدین! عامر بن نافع کو عزت و احترام کے ساتھ دمشق واپس لاؤ۔ امام یوسف کو شہر کا قاضی، تمہیں اپنا وزیر اور عامر بن نافع کو شہر کا محتسب مقرر ہوں۔ جمال الدین نے گلو گینوا اور شام کی تنہائوں جیسی اداس آوازیں کہا۔ نافع کے بیٹے کو یہاں سے بہت دور لے جا چکے ہیں۔ گوفہ یہاں سے پہلے میں چلا گیا تھا۔ لیکن طاہر المرزغانی نے اسے وہاں بھی سکول سے رہنے اور اس کے سر سے تنگ آکر وہ نصرانیوں کے قلعہ حارم کی سرحد پر مسلمانوں کی بتی اسفیر میں چلا گیا ہے۔ تاہم اب حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ کسی روز قندس لینے جاؤں گا۔ تاج الملوک بوری نے بھی کہا۔ ہاں نافع کے بیٹے کو بہت جلد دمشق میں ہونا چاہیے۔ اب ہمیں اسماعیل کی طرف جانا چاہیے۔ میں ناچتا ہوں وہ اپنے کام میں کہاں تک پہنچا ہے۔ شام سے پہلے پہلے میں شہر کے اندر ایک بھی اسماعیلی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ سب اپنے گھوڑوں پر سوار اللہ شہر کے اندر دینی حصے کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔



جائیں تو اس میں میری خوشی ہوگی۔ اگر آج شام تک مجھے کچھ بتا سکو۔
معالیے کو پھر آگے بڑھاؤں۔ اگر ان دونوں کی مرضی نہ ہوئی تو میں نقیب
بے لیے کہیں اور رکوشش کروں۔ میں چاہتا ہوں ان دونوں کا گھر آباد
وہ اپنے بچوں میں ہنسی خوشی رہیں۔

ماریہ نے شکوہ کرنے کے انداز میں پوچھا۔ اور تم نے اپنے متعلق کیا
۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی اپنی بیوی کے ساتھ پرسکون زندگی بسر کرو۔
پند بتاؤ۔ جہاں تم کہو گے وہیں میں تمہاری شادی کرادوں گی۔ عامر نے
یدگی میں کہا میں شادی کو چکا ہوں۔ راشیل فکر مند سی ہو گئی تھی۔ ماریہ
ن آواز میں پوچھا۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کب تم نے شادی کی اور تمہاری
ل ہے؟

عامر نے اس بار ماریہ کے بجائے راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میری
قت میرے ساتھ اور آپ کے سامنے رہتی ہے۔ راشیل کانگ سرخ
ما۔ ان جانے جذبات میں اس کا چہرہ تہما اٹھا تھا۔ ماریہ نے بتیاب ہو کر پوچھا
رکلی ہے تمہاری بیوی؟ عامر نے فوراً اپنی بھاری پھل کی آب داتلوار کھینچ
سے ماریہ کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ یہ تلوار میری بیوی ہے ماں! میں
شادی کو چکا ہوں۔ یہی میری رفیق کار اور زندگی کے سفر کی ساتھی ہے۔
ساتھ میں اپنی آخری سانسوں تک اپنی ولت اور قوم کے ان سرحدی مسلمانوں
ت کرتا رہوں گا۔ ماریہ گری سوچوں میں کھو گئی تھی۔ یوں لگا تھا۔ جیسے اس
کے اس فیصلے سے اتفاق نہ کیا ہو۔

قبل اس کے ماریہ اس موضوع پر کچھ کہتی عامر نے پہلے ہی بات کا رخ بدل
اشیل کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ یہاں رہتے ہوئے تمہیں ایک سال
ہو گیا ہے۔ اب اگر تم واپس جانا چاہو تو کوئی تمہاری راہ نہ روکے گا۔ ہماری
تمہاری اسیری کا دور ختم ہوا۔ تم آزاد ہو اور اپنی مرضی کی مالک ہو۔ جب



سورج کافی چڑھ آیا تھا۔ سنہری دھوپ کو ہٹانوں کی چوٹیوں۔
وادپوں اور میدانوں میں پھیل گئی تھی۔ نقیب اور سعد اپنے گھوڑوں
ڈال رہے تھے۔ شاید وہ مستقر میں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اتنے
بھی اپنے کمرے سے نکلا اور اصطبل کی طرف بڑھا۔ نصر بن اسد کی پد
اب ان کے تصرف میں تھی۔ ایک کمرے میں عامر اور عیس، ایک کمرے میں نو
سعد۔ تیسرے کمرے میں ماریہ، راشیل، امیمہ اور اسماء رہ رہی تھی۔ کچھ کم
توشک خانے کے طور پر اسے استعمال کیا گیا تھا۔ اس کے باوجود کچھ کمرے
پڑے تھے۔ صحن میں ماریہ اور راشیل کھڑی تھیں۔ عامر ان کے پاس سے
رک گیا اور پھر ماریہ سے کہا۔ امیمہ اور اسماء کہاں ہیں ماں!
ماریہ نے اپنے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اندر
ہیں۔ عامر نے کچھ سوچا پھر سرگوشی کے انداز میں اس نے کہا۔ ایک بات
ماریہ نے خوش طبعی سے کہا۔ کھل کر کہو بیٹی! تمہیں مجھ سے اجازت
ضرورت ہے۔ راشیل بھی ان کی گفتگو غور سے سننے لگی تھی۔
عامر نے پھر دھم سی آواز میں کہا۔ ماں! میں چاہتا ہوں نقیب
اسماع سے اور سعد کی امیمہ سے ہو جائے۔ تم اسماء اور امیمہ سے ان کا

تم یہاں سے روانہ ہونا چاہو مجھے بتا دینا۔ میں تمہارے ساتھ چند آدمی بھیج دوں گا قلعہ حارم کی سرحد پر چھوڑ آئیں گے۔ وہاں سے تم اپنے باپ کے پاس انطاکیہ منگیتر کے پاس قلعہ حارم میں چل جانا۔

راشیل کی حالت فانی شباب کی طرح اندوہناک اور اجل خوردہ مر رہی تھی۔ اس کی سانس تیز ہو گئی تھی۔ جیسے وہ اپنے کے دھکتے آتش کو تمام اپنے قابو میں رکھ سکی تھی پھر اس نے اہل عزا کے بین جیسی افسردہ آواز میں اب اس باپ کے پاس نہ جاؤں گی جو بدکردار ہے۔ ماریہ اب میری میرے باپ نے ماریہ کی بیٹی کو نہیں میری بہن کو بے آبرو کیا ہے۔ ایسے میں لعنت بھیجتی ہوں۔ رہ گیا میرا منگیتر یورا کہ تو اس سے اب میرا کوئی تو ماریہ کی صحبت میں رہتے ہوئے میں نہ عیسائی رہی ہوں نہ مسلمان میں اور صاف قرطاس ہوں جس پر کبھی بھی اور کسی بھی وقت کوئی مستقل ادراپا نہ ٹپنے والا کوئی نقش بن سکتا ہے۔ اگر آپ کو میرا رہنا ناگوار گزرتا ہو تو اور چلی جاؤں گی۔ راش اشترہ میں میرا انھیال ہے وہاں میرا بوڑھا ماموں رہتے ہیں ان کی کوئی اولاد نہیں۔ آپ اگر پسند کریں تو میں وہاں چلی جاؤں اگر میں کہیں بھی جانا پسند نہ کروں اور یہیں رہنا چاہوں تو آپ کا نامرنے نرم لہجے میں کہا۔ میں تمہیں کہہ چکا ہوں تم آؤ اور ادا کی مالک ہوں۔ اگر تم یہاں رہنا چاہو تو کوئی تمہارے راستوں میں رکاوٹ گا۔ عامر کے ان الفاظ سے راشیل کے چہرے پر خوشیو کے سیل جیسی بہاؤ کی طغیانی جیسی خوشیاں چھا گئی تھیں۔ جہاں وہ تھوڑی دیر قبل تک اشب جیسی آواز اور افسردہ ہو گئی تھی وہاں اب اس کے چہرے پر دودھ اطمینان و سکون کی زلفشانی اور طرب انگیزی تھی۔

راشیل چند لمحوں تک عامر کو احسانمندی سے دیکھتی رہی پھر کسی آبتبار کی سی صدا اور کسی مہوش کی سی نوا میں کہا۔ آپ مطمئن رہیے میں

بہن بنوں گی۔

عامر نے اس بار بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ یہاں رہتے ہوئے یہ منزل یاد رکھنا مجھے کبھی یہ یقین ہو گیا کہ یہاں رہ کر تم طیطوس یا اپنے منگیتر کے لیے ہماری سی کرتی ہو تو میری تلوار اور تمہارے درمیان فاصلہ سمیٹتے دیر نہیں لگے گی۔

یقیناً یہ بھول جاؤں گا کہ تم یہاں ایک غریب الوطن اور مجبور لڑکی ہو۔ راشیل نے ایک نئے عزم سے کہا۔ آپ اطمینان رکھیے۔ یورا کہ اب میرے لیے اجنبی ہے۔ اگر آپ پر کبھی یہ ثابت ہو جائے کہ میں ان دونوں بھائیوں کے کام کرتی ہوں تو آپ میری گردن کاٹ دیں میں اُف نہ کروں گی۔

عامر جب پیچھے ہٹنے لگا تو ماریہ نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ تم نے اپنی ہی کے متعلق کچھ نہیں بتایا بیٹھے! عامر نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ماں! میں ہانا۔ اب تلوار ہی میری زندگی کا ساتھی ہے۔ پہلے نقیب یا سعد سے میرے کے حالات معلوم کرنا پھر تم خود ہی محسوس کرو گی کہ تلوار ہی میری بہترین رفیق ساتھی ہے۔ اور سنو ماں! عامر کہتے کہتے رُک گیا کیونکہ حویلی عامر کے لشکر کا ایک چھوٹا سالار داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ایک بوڑھا تھا۔ نے اپنے سیاہ گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی۔

اس سالار نے عامر کی طرف اشارہ کر کے اس بوڑھے سے کہا۔ وہ ہمارے اہل نافع کھڑے ہیں۔ وہ سالار واپس لوٹ گیا۔ بوڑھا اپنے گھوڑے کی پکڑے آگے بڑھا۔ اس کا جوتا ٹوٹا ہوا تھا اور وہ ایڑیاں گھسیٹ گھسیٹ بل رہا تھا۔ نزدیک آ کر اس بوڑھے نے اپنے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی عامر کی طرف اپنی آگ برساتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے انتہائی غصے اور غرضالت میں پوچھا۔ کیا تم ہی عامر بن نافع ہو؟ کیا تم ہی سرحدی بستیوں کے لہجہ کو ان کو ہتانوں میں آئے ہو۔ عامر نے نرمی اور عاجزی سے کہا۔ میرے ماں! میں ہی عامر بن نافع ہوں۔

اتنے میں عیس آگے بڑھا اور اس بوڑھے کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے
نے شفقت آمیز لہجے میں کہا - اے مہربان بزرگ! تو کہاں سے آیا ہے تیرا بستی
طرف ہے اور طیطوس کے آدمیوں نے کب تم لوگوں سے زیادتی کی ہے -

بوڑھے نے عامر کا گریبان چھوڑ دیا - گھٹنوں کے بل وہ زمین پر بیٹھ گیا
دل سے ہوک اٹھتی آواز میں اس نے کہا - میرا نام حارث ہے - میری بستی طیطوس
مملداری میں ہے - طیطوس کا بھائی پورا کہ تم سے شکست کھا کر کے بعد جب لوٹا
پہلی شب اس نے مسلمان بستیوں میں تباہی مچادی -

بوڑھا حارث چند لمحوں تک رگ کر پڑے زہریلے انداز میں تھوکر نکلتا
پھر اس نے ایسی مسکنت اور بے بسی میں کہا جس میں ایک نوحہ ایک فریاد تھی -
اگر اپنے شکست خوردہ لشکر کے ساتھ ایک حریف سخت جان اور اجل
لع ا طریق بن کر مسلمانوں کو لوٹتا رہا - اس نے جی بھر کے مسلمانوں کے مال و عزت
لوٹا اور اپنی شکست کا بدلہ لے کر صبح ہونے سے پہلے پہلے لوٹ گیا -

بوڑھا حارث جو گھٹنوں کے بل زمین پر پڑا تھا اس کا سر بھی زمین تک
لتا چلا گیا اور اس نے آہیں بھرتے ہوئے کہا - اے بد نہاد پورا کہ پوری رات مسلمان
ٹیوں میں طوفان بن کر چلتا رہا - ساری رات وہ زنا پرورش آگ اور خون کا کھیل
بمبار رہا - اندھیروں کی آڑ میں وہ ہمارے اُبلتے خون سے کھیلتا رہا - عصمتیں لگتی رہیں
چنے ٹھروں سے کھینچتے رہے - بوڑھے اپنے جوان سہاروں کو، مائیں اپنے بیٹوں کو
رہنیں اپنے بھائیوں کو پکارتی رہیں لیکن بد تمیزی کے اس طوفان میں مظالم کے
ابے رحم طوفان میں کسی نے ان کی پکار نہ سنی - کسی نے ان کی صدا پر لبیک نہ
نا، کوئی تھا ہی نہیں جو ان کی فریاد پر اللہ اکبر پکار کر طوفان کھڑا کرتا -

ان ظالموں نے تو جوانوں کو پہلے ہی قتل کر دیا تھا - وقت کے بے رحم
فول نے ان سے قبولیت کی ہر گھڑی اور بشارتوں کا ہر لمحہ چھین لیا تھا کاش
انہیں تباہی انتظار و آرزو کی قیمت ہوتی ہے - کاش کوئی ان پر یہ اسرار

انے والا وہ نوار و بوڑھا ایک دم بھڑک اٹھا - آگے بڑھ کر عامر
عامر کا گریبان پکڑ لیا اور پھر ایک دو تین کئی طمانچے اس نے عامر کے منہ پر
ہوئے زہر انگنتی اور کھولتی آواز میں کہا - تم بزدل ہو، تمہارے یہاں آنے
سرحدی مسلمانوں میں ایک اُمید اور نئی لہر دوڑ گئی تھی کہ تم ان کے پاس بار
ان کی عزت و مال کی حفاظت کرو گے لیکن تم نے کچھ نہیں کیا - بلکہ تمہارا
آمد کے بعد اس بھیڑیے طیطوس کی ترک باز کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہو گیا ہے
اس کے آدمی تم سے جنگ کرنے کے بعد لوٹتے ہیں تو جاتے ہوئے مسلمان بستی
لوٹتے، آگ لگاتے اور ویران کرتے چلے جاتے ہیں - کوئی ان کی راہ روکنے والا
کوئی ان مظالم کا سد باب کرنے والا نہیں ہے - اگر حالات ایسے ہی رہتے
تو ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں - جاؤ ان ہی وادیوں کی طرف لوٹ جاؤ
سے کوچ کر کے تم اس طرف آئے ہو - اس نے ان گنت بستیوں کو لوٹا تم
رہے - وہ مسلمان لڑکیوں کو اغوا کرتے رہے تم نے چپ کی چادر اور
وہ نہتے مسلمانوں پر باد و باران کا طوفان بن کر چلتا رہا - بارش کا آلام بن
قوم کے لوگوں پر برساتا رہا -

عامر کی رگ و پے میں سنسنی دوڑ گئی تھی، نقیب اور سعد صطبا
بھاگ کر ادھر آگئے تھے - کمرے کے اندر سے عیس، امیر اور اسماعیل بھی با
آئی تھیں - راشیل بھاگ کر آگے بڑھی اور اس بوڑھے کے وہ ہاتھ جن سے
نے عامر کا گریبان پکڑ رکھا تھا چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا - کیا آ
ہیں آپ نے کس کا گریبان پکڑ رکھا ہے -

بوڑھا اور زیادہ بھڑک اٹھا - ہاں میں جانتا ہوں - میں نے ایک
کا گریبان پکڑ رکھا ہے ایک ایسے پاسان پر ہاتھ ڈال رہے - جو بے فکری
نہیں سوتلہ ہے - ایک ایسے گڈریے سے باز پرس کر رہا ہوں جو اپنے رب
بھیڑوں اور ان کی سلامتی و تحفظ کی جانب سے غافل ہو چکا ہے -

پھر تین میل دائیں ہاتھ مڑنے کے بعد ایک وادی کے اندر جس قدر مسلمانوں
بستیاں تھیں انہیں لوٹ لیا گیا ہے اور مکانوں کو آگ لگا دی گئی۔ اب نہ
ہاں کوئی بستی ہے نہ بستی کا نام، لوگ کھلے آسمان تلے پڑے قدرت کے مری معجز
ہے منتظر ہیں۔

عامر نے ایک مضبوط عزم اور قصد بالجہوم میں کہا۔ میرے بزرگ! تو پھر
برا انتظار کیجئے۔ انشاء اللہ قدرت کے ان معجزات کا ظہور بہت جلد ہوگا۔ آپ
اپس چلے جائیے۔ میری آپ سے دوسری ملاقات مسلمانوں کی ان ہی تباہ شدہ
بستیوں کے کھنڈرات میں ہوگی جن کی آپ نے خبر دی ہے۔ جائیے مطمئن ہو کر
ٹ جائیے اور ان تباہ حال مسلمانوں کو جا کر یہ مژدہ سنائیے کہ شام کی تاریکی
یلنے سے پہلے پہلے وہ ساری بستیاں دوبارہ آباد کرنے کا سامان ہو جائے گا۔
عامر فدا رکا پھر اس نے پر شوکت لہجے میں کہا۔ جائیے لوٹ جائیے میرا
پ سے موٹ کا ساٹل وعدہ ہے۔ کہ میں حالات کو بدل دوں گا۔ آپ اب
بھیں گے کہ میں بحیرہ روم سے کوہستانِ حرمون کے فرازوں تک طیطوس کے لیے
تکڑا کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہنے دوں گا۔ بوڑھا حادثہ مڑ کر باہر نکل گیا۔
امر بھاگتا ہوا اصطبل میں آیا پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے دوڑاتا
ہوا حویلی سے باہر نکل گیا تھا۔

شکر نقیب اور سعد کی سرکردگی میں پہلے ہی میدان میں جمع ہو گیا اور
امرا سے لے کر جلد ندی کو پار کر گیا تھا۔ عامر اپنے لشکر کے ساتھ دس میل تک
یطوس کے علاقے کے اندر چلا گیا تھا۔ پھر وہ دائیں طرف مڑا اور پندرہ مربع میل
لے اندر اس نے عیسائی بستیوں میں تباہی اور خون ریزی مچا دی تھی۔ ایک ایک
ستی کے جوانوں کو قتل کر کے پہلے اسے لوٹا گیا اس کے بعد آگ لگا دی گئی اس طرح
یلوں و درتک آگ اور خون کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بستیاں جل رہی تھیں
لہجے چلے لوگ مغرب اور شمال کی طرف بھاگ رہے تھے۔

منکشف کرتا، کوئی انہیں یہ بتانا کہ خالد کے پاندہ نشان، فاروقِ اعظم کی نور
ابن علی کی جانشینی اور محمد بن قاسم کی فرض شناسی کہاں کھو گئی ہے۔ کہ
کا کیسا نقاب پھیل گیا ہے۔ کاش کوئی اٹھتا اور ترانہ وحدت کا گانا کا
پکار کر اس امت کو بتانا کہ مسلم قوم کو اس وقت وحدتِ فوطی نہیں دے
کی ضرورت ہے۔

بوڑھا خاموش ہوا اداس نے دیکھا عامر کی آنکھیں بند تھیں
کی پلکیں جھپکی ہوئی تھیں۔ عیسٰی اپنے دامن سے آنسو پونچھ رہا تھا۔ نقیب
کی گود میں جھکی ہوئی تھیں۔ ماریہ، راشیل، امیمہ اور اسماعیل اور سرسدا
ایک دم عامر سنبھلا جیسے خواب سے بیدار ہوا ہو۔ پھر اس نے نقیب ا
دیکھتے ہوئے اپنی تہ بھری آواز میں کہا۔ نقیب! نقیب! پانچ ہزار
تیار کر کھیدان میں میرا انتظار کرو۔ نقیب اور سعد اپنے گھوڑوں کی طرف
اور سوار ہو کر باہر نکل گئے۔

عامر آگے بڑھا اور بوڑھے حادثہ کو اس کے کندھوں سے پڑ
ہمدردی سے کہا۔ میرے محترم! میرے بزرگ! اٹھیے! جو کچھ آپ
کہہ چکے، جو کچھ یوراکہ نے کرنا تھا کر چکا۔ اب جو میں کہوں گا اُسے غور
اور جو کچھ میں کروں گا اُسے یوراکہ اور طیطوس ہی نہیں بہر خالم و جابر نصرا
اور تنہمہ کے انداز میں دیکھیے اور سنے گا۔ آج تک میں اس لیے عیسائی بہ
اپنی ترک تاز کا نشانہ نہ بناتا رہا کہ ہمارا خد صرف حملہ آور ہوا کرتے تھے
اگر طیطوس اور یوراکہ نے مسلمان بستیوں کو ویران کرنے کا ارادہ کر لیا
انہیں عبرت خیزی کا ایسا سامان فراہم کروں گا کہ وہ اپنے ہر قدم پر چوکنے
میرے محترم! مجھے یہ بتائیے جل بستی سے آپ کا تعلق ہے
طرف ہے۔ بوڑھے نے اپنی گود آلود داڑھی صاف کرتے ہوئے کہا
جبلہ کو عبور کر کے جو شاہراہ حارم کی طرف جاتی ہے اس پر پانچ میل آگ

ہاں۔ عامر نے شکر کو روک دیا۔ خود وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اُترا اور حارث کو مخاطب کہا۔

”میرے بزرگ! سامان سے لدے ہوئے اور خالی ان جانوروں کی طرف دیکھو رت نے اپنے معجزات کا ظہور نہیں کیا۔ آپ مجھے یہ بتائیے اپنی تباہ حال بستیوں کی کہاں کہاں پڑے ہیں۔“ حارث نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ویران ہونے والے بستیوں کے سب لوگ ایک جگہ جمع ہیں اور ایسا اجتماعی رفاع کے تحت کیا گیا۔ اس وقت ان لٹے پٹے لوگوں کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔

عامر نے پھر پوچھا۔ اندازاً کتنے لوگ ہوں گے جو متاثر ہوئے ہیں۔ حارث جتے ہوئے کہا۔ چار ہزار کے لگ بھگ ہوں گے۔ حارث کے علاوہ کچھ بزرگ بھی وہاں جمع ہو گئے تھے۔ عامر نے ان سب کو مخاطب کر کے کہا میں نذر جنس اور خوراک تمہارے حوالے کرتا ہوں جو پورے چھ ماہ تک سب لوگوں ام آسکے اور ان چھ ماہ میں تم اپنی فصلیں تیار کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ بے علاوہ میں اس قدر نقد رقم بھی تم لوگوں کے حوالے کروں گا جو ہر فرد کے ایک سال کا خرچ مہیا کر سکے۔

عامر نے سامان سے لدے سارے اونٹ، آدھی خچریں جن پر خوراک غدی کے توڑے لدے تھے ان کے حوالے کر دیئے اس کے علاوہ جس قدر ایل ہاتھ لگی تھیں ان میں سے دو حصے بھی انہیں دے دیئے۔ باقی سامان نے اپنے شکر کے لیے رکھ لیا تھا۔

سامان سے لدے ہوا اونٹ اور خچران ویران حال بستیوں کے بڑے بڑے ٹوڑھوں کے حوالے کرنے کے بعد عامر نے ان سب سے مصافحہ کیا اور حجب وہ اپنے گھوڑے دوبارہ سوار ہو گیا تو بوڑھا حارث اس کے قریب آیا ایک دم وہ نیچے جھکا اور بس میں رکھے ہوئے عامر کے پاؤں کو بوسے دینے لگا۔ عامر ہلکا سا گیا تھا۔ نے فوراً گھوڑے سے چھلانگ لگا دی اور بدحواسی میں کہا۔

طیطوس اور اپنی تباہی کے درمیان عامر نے صرف ایک فرق رکھا طیطوس کے آدمی مسلمانوں کے مال اور عزت و دونوں کے لیے نقصان دہ ثابت تھے جب کہ عامر نے کسی بھی نصرانی عورت سے کوئی تعرض نہ کیا تھا۔ عورتوں ہاتھ نہ اٹھایا گیا تھا۔ تاہم طیطوس ہی کی طرح بستیوں اور فصلوں کو لگا لگا دی گئی تھی۔ اونٹ، گھوڑوں، خچروں اور بکریوں پر مشتمل ایک اُن ریوڑ عامر کے پاس جمع ہو گیا تھا۔ جو کچھ تباہ شدہ بستیوں سے حاصل ہوا وہ ہی بستیوں کے جانوروں پر لا دکر عامر نے مسلمانوں کی ان بستیوں کا رنج و جنہیں طیطوس کے بھائی یوراک نے کچھل شب تباہ کر دیا تھا۔

شمال کی طرف بھاگنے والے نصرانیوں کو عامر نے تباہ کیا تھا کہ وہ طیطا کو خبر کر دیں اُنہ وہ جتنی بھی مسلمان بستیوں کو ویران کرے گا میں اس سے نصرانی آبادیوں کو آگ اور خون کی نذر کر دوں گا۔ یہ ایک بھرپور اور عبرت بخش تھا جو طیطوس کی بد اعمالیوں کی وجہ سے عمل میں آیا تھا۔

سہ پہر کے قریب عامر اپنے شکر کے ساتھ اس جگہ نمودار ہوا جس کی بوڑھے حارث نے کی تھی۔ اس نے دیکھا ایک کھلے میدان کے اندر لوگ مساکین کی طرح پتھری زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں پہاڑ پر کھڑے ایک بوڑھے ان تباہ حال لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

لوگو! دیکھو مغرب کی طرف دیکھو! وہ آگیا ہے جس کا میں نے کیا تھا۔ دیکھو! اس کے ساتھ کس قدر جانور اسباب سے لدے ہیں۔ اس نے اپنا وعدہ خوب نبھایا ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس پر ہاتھ کر غلطی اور گناہ کیا ہے۔ وہ بوڑھا حارث تھا جو لوگوں کو عامر کے لشکر کا سارا ہاتھ تھا۔

اب اُن گنت لوگ اس پہاڑ پر چڑھ کر عامر کے لشکر کو قریب آئے لگے تھے۔ عامر جب قریب آیا تو بوڑھا حارث اس پہاڑ سے نیچے اُترا اور لشکر

میرے محترم! یہ آپ نے کیا کیا۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔ آپ کا احترام بہر حال مجھ پر فرض ہے۔ حارث نے آنکھیں بند کرتے ہوئے ایک انوکھے نشے میں کہا اے میری امت کے شیر دل فرزند! تمہارے پاؤں کو بوسہ دے کر جو سرور ملا ہے اس کی لذت و سودا اس کا سکر و خماری انوکھا انداز ملا ہے۔ آہ! اے میری قوم کے مجاہد! جی چاہتا ہے خدا کے تم ہر روز اسی طرح دشمن کے لیے آہنی سیج بچھا کر غلظت مند لوٹتے رہو اور میں ہر روز تیرے پاؤں کو بوسہ دیتا رہوں۔ خداوند بے نیاز تیرے جذبہ جہاد کو طلائے احمر کی سی جلا اور تیری شجاعت کے جذبول کو حُب الوطنی اور مذہب پسندی کے جمال کا امتزاج بن گئے۔ میرا رب تیری بے غبار آموں کو دشمن کے لیے ریگ کی بساط اور موت کا دشت بنا دے۔ طیطوس آج تک کنول کنج کا بھورا اور غسل و زبور بن کر ہمارے خون کا رس چوستا رہا۔ اب اپنی بستیوں کی تباہی اور بربادی دیکھ کر اس کا سارا رنج و کینہ جاتا ہے گا اور پھر اپنی ایسی ہی غلطی دہرائے سے قبل اسے یہ ضرور سوچنا پڑے گا کہ میری اپنی بستیوں پر کیا گور جائے گی۔ خدا کی قسم تم نے دشمن کو نیم جان کر کے ہمارے دل کا سارا دھواں تحلیل کر دیا ہے۔ آپ کی حویلی میں مجھ سے جو آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی اس میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔

عامر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ حویلی کے اندر آپ نے میرے منہ پر جو طمانچے مارے تھے۔ یہ ان ہی کا اثر ہے کہ میں نے دشمن سے انتقام لیا ہے۔ آپ کے وہ طمانچے میری ذات پر میرے ضمیر پر اور زندگ آلودہ پن پر تازہ زائے تھے۔ جن کی شدت نے مجھے زندگی کی اصل راہ دکھائی۔ ان طمانچوں کی نسبت سے میں آپ کا احسان مند ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے میں جاتا ہوں۔ شام سے پہلے پہلے مجھے اپنے مستقر میں پہنچ جانا چاہیے۔

بوڑھا حارث چند لمحوں تک عامر کے ان کھردرے اور خون آلود کپڑوں کو دیکھتا رہا جن پر کئی پوند دیکھے جاسکتے تھے۔ نہ جانے کس جذبے کے تحت

اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے اور عامر آگے بڑھ کر اس سے بغل گیر ہو گیا تھا۔ عامر گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کر

شام سے تھوڑی دیر قبل عامر اپنی وادی میں داخل ہوا۔ پہلے اس نے چھپنے ہوئے سامان کو مستقر کے مال خانوں میں رکھوایا اور جب لشکر کے انتظام شروع ہو گیا تو وہ تینوں مستقر سے حویلی کی طرف آئے۔ ماریہ، امیمہ اور اسماء صحن میں کھڑی تھیں جیسے وہ ان تینوں کا ہی انتظار کر

عامر کے کپڑے سب سے زیادہ خون آلود تھے۔ ماریہ نے فکر مند ہو کر ٹھیک تو ہو بیٹے! عامر نے مسکرا کر کہا۔ یہ تو دشمن کا خون ہے ماں! رعائیں دو مال کہ میں ان کا سر کھلتا رہوں۔ اپنی تباہ حال مسلمان بستیوں برس کے اخراجات دینے کے علاوہ میں اپنے لشکر کے لیے بھی چھ آٹھ ماہ کا کیا ہوں اور یہ سب کچھ میں نے نصرانی بستیوں سے حاصل کیا ہے۔ آگے بڑھ کر عامر کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ میں تم تینوں کو تمہاری اس کامیابی آبادیتی ہوں۔

نقیب اور سعد تینوں گھوڑوں کو پکڑ کر صطل کی طرف لے گئے تھے۔ پھر عامر سے کہا تم بُری طرح خون آلود ہو رہے ہو بیٹے! آؤ میں پہلے تمہارا ہلاؤں۔ راشیل نے پہلی بار بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ ماں! اگر تم کہو تو تمہارا تھو دھلائی ہوں۔ ماریہ نے مسکرا کر کہا، تمہیں اس کی اجازت

راشیل بھاگتے ہوئی گئی اور پانی کا ایک بڑا کوزہ بھرا لائی ایک صاف چٹائی اپنے کندھے پر رکھ کر وہ لے آئی تھی۔ عامر کے قریب آ کر اس کی پر خواب گھنٹیوں جیسی اپنی آوازیں کہا۔ آئیے ہاتھ منہ دھولیں

عامر خاموشی سے اس کے ساتھ ہولیا۔

راشیل اسے صبح کے ایک کونے میں بیتے پانی کی ایک نالی کے پاس لے گئی اور دوبارہ اس نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے آبشاروں کی پُرا سر اور تیز لہر کے سے انداز میں کہا۔ بیٹھے میں پانی ڈالتی ہوں۔ عامر بیٹھ گیا اور راشیل لپٹے جھک کر اس کے ہاتھوں پر پانی ڈالنے لگی۔ راشیل کے قرب سے عامر کو لویوں محسوس ہوا جیسے اس کے حسین جسم سے جنگلی چھو لوں کی خوشبو اور مرن پوٹ جذبہ زریروں کی مہک اٹھ کھڑی ہوئی ہو۔

عامر نے ایک بار سر اُدھر اٹھا کر دیکھا راشیل کے بالوں کی لٹیں صبا کے آوارہ جھونکوں کی طرح لہرا رہی تھیں اور تیز ہوا میں اس کا لباس سمندر کے اند کھڑی کشتی کے کھلے بادبان کی طرح پھڑپھڑاتا تھا۔ عامر ہاتھ منہ دھو کر جب اٹھا راشیل نے اپنے کندھے پر رکھا انگوچھا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے چپکتے آئی طیور جیسی آواز میں کہا۔ اس سے ہاتھ منہ صاف کر لیں۔

عامر نے انگوچھا لے کر ہاتھ منہ پونچھتے ہوئے کہا۔ تمہیں تو دکھ ہوا ہوگا کہ میں نے نصرانی بستیوں کو تاراج کیا ہے۔ راشیل کے چہرے پر رنگ رنگ کے جذبات اور گونا گوں احساسات پھیل گئے تھے۔ پھر اس نے سر دڑغبی جیسی پُرتاثر انداز میں کہا۔

میرا اس وقت کوئی مذہب نہیں، نہ ہی کسی بستی سے میرا تعلق ہے میں سمجھتی ہوں جس بستی کے اند میں رہ رہی ہوں یہی میرا اصل گھر اور مسکن ہے آپ نے یہ کیسے اندازہ لگا لیا کہ مجھے دکھ ہوا ہے۔ آپ کی فتح پر مجھے ایسی ہی خوشی ہے جیسی آپ کو۔ راشیل رکی پھر اس نے نہایت غمگسارانہ اور ملامت خیز لہجے میں کہا۔ جہاں آپ نے لوگوں کو خوشخبری دی ہے وہاں میں بھی آپ ایک اچھی خبر دیتی ہوں اور وہ یہ کہ آپ کی غیر موجودگی میں ماں نے امیہ ان اسماع سے بات کی تھی وہ دونوں لقیب اور سعد بھائی سے شادی کے لیے

ندیں۔

عامر نے ہاتھ میں پکڑا ہوا انگوچھا واپس راشیل کے کندھے پر رکھتے ہوئے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ تمہیں کیسے علم ہوا کہ وہ دونوں رضامند راشیل نے زمین پر پڑا کندہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ جس وقت ماں نے ان سے کی تھی اس وقت میں بھی ان کے پاس موجود تھی۔ عامر کچھ کہنا چاہتا تھا پر شش رہا۔ کیونکہ ماریہ بھی اُن کی طرف آرہی تھی۔

قرب آ کر اس نے عامر سے کہا۔ بیٹے! ابھی تھوڑی دیر پہلے دمشق ہائے کچھ جاننے والے آئے ہیں۔ ان کی تعداد دس ہے اور ایک ان کا وہ ہے جس نے اپنا نام جمال الدین بتایا تھا۔ عمیس ان سب کو جانتا ہے۔ رہا تھا کہ جمال الدین دمشق شہر کا محتسب ہے باقی نو اس کے محافظ ہیں۔ بن یہاں سے لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ کیا تم ان کے ساتھ چلے جاؤ بیٹے! یہاں کی بستیوں کو اُجڑنے کے لیے، یہاں کے مکینوں کو آنسو بہانے اور ادیوں کو دیوانوں میں تبدیل ہونے کے لیے۔ اب یہاں سے واپس نہ جانا! تمہارے دم سے ہی یہاں زندگی ہے۔ اگر تم چلے گئے تو طیطوس ان علاقوں بحدوڑے گا۔ اس سیلاب کی طرح جس کے سامنے کوئی بند کوئی رکاوٹ نہ ہو میرے بیٹے! یہاں سے مت جانا۔ میں اب تمہارے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گی جیسے بڑے شہر میں تمہارے نہ ہونے سے کیا فرق پڑے گا لیکن ان دادیوں اری موجودگی ضروری ہے۔

عامر چپ اور خاموش کھڑا تھا۔ راشیل کی گردن جھکی ہوئی تھی اور وہ ماریہ کی باتوں کا جواب نہیں دیا بیٹے! عامر چونک کر سنبھلا اور ماریہ کی دیکھتے ہوئے اس نے گھبرا کر آواز میں کہا۔ ماں! ماں! دمشق میں میرا اسے۔ میں وہاں کیا لینے جاؤں گا۔ یہاں تم میری ماں ہو اور اپنی ماں

کو اکیلا اور تنہا چھوڑ کر کون جاتا ہے۔

راشیل کے لبوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ماریہ نے آگے بڑھ کر عامر کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ مجھے تم جیسے بیٹے پر فخر ہے۔ عامر نے پھر ماریہ کو مخاطب کر کے کہا۔ جمال الدین کہاں ہیں ماں! وہ میرے محسن ہیں۔ میں پہلے ان سے ریلوں کا پھر کوئی اور کام کر دوں گا۔ ماریہ نے تجسس میں پوچھا اور کیا کام کرو گے۔ عامر نے بے ساختگی میں پوچھ لیا۔ امیمہ اور اسماء سعد اور نقیب کے ساتھ شادی کے لیے تیار ہو گئی ہیں نا ماں!

ماریہ نے مسکرا کر کہا ماں وہ رضا مند تو ہیں۔ تو پھر میں پہلے جمال الدین سے ریلوں اس کے بعد ان چاروں کے نکاح کا انتظام کر دوں گا۔ وہ دو کمرے جو مونس اور اسماء کے پاس ہوا کرتے تھے اب نقیب اور اسماء کے تصرف میں آجائیں گے۔ سعد اور امیمہ کو دوسرے دو کمرے دے دیں گے۔ باقی تین کمرے ہمارے لیے کافی ہیں۔ کسی کو بلانے کی ضرورت ہی نہیں۔ عمیس نکاح پڑھا دے گا۔ وہ مجھے نظر نہیں آ رہا کہاں ہے۔

اس بار ماریہ کے بجائے راشیل نے بتایا۔ وہ دیوان خانے میں دمشق سے آنے والے آپ کے آدمیوں کے پاس بیٹھے ہیں۔ عامر وہاں سے ہٹا اور دیوان خانے کی طرف چل دیا۔ اچانک عامر رک گیا اور مڑ کر ماریہ سے پوچھا۔ ماں! نقیب اور سعد کہاں ہیں۔

ماریہ نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ انہیں میں نے دیوان خانے میں بھیجا ہے بیٹے! مجھے خدشہ ہو گیا تھا کہ میں تم جمال الدین کے ساتھ دمشق نہ چلے جاؤ لہذا میں نے نقیب اور سعد کو اس لیے اس کے پاس بھیجا ہے کہ وہ اسے کہیں عامر کو یہاں سے دمشق نہ لے جاؤ۔ عامر مڑا اور پھر دیوان خانے کی طرف چل دیا۔

تیز قدم اٹھاتا ہوا جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا۔ دیوان خانے الدین کے علاوہ اس کے دس مسلح آدمی، عمیس، نقیب اور سعد بیٹھے۔ عامر کو دیکھتے ہی جمال الدین اٹھا اور اپنے دونوں بازو پھیلا کر وہ بٹ بٹا کر اس نے ایک والمانہ انداز میں عامر کو اپنے ساتھ لپیٹ لیا اور دن آلو کبا س کی پرواہ نہ کی تھی۔ پھر اس نے عامر کو اپنے ساتھ بٹھاتے۔ میں دوپہر کا آیا ہوا ہوں بیٹے! مجھے خبر ہوئی تھی تم کہیں حملہ آور ہو۔ لگتا ہے۔ یہاں آ کر تم نے اپنی قوت میں خوب اضافہ کر لیا۔ مجھے بتا رہا تھا تم دشمن کو کئی بار کھلے میدانوں میں شکست دے ب دمشق میں بھی وہ حالات نہیں ہیں بیٹے! ظاہر المرزغانی نصرانیوں زکرتا ہوا رنگے ہاتھوں ہم نے پکڑ لیا تھا۔ اسے اور شہر کے چھ ہزار بیوں کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اب دمشق میں سکون ہے۔

امام یوسف فندلاوی اس وقت شہر کے قاضی ہیں وہ تمہیں بہت یاد کرتے اور شہاب الدین دمشق میں تمہاری کمی محسوس کرتے ہیں۔ تاج الملوک غلطیوں پر شرمندہ ہے۔ اس نے تمہیں شہر کا محتسب مقرر کر دیا تمہیں لانے کو بھیجا ہے۔

امرنجیدہ ہو گیا اور جمال الدین کی طرف دیکھنے کے بجائے اس نے گروں کا کہا۔ میں اب دمشق نہیں جاؤں گا۔ میرے محترم! اس لیے نہیں کہ بار مجھے برگ خزاں جان کر اپنی نظروں سے گرا چکے ہیں بلکہ اس لیے بہت میں اپنی ضرورت یہاں زیادہ محسوس کرتا ہوں۔

امرفرا سار کا پھر وہ جذبات میں ڈوبا کتا چلا گیا۔ میرے محترم! یہاں کے اند میں نے اپنے مذہب و ملت کی پاسبانی کا ایک ننھا سا پودا بڑا بھی فوزائیدہ ہے اور اسے موسموں کی سختیوں سے بچانے کی بجائے آپ ہی بتائیں، میں اس ننھے نو نہال کو کو بہتانی آندھیوں

کو اکہ اور بر فانی طوفانوں کے حوالے کر کے کیسے اور کیونکر یہاں سے چلا جاؤں۔ بہار
سہرحدی مسلمانوں نے میری ذات کی نسبت سے کچھ اُمیدیں اور آرزوئیں وابستہ
ہیں ہیں ان کی اُمیدوں کو دھوکا دینا نہیں چاہتا، میں ان کی آرزوئوں کو پامال
کر سکتا۔ اب میرے ان کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جسے توڑا نہیں جاسکتا
جا کہ پوری سے کہہ دیں خدا سے انصاف کرنے اور اسلام کی خدمت کرنا
توفیق دے۔ مجھے اب یہیں رہنے دیں کہ ان ہی وادیوں کے اندر میرا جینا
ہی کو ہتان کے اندر میرا مرنہ ہوگا۔ عامر خاموش ہو گیا۔ نقیب اور سعد مطمئن
عمیس کے چہرے پر سمندر کی سی لازوال مسکراہٹ تھی۔

جمال الدین نے اپنی جھکی ہوئی گردن اُپر اٹھاتے ہوئے کہا،
تمہاری باتوں نے مجھے متاثر کیا ہے۔ اگر تم یہاں رہ کر مسلم قوم کی بہتر
کر سکتے ہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ نہ لے کر جاؤں گا۔ خدا تمہیں توفیق دے۔
ان سہرحدی مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ایک مضبوط بند اور آہنی حصار قاف
میں پوری سے جا کر کہہ دوں گا کہ نافع کا بیٹا ہم سے کہیں بہتر اسلام کی خدا
کر رہا ہے۔

جمال الدین کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ اب مجھے اجازت دو، میں یہاں
رخصت ہوتا ہوں۔ عامر نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا، نہیں آپ! عجالت
میں کیونکر جاسکتے ہیں۔ آپ چند روز یہاں قیام کریں۔ اس میں
ہوگی۔ جمال الدین نے عامر کا ہاتھ پکڑ کر اُپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

میرا جانا ضروری ہے۔ دمشق کے حالات ابھی اجازت نہیں
میں زیادہ دیر باہر رہوں۔ اب مجھے روکنے کے لیے کوئی اور کاٹ کھڑ
بس یہی سمجھو جس طرح اس کو ہستانی بستیوں میں تمہارا قیام ضروری ہے
میرا آج ہی دمشق لوٹ جانا لازم ہے۔

عامر کچھ نہ کہہ سکا جمال الدین اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے

جمال الدین کے محافظ نقیب، سعد اور عمیس بھی باہر نکل آئے تھے۔ وہ
اصطبل میں گئے۔ محافظ اپنے اور جمال کا گھوڑا صحن میں لے آئے تھے۔ سامنے دا
بن ماریہ، راشیل، امیمہ اور اسماء انہیں دیکھ رہی تھیں۔

جمال الدین نے عامر کے بعد عمیس، نقیب اور سعد سے مصافحہ کیا۔ اپنے
پر سوار ہوا۔ ایک مخموم مگر پُر اثر نگاہ اس نے افسردہ کھڑے عامر پر ڈالی
بعد وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اپنے محافظوں کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔

جمال الدین جا چکا تھا مگر عامر ابھی تک اسی طرح اداس اور مخموم کھڑا تھا
اکی آنکھیں لگتا رہوئی کے اس دروازے پر مگی تھیں جہاں سے نکل کر
بریں باہر گیا تھا۔ عمیس، نقیب اور سعد بھی اس کی حالت پر افسوس زدہ
تھے۔ اتنی دیر تک ماریہ، راشیل، امیمہ اور اسماء بھی باہر آگئی تھیں۔
آگے بڑھ کر دیکھا عامر کی پلکیں بھگی ہوئی تھیں۔ اس نے عامر کے شانے
کھتے ہوئے پوچھا۔ کہاں کھو گئے ہو بیٹا!

عامر سنبھل گیا اور اپنی آستین سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے اس نے
اماں! اس گھر سے اجنبیوں کی طرح رخصت ہو جانے والا میرا محسن ہے
مجھ پر ایسے احسان ہیں جنہیں فراموش نہیں کیا جاسکتا اس کے یہاں سے
موجہ نے مجھے افسردہ کر دیا تھا۔ کاش وہ ایک شب ہی یہاں رُک گیا
ایہ عالم بھی کیسا ناپائیدار ہے۔ سرائے کی مانند اس جہاں میں کوئی آتا ہے
بھٹت ہو جاتا ہے۔ عامر خاموش ہو گیا۔

راشیل اس کے سامنے غمگین اور سر جھکائے کھڑی تھی۔ عامر سنبھلا اور اپنے
بکا قدر مسکراہٹ لاتے ہوئے اس نے کہا۔ امیمہ اور اسماء تم تھوڑی دیر
بٹنے کرے میں چلی جاؤں۔ امیمہ اور اسماء فوراً وہاں سے ہٹ کر کمرے میں چلی
ا۔ عامر نے اس بار نقیب اور سعد کی طرف دیکھ کر کہا۔ تم دونوں یہ خون
آتا کہ وہ کپڑے پہن جو تمہارے پاس سب سے اچھے ہیں۔ ابھی اور اسی

رہی نہ تھی۔ کوئی ایسا تھا ہی نہیں جو میری زندگی کو سناوڑا۔ پر تم میری مثل اور نظیر
یوں چلتے ہو۔ میں اب بوڑھا ہوں، قبریں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔ کسی بھی
ن یہاں سے کوچ کر سکتا ہوں۔

عامر نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ میرے ماں باپ بھی مر گئے ہیں۔
چچا ہے۔ پردہ چچا بھی کیسا جس نے مجھے اپنے گھر سے چلے جانے کو کہہ دیا تھا۔
طرح تمہاری اجیر اور حمال کا کام کرتے ہوئے زندگی گزری ہے۔ اسی طرح
زندگی ان سرحدی مسلمانوں کی خدمت اور حفاظت کرتے ہوئے گزر جائیگی۔
میں نے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ نہیں بیٹے نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ میرا دل کتا
ایک روز تم شادی کرو گے اور ضرور کرو گے۔ عامر اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا
جوعم! اپنی دیکھو تو انہوں نے اتنی دیر کیوں کر دی ہے۔ صرف کپڑے
لے آئیں یہاں چلے آنا چاہیے تھا۔

دیوان خانے سے نکل کر عامر اس کمرے میں داخل ہوا جو نقیب اور سعد
اس نے دیکھا وہ کمرہ خالی تھا اور اس کے ساتھ والے کمرے میں جو ماریہ راشیل
اور اسماء کا تھا اس میں نقیب ان سب کو عامر کی داستان سنا رہا تھا۔ عامر
ہر کھڑا ہو کر سنتے لگا۔ نقیب جب نائزہ کی موت اور اس کے بعد کے واقعات
رغاموش ہو گیا تو نائزہ کی یاد پر عامر بے حد مغموم، دلگیر اور طول ہو گیا تھا۔ اس
دن جھک گئی تھی اور نہ جانے کہاں کھو گیا تھا۔

چند لمحوں تک عامر اپنے گزرے ہوئے حادثات کے تاثر میں ڈوبا رہا۔
وقت جب ماریہ اور راشیل اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھیں۔ اس نے
دونوں رو رہی تھیں۔ ماریہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ عامر! عامر!
بیٹے! مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ نقیب ہمیں تمہاری داستان سنا رہا تھا۔ سیر کئے
لات سے تم ہو کر گزرے ہو ان کے بعد خدا تمہیں خوش اور پرسکون رکھے۔
راشیل نے بھی سکتے ہوئے کہا۔ مجھے نائزہ کی موت کا دکھاوا فوس ہے۔

وقت تم دونوں کا نکاح ہو گا۔ میں تم دونوں سے پہلے بھی اس سلسلے میں گنہگار
ہوں۔ نقیب! نقیب! تمہارا نکاح اسماء سے اور سعد کا امیمہ سے ہو گا۔ جاؤ
کرد۔ میں بہت جلد اس کام سے فارغ ہو جانا چاہتا ہوں۔

نقیب اور سعد کچھ کہے بغیر چپ چاپ اپنے کمرے میں چلے گئے۔
نے عمیس سے کہا۔ اے میرے عم! ابھی ان چاروں کا نکاح ہو گا اور یہ کام تم
ماں تم بھی راشیل کے ساتھ جاؤ اور ان چاروں کی تیاری کرو، میں اور عمیس
خانے میں بیٹھتے ہیں۔ تم انہیں تیاری کے بعد وہیں لے آنا۔

ماریہ اور راشیل چلی گئیں۔ عامر اور عمیس آکر دیوان خانے میں بیٹھ
تھوڑی دیر تک کمرے میں سکوت رہا پھر عمیس نے بڑی دردمندی سے پو
بیٹے! تم خود کب شادی کرو گے۔ عامر نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا
شادی نہیں کروں گا۔ عم اب میری تلوار ہی میری بیوی اور سرحدی مسلمانوں
خدمت ہی میری شادی اور خوشی ہے۔

عمیس نے گلو گیر آواز میں کہا۔ ابھی تم نوجوان ہو بیٹے! زندگی کا
طویل مسافت بغیر کسی ہمراہ کے کیسے طے کرو گے۔ زندگی کی اس دھوپ چھاؤ
زیست کے اس اتار چڑھاؤ میں، حیات کے اس شب و روز میں اور عمر کے
دخم میں بیوی کا ساتھ ضروری ہے۔ یہ قدرت کا نظام ہے اور فطرت کا
جس سے فرار نہیں۔

عامر نے غور سے عمیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے عم! زندگی
اس پر خار سفر میں تم نے اپنے لیے کسی ساتھی کا چناؤ کیوں نہ کیا۔ عمیس ایک
ہو گیا۔ جیسے اپنی پرانی یادوں میں اپنے مشقت طلب ماضی میں کھو گیا ہو
نے بڑے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اے پدر مہربان! میرے ماں باپ
مر گئے تھے جب میں ابھی چھوٹا سا تھا۔ اس دنیا میں کوئی تھا ہی نہیں جو مجھے
پوری زندگی اجیر اور حمال (بوجھ اٹھانے والا) کا کام کرتا رہا ہوں۔ کسی

بے آپ سے علیحدہ کر رہے ہیں۔ نقیب کے چُپ ہونے پر سعد بھی بول پڑا۔
 برا آپ کے ساتھ ہی ہماری عزت اور وقار ہے۔ آپ کی معیت میں ہم
 قوت بھی ہیں اور پُر شوکت بھی، آپ سے علیحدگی مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔
 نے پھر بولتے ہوئے کہا۔

”یہ تم دونوں کے اپنے خیالات ہیں لیکن اب تم دونوں کی اپنی مرضی کے
 ساتھ اسماء اور امیر کی رائے بھی شامل ہوگی اور تم دونوں کو وہی کرنا چاہیے جس
 ان دونوں کی خواہش اور رضامندی ہو۔“

نقیب نے پُر شکوہ انداز میں اسماء اور امیر کی طرف دیکھتے ہوئے
 تم دونوں بولتی کیوں نہیں ہو۔ کیا تم دونوں اپنا علیحدہ علیحدہ انتظام کرنا
 تی ہو۔ اگر ایسا ہے تو یہ میری اور سعد کی بدقسمتی ہوگی۔ اسماء اور امیر نے ایک
 ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ دونوں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں کوئی فیصلہ
 پھر اسماء نے عامر کو مخاطب کر کے کہا۔

”یا اخی! گو آپ ان دونوں سے عمر میں کم ہیں لیکن آپ سب کے
 ایک بڑے بھائی اور باپ کی جگہ ہیں۔ ہماری کوئی مرضی نہیں۔ آپ کا فیصلہ ہمارا
 آخری اور قطعی ہوگا۔ ہاں ہماری ایک خواہش ضرور ہے اور وہ یہ کہ جس طرح اب
 گھر کا مشترکہ نظام چلتا رہا ہے آئندہ بھی اسی طرح چلتا رہے۔ آپ ہمارے بڑے
 لڑی ہیں۔ عیس اور ماریہ ماں اور باپ کی جگہ ہیں۔ آپ کے ساتھ رہتے ہوئے ہی
 لڑائی اور سکون ہے۔“

سعد نے امیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم بھی تو کچھ بولو۔ امیر نے
 ملکہ انداز میں کہا۔ علیحدہ ہونا تو ایک طرف میرے ولی جذبات یہ ہیں کہ اگر
 عامر! ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا تک نہ کھائیں گے تو ہم سمجھیں گے ہم سے کوئی
 اہمٹی ہے جس کی وجہ سے یہ ہمارے ساتھ ناراض اور خفا ہیں۔ اس کے علاوہ
 رہ پاس کہنے کو کچھ نہیں۔

کاش وہ مخلص اور نیک دل لڑکی پوری زندگی آپ کا ساتھ دے سکتی۔ عامر نے اپنے
 کو جھٹک دیا اور سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میں تم دونوں کی سہمدستی
 احسان مند ہوں جو کچھ مجھ پر گزونا تھا گزر چکا اب اس پر بچھڑا کیسا۔ ماں! ماں!
 جب کہ تمہیں میرے سب حالات کی خبر ہو گئی ہے اب کبھی مجھ سے میری شادی
 گفتگو نہ کرنا۔ عامر واپس مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ غم اور اندوہ میں راسخا
 گردن جھک سہی گئی تھی۔ ماریہ نے صوب کو ساتھ لیا اور دیوان خانے کی طرف
 گئی تھی۔

بڑی سادگی کے ساتھ عیس نے دیوان خانے میں نقیب سے اسماء
 سعد سے امیر کا نکاح پڑھا دیا۔ جب وہ فارغ ہوا تو عامر نے ماریہ کی طرف دیکھ
 ہوئے کہا۔ اب کھانے کا انتظام کرو ماں! سخت جھوک لگی ہے۔ میں بھی کیسا
 اور احمق ہوں جمال الدین اور اس کے ساتھیوں کو جاتے ہوئے یہ تک نہ پوچھا کہ
 کھا کر جاؤ۔ ماریہ اٹھتی ہوئی بولی۔ آؤ سب میرے ساتھ کھانا کھائیں۔ ایک بار
 اس کمرے میں آئے جس میں نقیب انہیں عامر کی داستان سنا رہا تھا۔ وہاں ماریہ
 راشیل نے کھانا لگایا اور سب مل کر کھانے لگے تھے۔

جب وہ کھانا کھا چکے تو عامر نے نقیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ لا
 تم اور اسماء حویلی کے ان ہی دو کمروں میں رہو گے جہاں اسماء پہلے رہتی رہی
 تمہارے کمروں سے ملحق بائیں ہاتھ جو دو کمرے ہیں۔ ان میں سعد اور امیر رہیں
 تم سب اگر کھانے کا مشترکہ انتظام رکھنا چاہتے ہو تو بہتر ورنہ تمہیں اجازت۔
 لوگ اپنا علیحدہ علیحدہ گھر بھی بنا سکتے ہو۔ سو بہر عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ
 اپنا گھر بناس لیے

عامر کی بات کاٹتے ہوئے نقیب نے کہا۔ یا امیر! آج آپ کیسی با
 رہے ہیں۔ آج آپ کی باتوں میں مایوسی، ناامیدی اور شکستہ دلی ہے۔ ہم تو
 کے ساتھ زندگی بھر نبھانے کا عہد کر چکے ہیں اور آپ ہمیں ابھی سے بیکار

عمیس کے ساتھ مل کر طے کر لوں گا۔ تم دونوں جاؤ میں اگر یہاں رہوں یا میں تم دونوں کی ذات پر کیا اثر پڑتا ہے۔ دن کے وقت تو ہم تینوں نے ہی کام کرنا ہے۔ اب تم لوگ جاؤ۔ نقیب اسما، سعد اور امیمہ چپ چاروں باہر نکل کر اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے تھے۔

کمرے میں چند لمحوں تک خاموشی طاری رہی پھر اس بار راشیل نے مایوسانہ انداز میں عامر کی طرف دیکھتے ہوئے گلہ شکوہ اور شکایت سے بھرپور میں کہا۔ اس گھر کا ہر فرد تو پہلے ہی آپ کی دکھ اور درد بھری داستان سن کر ہوا، اداس اور دکھی ہو رہا ہے اس پر آپ حویلی سے نکل کر مستقر میں رہنے بل کر رہے ہیں۔ اگر آپ اس گھر کے کسی فرد سے تنگ، نالاں اور شاکا ہیں آپ کی خوشی اور اطمینان کی خاطر اس حویلی کو چھوڑ بھی سکتا ہے۔ ہم سب لیے ہر بات پر آپ کی شادمانی اور سکون مقدم ہے۔

عامر نے غور سے راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم یوں ہی بات کو اپنی پہنچ رہی ہو، میں کسی سے بھی نالاں اور شاکا نہیں ہوں۔ میں نے تو یہ اس نظریے کے تحت کی تھی کہ چونکہ اب میں نقیب اور سعد کے فرض سے نکل ہو گیا ہوں اور اب وہ اس حویلی میں میری غیر موجودگی میں بھی آجاسکتے ہیں بھہ اپنا زیادہ وقت مستقر میں گزارنا چاہتی ہے۔ اگر تم سب مل کر اس معاملے کو سے پہاڑ بنانے پر تگے ہوئے ہو تو میں تم لوگوں کے ساتھ اسی حویلی میں رہوں گا۔ عمیس اب پُر سکون دکھائی دینے لگا تھا۔ ماریہ اطمینان بخش انداز میں عامر رٹ دیکھ رہی تھی اور راشیل، راشیل کی خوشی کی کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ اس کے بے جیسے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ تھی اور اس کے چہرے کا ہر نقش دل پذیر مارا اور ہو گیا تھا۔

قبل اس کے ان تینوں میں سے کوئی عامر کی بات کا جواب دیتا حویلی یعنی دروازے پر دستک ہوئی۔ عامر فوراً اٹھ کر باہر نکل گیا۔ جب اس نے روزہ

عامر چند لمحوں تک خاموش رہا۔ دوبارہ اس نے نقیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مجھے تم لوگوں سے کچھ اور بھی کہنا ہے۔ پہلے تم اس حویلی میں نسبت سے رہتے تھے اور میں کبھی مستقر سے حویلی نہ آتا تو تم دونوں بھی نہ رہتے۔ اب معاملہ اور ہے۔ اس حویلی پر اب تم دونوں کا حق ہے۔ یہاں دونوں کی بیویاں ہیں لہذا میں اب اکثر مستقر میں رہوں گا۔ یہ نہ سمجھنا میں تم سے قطع تعلق کر رہا ہوں، ہرگز نہیں میں مشروع میں ہی مستقر میں رہنے کا قائل لیکن ماں کے کہنے پر میں یہاں رہنے لگا تھا۔ اب تم دونوں اس حویلی کے ذمہ درد و کمرے تم دونوں کو مل گئے ہیں یہ تین کمرے ماں، راشیل اور عمیس کے تھے میں رہنے دو۔

ماریہ جواب تک چپ رہ کر سب کچھ سن رہی تھی کھولتی ہوئی آواز بولی اور تم کہاں رہو گے؟ عامر نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ میں کہہ تو چکا مستقر میں رہوں گا۔ میں ایک شکر کا امیر ہوں۔ اور امیر اپنے شکر کے اندر ہی اچھا لگتا ہے۔ ماریہ نے حنفی میں کہا۔ امیر شکر کے علاوہ تم اس حویلی کے بھی ہو اور بیٹا کیا اپنی ماں کے پاس اچھا نہیں لگتا؟

ماریہ جب خاموش ہوئی تو عمیس نے دیکھا لہجے میں عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اگر تم حویلی کے بجائے مستقر میں رہو گے تو میں بھی وہیں رہوں۔ میرا پھر یہاں کیا کام۔ میں دن بھر شکر کا ریورٹر چرا دیا کر دل کا اور رات کو پاس پڑ کے سو رہوں گا۔ میں تو اب بوڑھا ہوں بس دو وقت کے کھانے کا ہوں۔ عامر نے کچھ سوچا پھر اس نے نقیب اور سعد کو مخاطب کر کے کہہ جاؤ تم چاروں اپنے کمرے میں جاؤ۔

نقیب اور سعد وہاں آگئے اور خاموش کھڑے رہے۔ عامر نے دینے کے انداز میں کہا، تم دونوں نے سنا نہیں، میں نے کہا ہے تم لوگ کمروں میں چلے جاؤ۔ میری رہائش کا مسئلہ کوئی ایسا بڑا اور اہم نہیں ہے

بسیط جب خاموش ہوا تو عامر چند لمحوں تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے آواز میں پوچھا۔ کیا اس خبر نے یہ اطلاع نہیں کی کہ طیطوس اور معرۃ النعمان کے رقب تک ہم پر حملہ آور ہوں گے۔ بسیط اپنے گھوڑے کی لگام اپنے بازو پر لے ہوئے کہا۔ یا امیر! وہ کہہ رہا تھا یہ حملہ آئندہ ایک ہفتہ کے اندر اندر متوقع ہو رہا ہے۔ کیا اس سلسلے میں میرے لیے کوئی نیا حکم ہے۔

عامر نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ ٹھہرو! میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ عامر کی طرف بڑھ گیا۔ نقیب اور سعد اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ عامر نے مڑ کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم دونوں میرے پیچھے کیوں آرہے ہو، جاؤ اپنے بل میں چلے جاؤ، خطرے کی کوئی بات نہیں۔ میں بسیط کے ساتھ ذرا مستقر بن گا اور وادی میں داخل ہونے والے درے کے اوپر جہاں ہماری مخفیاتی نصب اہال سپاہیوں کی تعداد بڑھا دوں گا تاکہ وہ ہر وقت جاگ کر مستعدی سے پہرہ لے سکیں۔ تم دونوں فکر مند نہ ہو، میں پورا بندوبست کر کے آؤں گا۔ میں کچھ دے دیتے مقرر کر آؤں گا جو ہر وقت جیلہ ندی کے اس پار گشت کرتے رہیں اور ان کے حملے کی صورت میں قبل از وقت ہمیں اطلاع کر دیں۔ میں منجیقوں پر رو دینے والوں سے بھی کہہ دوں گا۔ کہ وہ خطرے کی صورت میں نثارے پھونک دے۔ دونوں پر چوٹ لگا دیں اور جنگ کے طبل بجا دیں۔

نقیب اور سعد جب وہیں کھڑے رہے تو عامر نے تلخ ہو کر کہا۔ کیا بات ہے آج تم میرا کہا ماننے میں پس و پیش کیوں کر رہے ہو۔ کیا تم دونوں مجھ میں کوئی عیب دیکھتی ہے یا میرے کہنے کی تاثیر اور میرے فیصلے کا اثر جاتا رہا۔ نقیب نے سر نہکا کر عاجزی سے کہا۔ یا امیر! ایسی کوئی بات نہیں۔

پھر تم میرا کہا کیوں نہیں مان رہے۔ نقیب نے گلوگیر آواز میں کہا۔ یا امیر! ہم دونوں آپ کو تنہا کیسے چھوڑ دیں۔ عامر نے پھر مڑ کر اصطلح کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ میں جلدی میں لوٹ آؤں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ صرف چند جگہوں پر حفاطتی دیکھ

کھولا تو سامنے لشکر کا وہ سالار کھڑا تھا جس کا نام بسیط تھا اور جو عامر نقیب اور سعد کی غیر حاضری میں لشکر کے انتظامی امور اور دیکھ بھال کا ذمہ دار تھا۔ عیسٰی اور راشیل بھی آٹھ کر صحن میں آکھڑے ہوئے تھے۔ نقیب اور سعد بھی اپنے کمرے سے نکل کر عامر کے قریب کھڑے ہو گئے تھے۔

عامر نے آنے والے سالار کو مخاطب کر کے پوچھا۔ بسیط! بسیط! کیا بات ہے خیریت تو ہے، بسیط جو اپنے گھوڑے کی باگ کھڑے کھڑا تھا مطمئن انداز میں کہا۔ یا امیر سب ٹھیک ہے۔ میں آپ سے صرف یہ کہنے آیا تھا تھوڑی دیر پہلے اپنا ایک مخبر قلعہ حارم کی طرف سے آیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ طیطوس کی اپنی بستیوں تنباہی کا علم ہو گیا ہے۔ جن پر آج ہم نے حملہ کیا تھا۔ اب یہ بات تو طے اور ہے کہ اس کے آدمی ہماری بستیوں پر بلغار اور حرکنا زنہ کریں گے۔ اس مخبر کا کہنا ہے کہ وہ چند یوم تک حارم شہر میں رہ کر آیا ہے اور اپنی بستیوں کی تنباہی سے قبل وہ ہم پر ایک بھر پور حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

اس مخبر کا کہنا ہے کہ طیطوس ہماری طاقت سے خوفزدہ لگتا ہے۔ جس سے ہم نے اس کے بھائی پورا کہ کو شکست دی ہے تب سے وہ زیادہ متوثر لکھ رہا ہے۔ ہم پر حملہ آور ہونے کے لیے اس نے قلعہ معرۃ النعمان کے نصرانی حکمران بھی اپنے ساتھ بلا لیا ہے۔ اس طرح چند یوم تک دو لشکر ہم پر حملہ آور ہوں گے۔ پہلے طیطوس ہم پر حملہ آور ہوگا اگر وہ ہمارے خلاف کامیاب رہے۔ انشاء اللہ نہیں ہوگا تو معرۃ النعمان کا لشکر حرکت میں نہیں آئے گا۔ طیطوس شکست کی صورت میں معرۃ النعمان کا لشکر طیطوس کے ساتھ مل کر ہم پر حملہ کرے گا۔ اس وقت تک معرۃ النعمان کا لشکر جوئے جیلہ کے اس پار اوٹ میں پڑا رکھے گا۔ ان کا ارادہ ہے کہ طیطوس کی شکست اور پانی کے بعد ہم مطمئن ہو کر کھول دیں گے اور دونوں لشکر دوبارہ ہم پر اچانک حملہ آور ہو کر ہمیں جھکے پڑے کر دیں گے۔

مقرر کروں گا۔

راشیل نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ پوچھو ماں! مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے۔
 یہ کچھ سوچا پھر کہا۔ کیا تم عامر کو پسند کرتی ہو۔ راشیل کی گردن جھک گئی اور وہ
 میں کھو گئی۔ ماریہ نے پھر پوچھا، میرے سوال کا جواب خاموشی نہیں ہے بیٹی!
 ان سے کچھ کہو تاکہ تمہارا غم دیکھ کر میں کچھ کرنے کی کوشش کروں۔ راشیل نے
 اٹھایا اور خوابیدہ سے لیجے میں کہا۔ اگر میں اقرار بھی کر لوں گی تو کیا فرق پڑے
 کسی کو اپنانا تو ایک طرف اپنے نزدیک تک نہ آنے دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔
 ان انہیں پسند کرنا نہ کرنا برابر ہے۔

ماریہ نے اس کی بہت بڑھاتے ہوئے کہا، پہلے تم اپنا فیصلہ تو دواں کے بعد
 اہٹ دھری توڑنا میرا کام ہے۔ چند لمحوں تک راشیل کا جسم برگ لالہ کی طرح کا تھا
 اس نے خیف اور دم آواز میں کہا۔ ماں! ماں! اگر کھل کر ہی سننا چاہتی ہو
 ۔ این! انہیں اس وقت سے پسند کرتی ہوں جب انہوں نے انطاکیہ میں موت کے
 میں سبور کو شکست دی تھی۔ ماں! میں یہ نہیں کہتی کہ اگر وہ مجھے نہ لے لیتے تو میں
 کر لوں گی۔ لیکن میں اتنا ضرور کہوں گی کہ وہ میری منزل ہیں۔ ان کے بغیر میں زندہ
 رہتی ہوں مگر ایسی حالت میں کہ میری سانسیں میرے لیے بوجھ بن جائیں۔ اس وقت
 بائی ہوں نہ مسلمان لیکن ان کی خاطر میں اسلام قبول کرنے کو تیار ہوں۔ ماں!
 میں جانتی محبت کیا ہوتی ہے۔ لیکن جس طرح کسی کو اپنی جان عزیز اور پسندیدہ
 ہے، اسی طرح وہ بھی مجھے عزیز اور پسند ہیں۔

ماریہ نے راشیل کے خاموش ہونے پر کہا۔ تم اس کی داستان تو سن چکی ہو بیٹی!
 حالات نے اسے کچل کر رکھ دیا ہے۔ اسے محبت، ہمدردی اور غمگساری کی ضرورت
 کم زیادہ سے زیادہ اس کے قریب رہ کر اسے اس کے ماضی سے نکال کر اپنے حال
 قبل میں لاسکتی ہو۔ میں تمہیں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ نائرہ کی یادوں کو بھول
 وہ نہیں پسند کرنے لگا تو تم سے اس کی محبت لازوال اور لانا ہوا ہوگی۔
 تھے کہتے رنگ گئی کیونکہ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ راشیل بدک کر اٹھ گئی اور

نقیب اور سعد دیں کھڑے رہے۔ ان کے دائیں طرف صحن کے اندر
 راشیل اور عیس بھی کھڑے تھے۔ سماء اور امیمہ بھی اپنے اپنے دروازوں میں کھڑ
 ہو کر یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ عامر صطبل میں آیا۔ گھوڑے کو لگام چڑھائی اور
 پر زین ڈالنے کے بجائے وہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر ہی سوار ہو کر جوہی سے باہر آیا اور
 بیٹھ کے ساتھ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا تھا وہ دوڑ نکلا گیا تھا۔ نقیب اور
 سعد گردنیں جھکائے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے تھے۔ راشیل، ماریہ اور عیس چند
 لمحوں تک وہیں کھڑے رہے پھر راشیل دروازے کو اندر سے زنجیر لگانے کے بعد
 اور عیس کے ساتھ واپس اسی کمرے میں چلی گئی تھی۔

عامر بیٹھ کے ساتھ سیدھا مستقر میں آیا۔ وہاں لشکر کے سب جوان ابھی
 جاگ رہے تھے۔ کئی کمروں سے قرآن مقدس پڑھنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں
 عامر نے پورے لشکر کو پریشان نہ کیا۔ کچھ دستوں کو اس نے جبہ بندی کے اس پار
 دوڑ تک اگلے حکم تک بنگاہ رکھتے پر مقرر کیا اور وہ دستے اسی وقت مسلح ہو کر کوچ کو
 گئے تھے۔ کچھ اور دستوں کو عامر نے اپنے ساتھ لیا اور اس درے کی طرف روانہ ہو
 گیا جس میں سے گزر کر وادی جبیلہ میں داخل ہوا جاتا تھا اور جس کے اوپر دونوں جانب
 اس کی منجھنقیں نصب تھیں۔ وہاں عامر نے پہریداروں کی تعداد بڑھا دی اور انہیں
 تاکید کر دی کہ وہ ہمہ وقت چوکس رہیں اور کسی خطرے کی صورت میں نثارے اور طل بجا
 کر اپنے لشکر کو آگاہ کر دیں۔ اس کے بعد عامر اور بیٹھ پہاڑ سے نیچے اترے بیٹھ لشکر
 کی طرف چلا گیا اور عامر اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا بستی کی طرف جا رہا تھا۔

عامر کے جانے کے بعد عیس، راشیل اور ماریہ تھوڑی دیر کمرے میں بیٹھ
 کر باتیں کرتے رہے، ان کا موضوع عامر تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب عیس عشاء
 کی نماز کے لیے دہرے کمرے میں چلا گیا تو ماریہ نے راشیل کو مخاطب کر کے لازداری
 سے پوچھا۔ راشیل! راشیل! میری بیٹی! اگر تم جھوٹ نہ بولو تو ایک بات پوچھو

ماری کھل کر مہنس دی۔ عامر کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اسی لمحہ بگے بڑھی، اپنی حسین اور گداز باہیں اس نے ماریہ کے گلے میں ڈال کر پیار سے اس ان میں سرگوشی کی جس کے جواب میں ماریہ نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم اپنے کمرے میں چلو بیٹے! یہ خون آلود کپڑے بدل لو۔ راشیل تمہارے لیے لے کر آتی ہے۔

عامر اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا۔ کمرے سے بندھا ہوا چمڑے کا وہ منظر جس سے تلوار اور خنجر ٹنک رہے تھے وہ آثار کو اس نے دیوار کی کھونٹی سے لٹکا دیا۔ جب بے پنگ کی طرف بڑھا تو راشیل کمرے میں داخل ہوئی۔ عامر نے دیکھا اس نے نئے اٹھار کھے تھے۔ نزدیک آ کر راشیل نے وہ کپڑے پنگ پر رکھتے ہوئے کہا۔

یہ نیا لباس تبدیل کر لیں۔ خون آلود کپڑے مجھے آثار دیں میں دھو ڈالتی ہوں۔ عامر نے ان کپڑوں کی طرف غور سے دیکھا۔ عامر نے کپڑوں کے علاوہ ان نٹ کی آون کا ایک گرم جوتہ بھی تھا جس پر کڑھائی کا کام بھی تھا۔ عامر نے راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ یہ کپڑے کس کے ہیں؟ راشیل نے معصومیت سے کہہ دیا آپ کے ہیں اور کس کے؟ کون لایا ہے؟

راشیل نے بے باک ہو کر کہا۔ آپ کے لیے لائی تھی۔ یہ جوتہ سادہ تھا۔ اس پر کڑھائی کا کام میں نے خود گھر پر کیا ہے۔ عامر نے پس و پیش کرتے لہا لیکن تم نے۔

راشیل درمیان میں فوراً بول پڑی۔ دیکھئے انکار نہ کیجئے گا۔ یہ کپڑے آپ کے ہانے بڑی محنت اور جانکاری سے بنے ہیں۔

عامر کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی پھر اس نے راشیل سے کہا۔ اچھا تم باہر دُریں کپڑے بدل لوں پھر تم پہلے کپڑے آکر لے جانا۔ راشیل باہر نکل گئی۔ عامر کپڑے بدلی کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے

ماریہ سے کہا۔ وہ آگئے ہیں ماں! میں دروازہ کھولتی ہوں۔

راشیل نے بھاگ کر جب دروازہ کھولا۔ تو سامنے عامر اپنے گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ راشیل نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے گھوڑے کی باگ لیتے ہوئے گھنٹھوں کی اچانک جھنجھناہٹ جیسی دلکش آواز میں کہا۔ لائیے میں گھوڑا اسٹبل میں باندھ آتی ہوں۔ میں نے تو سوچا تھا آپ متفرق ہی رہ جائیں گے، شکر ہے آپ لوٹ آئے ہیں۔

عامر نے کہا۔ تم چھوڑ دو! میں خود گھوڑا باندھتا ہوں۔ راشیل نے زبردستی باگ کھینچتے ہوئے کہا۔ آپ کا گھوڑا اسٹبل تک لے جانا بھی میری سعادت ہے۔ عامر نے چپ چاپ باگ آگے تھمادی۔ راشیل گھوڑا اسٹبل کی طرف لے گئی۔ عامر اندر آیا۔ اس نے دیکھا عمیس عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا۔

عامر اس کمرے میں آیا جس میں ماریہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اس کے سامنے کونپٹ گیا۔ ماریہ نے ٹکڑے ہو کر پوچھا، کوئی خطرے کی بات بیٹا! اتنی دیر تک راشیل بھی عامر کا گھوڑا اسٹبل میں باندھ کر آگئی اور ماریہ کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ عامر نے تسلی دینے ہوئے ماریہ سے کہا، فکر کی کوئی بات نہیں ہے ماں! کتنے راہگیروں پر بھونکتے رہتے ہیں لیکن ایسا کر کے وہ ان کی منزل بدل نہیں سکتے، انہیں ان کا مقصد چھوڑ دینے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

ماں! جب تک میں زندہ ہوں، جب تک میرے بازوؤں میں قوت ہے۔ جب تک میرے جسم میں خون کی گردش جاری ہے، میں ایسے کتوں کو مار بھگا تا رہوں گا۔ ماریہ نے دُعا دینے کے انداز میں کہا۔ میرے بیٹے! خدا تمہیں اس امر کی توفیق دے کہ تو اپنے ارادوں کی تکمیل کر سکے۔ میرا رب کرے تو اس طرح ان سرحدی مسلمانوں کی حفاظت کر سکے، جس طرح گڈریا اپنے ریوڑ کی دیکھ بھال، شبان اپنے غول کی نگرانی اور چوپان اپنے گلے کی نگہبانی کرتا ہے۔ راشیل نے درمیان میں فدا کہہ دیا۔ آمین۔

آواز دی۔ راشیل! راشیل!

ہرنی کی طرح بھاگتی ہوئی راشیل اندر آئی اس نے دیکھا عامر کپڑے بد چکا تھا۔ نئے لباس میں وہ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی دوہرا، کوئی نوشتہ، کوئی بنا، صبح میں کھڑا اپنی بیٹی اور عروس کا منتظر ہو۔

وہ کپڑے اس کے جسم پر خوب سجے تھے۔ راشیل اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا اور وضو کر کے عشاء کی نماز پڑھنے لگا تھا۔ راشیل صبح کے محو پر جا کر عامر کے ٹھون آلود کپڑے دھو رہی تھی۔



جوئے جبلہ کو عبور کرنے کے بعد وادی جبلہ میں داخل ہونے کے لیے جس درے سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس درے کے دائیں کنارے ایک بلند پہاڑ پر عامر کھڑا بار بار شمال اس شاہراہ پر دیکھ رہا تھا۔ جو کوہستانوں کے اندر سانپ کے سے بل کھاتی درختوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ سورج اب نیچے جھکتا ہوا اپنی بھولی بھری سماعتوں کی گندہ کی تلاش میں غروب ہونے کو تھا۔ گہرے گھنیرے اب نشیب سے بل کی چوٹیوں تک پڑھائے تھے۔

سورج جس وقت دن سے اپنے تمام تعینات و علاقوں توڑ کر آدھا غروب شمال کی طرف سے آنے والی شاہراہ پر ایک سوار نمودار ہوا۔ وہ اپنے سیاہ کواڑ پر ایڑ لگائے چلا آ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی عامر کے ہونٹوں پر گہری آدر کا سماں باندھ دینے والی سکراہٹ بکھر گئی تھی۔

جوئے جبلہ کے کنارے آکر اس نے گھوڑے کو روکا اور گھوڑا اپنی گہرے دل کی پیٹنے لگا تھا۔ سورج اب پھیلنے اندھیروں کی بازگشت اور تاریکیوں کی نوشت غروب ہو گیا تھا۔ جب گھوڑا پانی پی چکا اور سوار پھر اسے بھگتا ہوا چوبی پل لگا تو عامر اندھا دھند بھاگتا ہوا پہاڑ سے نیچے اترنے لگا تھا۔

سوار کے اب گھوڑا بھگانے کی رفتار پہلے کی نسبت سست تھی تاہم وہ عامر

بجا دو کہ دشمن ہماری طرف کوچ کر چکا ہے۔

آن کی آن میں وادی کے اندر جہاں چند لمحوں قبل تک گہرے سکوت اور
ہی کا پہرہ تھا وہاں اب قلب کو ناصبور کر دینے والا سوزِ سریر اور رگ رگ میں
نیا ولولہ پیدا کرنے والی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

عامر وہاں کھڑا ہو کر انتظار کرتا رہا۔ وہیں بجتی رہیں۔ نقارے جینگتے رہے۔

بھانک وڈاؤنی آوازوں میں جگمگاتے رہے۔ یہاں تک کہ نقیب اور سعد
لنگرے کو وہاں پہنچ گئے۔ عامر کے قریب آکر وہ رگ گئے اور اور ان کے پیچھے
بنے بھی اپنے گھوڑوں کو روک لیا تھا۔ عامر اپنا گھوڑا ان دونوں کے قریب لایا۔
نب کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ کیا تمہیں طیطوس کے کوچ کا علم ہو چکا ہے۔

نقیب نے گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ یا امیر! وہ مخبر ہم
مے سب کچھ کہہ چکا ہے۔ آپ حکم دیجئے ہمیں کیا کرنا ہے۔ عامر نے کچھ سوچا پھر
مذدور سے پکارنے لگا بسیط! بسیط! بسیط جو نقیب اور سعد سے
ملے پرکھڑا تھا زور سے پکارا۔

لبیک یا امیر محترم! اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر
رکے سامنے آکھڑا ہوا۔ عامر نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

سنو! میرے رفیقو! شکر کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرو۔ ایک حصہ میرے
رہے گا۔ دوسرا آدھا حصہ نقیب اور بسیط میں نصف نصف تقسیم ہوگا نقیب!
مے کے دائیں طرف کوہستان پر چڑھ جاؤ گے اور بسیط بائیں طرف رہے گا۔ میں
شکر کے ساتھ اس جگہ رہوں گا جہاں دتہ وادی میں کھلتا ہے۔ دشمن پر اس
عملہ کیا جائے گا جب ان کے ہراول دتے درے سے نکل کر میدان میں داخل
لیں گے۔ میں تم دونوں کو جس دقت جلتی ہوئی شعل کا اشارہ دوں گا تم دونوں
پنے شکر کو منجیقوں کے ذریعہ سنگ باری کرنے کا حکم دے دینا ایسی صورت
میں دشمن کے اندر ایک جگہ ڈرچ جائے گی یا ظاہر ہے آدھا شکر واپس بھاگے گا

کے پہاڑ سے اترنے سے قبل ہی اس کی سیدھ میں نیچے پہنچ گیا تھا۔ شاید وہ دودھ ہیر
عامر کو دیکھ چکا تھا اس لیے کہ عامر کی سیدھ میں آکر اس نے اپنے گھوڑے کو روک لیا تھا
عامر نے نزدیک آکر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ سوار نے نیچے اترنا ہوا
لیکن اس نے اسے پکڑ کر وہیں بٹھاتے ہوئے کہا۔ گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے کہو۔ سوا
نے کلام صاف کرتے ہوئے کہا۔

طیطوس اپنے لشکر کے ساتھ اپنے قلعے سے روانہ ہو چکا ہے اور رات
کسی بھی حصے میں وہ ہم پر حملہ آور ہوگا۔ اس کے تحت آنے والا لشکر تین حصوں
مشمول ہے۔ اس کا فاتی لشکر دو حصوں میں تقسیم ہے۔ آدھا اس کے پاس آدھا
کے بھائی پورا کے پاس ہے۔ تیسرا لشکر جو پہلے دونوں لشکروں سے بڑا ہے وہ
معزۃ النعمان کے نصرانی حکمران کا ہے۔ اور یہ شکر معزۃ النعمان ہی کے ایک سا
آموں کی قیادت میں ہے۔ طیطوس کا لشکر جس راستے سے میں آیا ہوں اس راستے سے
آئے گا بلکہ وہ اس پل کو پار کرے گا جو جلد ندی پر دوں میں نیچے ہے۔ وہاں سے ف
کے دائیں کنارے سفر کرتے ہوئے ہماری طرف بڑھیں گے۔ اگر وہ اپنی پوری
وفاری سے سفر کرتے رہے تو بھی وہ آدھی رات سے پہلے یہاں پہنچنے میں کامیاب
ہو سکیں گے۔

عامر نے اس کی طرف دیکھتے ہی کہا۔ اب تم جاؤ۔ نقیب اور سعد کو ان
کی اطلاع کرو۔ انہیں کہو لشکر لے کر آجائیں اور تم آج پوری رات آرام کرو۔ شا
اس کے بعد تمہارے لیے کسی اور مهم کی ابتداء ہو جائے۔

سوار نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اتر دیا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ عامر بھاگ کر
آیا جہاں نیچے وادی میں اس کا گھوڑا چر رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو زین سے لٹے
جنگی ہتھیاروں سے مسلح کر لیا تھا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور دتے
دونوں جانب منجیقوں پر پہرہ دینے والے اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے
اے رفیقان! دلتوا! اپنی دونوں پر چوٹ لگا دو۔ نقارے بھونک

اور ادھا میری طرف کھلے میدان میں آنے کی کوشش کرے گا۔ اور جو میری طرف آئے اس سے میں خوب نہایت لول گا۔ واپس بھاگا ہوا لشکر اگر دوبارہ مڑ کر حملہ کرتا پھر اس کا سنگ یاری سے استقبال کیا جائے گا۔ تم دونوں اپنے سب جوانوں منجانب قبول پر لگا دو۔ دشمن کے آنے تک میں ندی کے قریب بیٹھ کر پہرہ دوں گا۔ جب دشمن آگیا تو میں اس کی آمد پر تم سب کو اطلاع کر دوں گا۔ اپنے لشکریوں کو دینا کہ جب میں دشمن کی آمد کی اطلاع کر دوں اس کے بعد ان کو ہتھانوں کے بالکل خاموشی ہو جانی چاہیے۔ کسی کے پاؤں کی چاپ تک کی آواز نہیں آنی چاہیے۔ کو احساس تک نہیں ہونا چاہیے کہ ہم ان پر شب خون مارنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں اب عامر نے سعد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سعد! تم میرے رہو گے۔ نقیب اور بسیط کے لشکر کو ہتھان کے اوپر ہوں گے لہذا انہیں نقصان خدشہ نہیں۔ میرا لشکر دشمن سے بالمشافہ ٹکرائے گا لہذا تمہیں زخمیوں کی دیکھ بھال ہوگی۔ اب آؤ لشکر کو تقسیم کر کے اپنی اپنی کمین گاہوں میں چلے جائیں۔

عامر نے پہلے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ادھا لشکر اپنے لیے دو اس نے نقیب اور بسیط میں تقسیم کر دیا تھا اور وہ اپنے اپنے لشکر کو لے کر پہاڑ اوپر چڑھ گئے تھے جب کہ انہوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کو پہاڑ کے نیچے چر لیے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ نقیب اور بسیط نے اوپر جا کر چٹانوں کی اوٹ پر اپنے لشکروں کو گرم رکھنے کے لیے آگ کے الاؤ روشن کر دیے تھے۔ منجانب پتھر بھردیے گئے تھے اور پتھروں کے ڈھیر میں اضافہ کیا جانے لگا تھا۔

عامر نے بھی اپنے لشکر کو گھوڑوں سے اتر کر اوٹ میں ہو کر الاؤ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ آن کی آن میں لشکر نے اپنے گھوڑوں کو پتھروں باندھ دیا اور وہ بھی آگ کے الاؤ روشن کر کے گرد و ہوں میں بیٹھ کر دشمن کا نشانہ کرنے لگے تھے۔

عامر نے دس سواروں کو اپنے ساتھ لیا اور سعد کے قریب آکر

اسعد! میں اپنے ان دس سواروں کے ساتھ جلد ندی کے کنارے جانا ہوں ہم بیٹھ کر پہرہ دیں گے اور دشمن کے آنے پر لشکر کو اطلاع کریں گے۔ میری غیر لگائی میں اس لشکر کے کمانڈر تم ہو گے۔

عامر اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے ہٹنے لگا تھا تو اس نے دیکھا کہ کی طرف سے بہت سے لوگ آ رہے تھے جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں شعلیں لگی تھیں۔ عامر رگ گیا۔ تھوڑی دیر تک بستی کے بہت سے لوگ وہاں پہنچ گئے۔ مرد عورتیں سب شامل تھے۔ ایک بوڑھے نے آگے بڑھ کر عامر سے کہا۔

اے امیر! ہمیں خبر ہوئی ہے کہ دشمن ہم پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ بتائیے برا شوب وقت میں اپنے لشکر کے لیے ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں۔ عامر نے نہیں دیتے ہوئے کہا۔ آپ لوگ سب گھر جا کر آرام کریں۔ انشاء اللہ صبح تک آپ کے ہم دشمن کو مار بھگا چکے ہیں۔

اتنے میں عورتوں کے ہجوم سے مارہ نکل آئی۔ اس کے ساتھ عمیس تھا اور ان کے پیچھے پیچھے راشیل، امیمہ اور اسماء تھیں۔ ان تینوں نے گرم اونی چادروں سے رول کو ڈھانپ رکھا تھا۔ عمیس نے ہاتھ میں ایک گٹھڑی اٹھا رکھی تھی جس کی طرف کر کے اس نے عامر سے کہا۔ میں تم تینوں کے لیے کھانا لایا ہوں بیٹے! تم تو دوپہر سے کھلے ہوئے ہو۔ نقیب اور سعد بھی شام کا کھانا کھائے بغیر ادھر بھاگ آئے ہیں۔ عامر ایک دم چوکا اور اس نے اپنے ساتھ کھڑے سپاہیوں سے پوچھا۔ کیا تم لوگ مارا آئے ہو۔ اس سپاہی نے ثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اے امیر! پورا شام کا کھانا کھا چکا ہے۔

سعد نے آگے بڑھ کر عمیس سے کھانے کی گٹھڑی لے لی۔ مارہ، راشیل، امیمہ اور بھی عامر کے قریب آکھڑی ہوئی تھیں۔ مارہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کہاں ہے بیٹے! عامر نے مڑ کر پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ نقیب اس کے اوپر اپنے فرائض سنبھال چکا ہے۔ دائیں طرف وہ اور بائیں طرف بسیط وہ

ایں جو ایک مذہب پسند اور حب وطن رکھنے والی مسلمان لڑکی کرتی ہے تو آپ میرے
بھوک دینا۔ پھر راشیل نے سسک کر کہا۔ کاش آپ نے مجھے سمجھا ہوتا۔ یاد رکھیے
اپنے باپ سے طیطوس یا یورا کہ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں اب وادی جبلہ کی بیٹی ہوں اور
وادی کے اندر میرا جینا مرنا ہوگا۔

راشیل شاید اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکی تھی۔ اسی لیے وہ تھوڑی دیر
پھر عامر سے اور قریب ہو کر اس نے دکھ بھری آواز میں آہستگی سے کہا۔ اگر مجھے
یہ یا حارم میں کسی سے لگاؤ ہوتا تو جس طرح آپ نے مجھے یہاں سے چلے جانے
زادی دے دی تھی۔ میں یہاں سے کب کی کوچ کر گئی ہوتی۔ شاید یہ انکشاف آپ
لیے نیا اور دل چسپی کا باعث ہو کر اس الشمرہ میں میرے ننھیال والے سب مسلمان
گو میری ماں عیسائی تھی لیکن میری ماں کی شادی کے چند برس بعد میرے ننھیال والے
مسلمان ہو گئے تھے اور یہ بھی یاد رکھیے کہ اپنی ماں کی مرضی کے برعکس میں نے اپنی
ماں کا زیادہ حصہ راس الشمرہ میں اپنے ننھیال میں گزارا ہے۔

عامر نے راشیل کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور اس نے لوگوں کے ہجوم
اطب کر کے کہا۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ بلکہ دوسری بستیوں کے
بھی اگر ادھر آئیں تو انہیں بھی روک دو۔ آپ لوگوں کی یہاں موجودگی میں ہم آہن
بڑے دشمن سے نبرد آزما نہ ہو سکیں گے۔

پھر عامر نے عیس اور ماریہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ دونوں بھی راشیل
اور اسماع کو لے کر چلے جائیں۔ سب بے فکر اور پرسکون ہو کر آرام کرو۔ صبح
انشاء اللہ ہم اس حالت میں ہوں گے کہ آپ لوگوں کو ایک فتح کی خوشخبری کہہ سکیں۔
عامر کے کہنے پر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ عامر اور
رے کھانے کا ایک حصہ نقیب کو بھجوا دیا۔ خود ان دونوں نے الاؤ کے پاس بیٹھ کر
اکھایا۔ اس کے بعد عامر اپنے دس سواروں کو لے کر ندی کی طرف چلا گیا تھا۔

رات گھپ گھناؤنے اندھیرے سے جنگ کرتی ہوئی بجھکتی رہی۔ ہر طرف

دونوں اپنے اپنے لشکر کے ساتھ دشمن پر منہمقوں سے سنگ باری کریں گے۔ ماریہ
پیارے پوچھا۔ تم اور سعد کہاں ہو گے۔

سعد زخمیوں کی دیکھ بھال کرے گا۔ میں فی الحال اپنے ان دس سواروں
ساتھ ندی کنارے بیٹھ کر دشمن کی آمد کا انتظار کروں گا کہ میں وقت پر اپنے لشکر
کو سکوں۔ اس کے بعد جس جگہ اور جہاں آپ کھڑی ہیں میں یہاں دشمن کو روکوں گا
نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔ تم ہمیشہ اپنے لیے مشکل اور خطرناک کام کا انتخاب کرتے
عامر نے پُر زور آواز میں کہا۔ ہاں! میں لشکر کا امیر ہوں۔ ہر خطرناک
میں لشکر کے لیے مثال پیش کرنا میرے فرائض میں شامل ہے۔ آپ بے فکر رہیں
آپ دیکھیں گی۔ آج دشمن اپنی زندگی کے بدترین سکافات عمل اپنی تقدیر
روز بروز اور اپنی قسمت کی ہولناک حرمان نصیبی کا سامنا کر رہا ہوگا۔ راشیل آگ
اور حسرت بھری ایک نگاہ عامر پر پڑا لے ہوئے اس نے کہا۔ کیا ہمیں جنگ میں
لینے کی اجازت نہیں ہے اگر ہم اور کچھ نہ کر سکیں تو دشمن پر پہاڑ کے اوپر سے
پھینک سکیں گی۔ آپ ہمیں اجازت دیں ہم نقیب بھائی کے پہلو بہ پہلو اس
میں حصہ لیں گی۔

عامر نے غور سے راشیل کی طرف دیکھا پھر اس نے طنز کرتے کہ انہ
کہا۔ تم دشمن پر ایک پتھر بھی نہ پھینک سکو گی، پوچھو کیوں؟ راشیل نے جھٹ
لیا کیوں؟ عامر نے پھر طنزاً کہا۔ اس لیے کہ دشمن کے لشکر میں تمہارا منگیتر یوا
ہے۔ اور وہ تین حصوں میں سے ایک حصے کا سالار ہے۔ اب بولو کیا تم اس
برسا سکو گی۔ راشیل نے گلوگیر آواز میں احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ اے امیرا میں
آپ سے کہہ چکی ہوں کہ میرا یورا کہ سے کوئی تعلق نہیں۔ جس دور میں وہ میرا
اس دور کو میں نے اپنے ماضی سے خارج کر دیا ہے۔ اب اس کے خلاف جی
آپ کے ہیں ویسے ہی میرے بھی ہیں۔ اگر آپ پھر بھی مشکوک ہیں اور میرے
آپ کو اعتبار نہیں تو آپ یورا کہ کو کسی طرح زندہ پکڑ کر لے آئیے اگر میں اس کا

بڑی دیر تک وہ درے میں داخل ہو رہا ہوگا۔ لشکریوں نے فوراً آگ کے الاؤ بٹھانے شروع کر دیے اور اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر انہوں نے تہیارسنبھال لیے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد طیطوس کا لشکر درے میں داخل ہوا۔ آگے آگے ان ہراول دستے تھے۔ ان کے پیچھے یوراک اور بعد میں طیطوس کا لشکر تھا۔ معرکہ لڑا گیا۔ اس کا سالار اموں تھا وہ درے سے باہر ہی روک دیا گیا تھا۔ شاید طیطوس ایسی اہم موقع پر استعمال کرنا چاہتا تھا۔ وقت بالکل خاموش تھا جیسے وہ عدم کی تین طے کرنے میں مصروف ہو۔ کوئی جنبش کوئی ہل نہ تھی، کوئی صدا کوئی پکار، یوں خاموشی تھی جیسے ہر شے ہر چیز صاف میں کھڑی ہو کر اپنی قسمت رشت کا انتظار کرنے لگی ہو۔ مشرق میں اندھیروں کے حصار میں سحر لا جو رو کے ابھرنے لگے تھے۔ آسمان کے مشرقی آفاق پر شفق کا حسن درخشاں نمایاں ہونے لگا اور فضاؤں تک نے مرگ وزیست کے اس کھیل کے لیے چپ کی چادر اوڑھ لی۔

طیطوس کے لشکر درے کے اندر خاموشی سے گزرتے رہے۔ جب ان کے دستے درے کے آخری سرے پر پہنچ گئے تو عامر نے فضاؤں کے اندر جلتی ہوئی تلخوب بلند کر کے بھینکی۔ اس جلتی ہوئی مشعل کا فضا میں بلند ہونا تھا کہ ایک ٹپکھڑا ہوا۔ درے کے دونوں جانب کوہستانوں کے اوپر سے شدید شنگباری ع ہو گئی تھی۔

منجیقین پتھر پھینکتے وقت بحر پر شور کی طرح چیخنے چنگھاڑنے لگی تھیں، انوں کے اوپر سے برستے پتھر نشیبی سمت میں طیطوس کے لشکر کے پسینے پھینچنے لگے۔ اس کے پورے لشکر میں جھگڑا مچ گئی۔ طیطوس اور اس کا بھائی بجا بھی ان کے وسطی حصے سے پیچھے تھے واپس بھاگ کھڑے ہوئے۔ لشکر کا وہ حصہ جو اسے زیادہ حصہ طے کر چکا تھا وہ آگے کو بھاگا۔ جب وہ درے سے نکل کر یلان میں داخل ہوئے تو ان پر ایک اور افتاد ٹوٹ پڑی۔ عامر نے ان پر

خاموشی تھی جیسے کائنات کی ہر شے پر اعصاب کا فشار طاری ہو گیا ہو۔ یاس کے اندھیرے میں ٹھٹھری فضا میں سسپک رہی تھیں۔ عامر اپنے دس ساتھی سواروں کے ساتھ جیلہ ندی کے کنارے بیٹھا دشمن کا انتظار کر رہا تھا۔ ان سب نے موٹے اونٹوں اور بھڑکے تھے اور رات کی سرد ہواؤں سے بچنے کی خاطر وہ چٹانوں کی اوٹ بیٹھے واپس کنارے پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ رات آدھی سے کہیں زیادہ جا چکا لیکن ابھی دشمن کا کوئی نشان نہ تھا اور رات تیزی سے بھاگتی جا رہی تھی۔

جس وقت دادی جیلہ کی بستیوں میں فجر کی اذانیں شروع ہوئیں عامر نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ میرے رفیقو! میرا دل کہتا ہے دشمن ہم فجر کی نماز کے موقع پر حملہ آور ہوگا۔ وہ اچانک ہمیں آ لینا چاہتا ہے لیکن ہم اسے عامر کہتے کہتے روک گیا۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ چونک کر اپنی جگہ پر کسی زخمی سانپ کی سی سرعت کے ساتھ وہ کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے اپنے آپ سے کہا۔ کیا؟ پھر وہ گھٹنوں کے بل پتھری زمین پر بیٹھا اور زمین کے ساتھ اپنے کان لگا کر وہ کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر وہ فوراً کان لگا لیا اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ، دشمن ہے۔ خدا کی قسم زمین ان کے گھوڑوں سے دھماک رہی ہے۔

عامر خود بھی بھاگ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ پھر وہ سب گھوڑے کو سر پٹ دوڑا رہے تھے۔ درے میں تھوڑا سا آگے جا کر عامر نے آواز میں کہا۔ نقیب! نقیب! دشمن آن پہنچا ہے۔ بسید کو بھی اطلاع اور اپنے اپنے لشکروں کو چوکس کر لو۔ اپنے لشکروں کو یہ بھی کہہ دو کہ کوئی نہ پیدا ہو، ورنہ دشمن شک میں پڑ جائے گا۔ عامر گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنے حصے لشکر میں آیا۔ لشکر میں مختلف گروہوں میں آگ کے الاؤ روشن کیے بیٹھے تھے۔

نئے آتے ہی بلند آواز میں کہا۔ میرے ساتھیو! اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ، دشمن آن پہنچا ہے

غی کرتے ہوئے کہا۔ میرا یہ مطلب نہیں، ہم بہر حال اسے سبق سکھانے بغیر
نہ جانیں گے۔ حاتم سے روانہ ہوتے وقت میں نے یوراکہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کا
ہاتھ اپنے ساتھ لاؤں گا۔ آموں نے سوچتے ہوئے کہا۔ اس کا نام کیا ہے۔ آپ نے
اس کا نام بتایا تھا پھر میں بھول گیا ہوں۔

طیطوس کی بجائے اس بار یوراکہ نے کہا۔ اس کا نام عامر بن نافع ہے۔ آموں نے
یاد کر پھر کچھ سوچنے لگا۔ چند لمحوں کے اس استغراق کے بعد اس نے کہا۔ سورج طلوع
نے دو، زمین پر روشنی پھیلنے دو پھر تم دونوں بھائی اپنے لشکر کے ساتھ یہیں کھڑے رہنا
ب میں اپنے لشکر کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوں گا اور دیکھوں گا وہ کیسے پہاڑ کے اوپر
بے پتھر برساکر مجھے پسا ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ میں اُسے کو ہتان کی چوٹیوں سے اتر کر
ثیب میں لڑنے پر مجبور کر دوں گا۔ تم دونوں یہیں کھڑے ہو کر اس کی بے بسی دیکھنا۔
اُسے ہانک کر اس طرف ہی لاؤں گا۔

وادی میں داخل ہونے والے طیطوس کے لشکر کو ختم کرنے کے بعد عامر دوبارہ
نئی گھات میں کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ جانتا تھا دشمن پھر حملہ آور ہوگا۔ سورج اب دُور شرق
میں شب کی گود سے طلوع ہو گیا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں دھوپ سے چمک اٹھی تھیں
اسفیرہ کے علاوہ ارد گرد کی اود کئی بستیوں کے مسلمان مرد عورتیں بھی نکل آئے تھے۔ سب
نے اپنے لشکر کے لیے کھانے پینے کا سامان اٹھا رکھا تھا اور وہ اس میدان میں جمع ہونے
لگے تھے جس کے آخری سرے پر مغرب میں عامر اپنے لشکر کے ساتھ گھات میں کھڑا تھا
کچھ بزرگ جو گھوڑے پر سوار تھے عامر کے پاس آئے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ
گئے تھے کہ وہاں دُور دُور تک دشمن کی لاشیں پڑی تھیں۔ ایک بوڑھے نے آگے بڑھ
کر عامر سے پوچھا۔ اے امیر! سب بستیوں کے جوان میدان میں جمع ہیں ہر کوئی اپنے
لشکر کے لیے کھانے کا سامان اٹھا لایا ہے۔ کیا آپ اپنے لشکریوں کو اتنی مہلت دیں
گے کہ وہ کھانا کھالیں۔

عامر نے اس بوڑھے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ میرے بزرگ! آپ غیر مناسب وقت

اپنے لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا تھا۔

طیطوس کے اس لشکر کی حالت جو دُورے کو عبور کر کے وادی جبلہ کے کھلے
میدان میں اُنکلا تھا ایسی ہی تھی جیسے جنگل و دشت میں بھاگتا ہوا ادھر ریور جس کا کوئی
اور شبان نہ ہو اور پھر اس پر خار و سنگلاخ وادی میں عامر نے اس سختی اور قہرمانیت کے
ساتھ ان پر حملہ کیا تھا جیسے چوب خشک کو شعلہ ریز آگ کے شعلوں میں جھونک
جائے۔ اس لشکر کا کوئی سالار اور کماندار نہ تھا۔ اور عامر ان کے اندر تک یوں
گھسا تھا جیسے گروں کے جھنڈ میں شاہین جیسے بکریوں کے غول میں بھیڑیا تھا
ہی دیر کی جنگ میں عامر دشمن کے سارے سپاہیوں کا صفایا کر چکا تھا۔

طیطوس اور یوراکہ دونوں اپنے بچ جانے والے لشکر کے ساتھ قلعہ مو
النعمان کے سالار آموں کے پاس واپس آ گئے تھے۔ آموں اُسے یوں ناکام و ذام
لوٹنے پر تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ جب اُن دونوں بھائیوں نے اس کے قریب
اپنے گھوڑوں کو روکا تو آموں نے پوچھا۔ کیا تم؟ تم دونوں بھائی لوٹ کیوں آؤ؟
پھر میں دیکھ رہا ہوں تمہارے لشکر کی تعداد بھی کم ہو گئی ہے۔

طیطوس نے خفت اور خجالت اٹھانے کے انداز میں کہا۔ وہ انتہا کا
مکار، عیار اور فریبی انسان ہے۔ جس دُورے سے گزر کر اس کی وادی میں
ہوا جاتا ہے اس کے دونوں جانب پہاڑوں کے اوپر اس نے پہلے ہی لشکر
رکھا تھا۔ جس نے منجھنقیقوں سے ہم پر پتھروں کی بارش کر دی تھی۔ ہمارے
ایک حصہ پتھروں کی بارش سے گھبرا کر اگلی سمت بھاگ گیا اور مجھے خدشہ
ہمارے لشکر کے اس حصے کو بڑی آسانی سے ختم کر دیا ہوگا۔ ایسا لگتا ہے وہ
انتظار کر رہا تھا۔ جو نہی ہم دُورے میں داخل ہوئے ہم پر پتھروں کی بارش
ہو گئی تھی۔

آموں نے خشکی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا کیا آپ کے کہنے کا یہ
ہے کہ وہ ہم سب سے بہتر تربیت اور مہارت رکھنے والا سالار ہے۔

پر ہمارے پاس آئے ہیں۔ میدان میں جمع ہونے والے ان مرد اور عورتوں سے جا کر کہہ کر وہ پیچھے ہٹ جائیں۔ دشمن ایک بار ہم سے ذلت آمیز طعہ پر پسا ہو کر دوبارہ مارا اور ہونے والا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے اولین فرض دشمن کی دوبارہ پسپائی ہے۔ اس کے پاس ابھی کھانے کے لیے خالی وقت نہیں۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے والے دو بوڑھے لوٹ گئے تھے۔

جب دھوپ خوب گرمی اور گرم ہو کر پہاڑوں سے اتر کر میدان میں پھیل گئی۔ آموں اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگا۔ لشکر کو پیدل مرتب کرنے کے بعد آموں اس دڑے کی طرف روانہ ہوا تھا۔ جہاں سے طیطوس اور یورا کہ پتھروں کی بارش میں پسپا ہو کر بھاگے تھے۔ دڑے میں داخل ہوتے وقت آموں نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ اپنی ڈھالیں اپنے سروں کے اوپر بلند کر لیں۔ اس طرح ڈھالوں کی اوٹ میں آموں اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔

آموں کا سارا لشکر جب پیدل چلتا ہوا دڑے میں داخل ہو گیا تو نقیب اور بسیط نے ان پر پتھروں کی بارش شروع کرادی تھی۔ لیکن اس باریہ سنگ باری کا رگہ ثابت نہ ہوئی تھی کیونکہ آموں کا لشکر ڈھالوں کی اوٹ میں محفوظ تھا۔ اچانک آموں نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ دو حصوں میں بٹ کر اور اپنے سر پر ڈھالوں کی اوٹ بنا کر پہاڑ کے اوپر چڑھنا شروع کر دیں اور وہاں سے پتھر برسائے والوں کا صفایا کر دیں۔

یہ ایک بہترین حکمت عملی اور جنگی چال تھی جو آموں نے استعمال کی تھی۔ نقیب اور بسیط کو ابھی تک سنگ باری کرنا رہے تھے لیکن آموں کا لشکر ان کے پتھروں سے بچ کر اوپر چڑھنا شروع ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا آموں اپنی اس چال میں طیطوس اور یورا کے برخلاف کامیاب ہو جائے گا لیکن قدرت کچھ اور ہی فیصلے کر چکی تھی۔

آموں کی یہ ساری کارروائی عامر بھی دیکھ رہا تھا۔ جب آموں کا لشکر دو

پہاڑوں کے اوپر چڑھنے لگا اور دو حصوں میں بٹ جانے سے اس لشکر کے کچھ جگہ خالی ہو گئی تو عامر اپنے لشکر کے ساتھ طوفان کی طرح دڑے میں داخل ہو کر دو جانب پہاڑ پر چڑھنے والے آموں کے لشکر کی پشت سے حملہ کر دیا۔ با اور بسیط نے اوپر سے پتھر برسائے بند کر دیے تھے کیونکہ اب ان کا اپنا بھی دڑے میں گھس آیا تھا۔ آموں کا پورا لشکر اب پہاڑوں سے اتر کر کھلی جگہ سے نبرد آزما ہو گیا تھا۔ آموں اپنی حکمت عملی میں کامیاب رہا تھا۔ اس نے ان کی بارش روک کر عامر کو بالمشافہ اور بدبوڑھ لڑنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن یہ امر اس لیے پریشان کن بھی تھا کہ دوبارہ آموں نے اس کے لشکر کو پرائی اور گھنٹوں لڑی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ یوں لگتا تھا اس کے ماتحت لڑنے والوں کی رگ میں آتش بے دود بھری ہوئی ہو۔

طیطوس اور یورا نے جب دیکھا کہ دڑے کے اندر آموں دوبارہ جنگ کر رہا ہے تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ دڑے کی طرف بھاگے لیکن انہیں دڑے میں داخل نصیب نہ ہوا کیونکہ نقیب اور بسیط نے ان پر پتھروں کی تیز بوچھاڑیں مار کر انہیں ہٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ کوہستان کے اوپر نقیب اور بسیط اور دڑے سے طیطوس اور یورا کہ، عامر اور آموں کے درمیان اس مہولہ جنگ کا نظارہ کر رہے تھے۔

عامر کے حملوں میں لمحہ بہ لمحہ تیزی آتی جا رہی تھی اور آہستہ آہستہ وہ دشمن لٹا اور حاوی ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ دوسری طرف آموں محسوس کر رہا تھا کہ عامر سامنے آ کر اس نے ایسی آگ میں کودنے کی کوشش کی ہے جو بحر سے بھی نہ بجھ سکے۔ آموں کے ایک آدمی نے چلہ پر تیر چڑھایا اور عامر کا نشانہ لیا۔ عامر نے چونکہ چہرے کا نقاب گر رکھا تھا اور جسم پر اس نے ذرہ پن رکھی تھی اس لیے اس کا اوپر کا محفوظ تھا۔ لہذا اس تیر انداز نے عامر کے نچلے حصے کا نشانہ لگا کر تیر چلایا۔ ابھی بڑھوڑ ہی رہا تھا کہ ایک مسلمان سپاہی نے اس پر حملہ کر دیا۔ تیر اس کے ہاتھ سے

میں اور زیادہ سختی پیدا کر لی تھی۔ ایسا لگتا تھا طیطوس عامر کو دھکیلتا ہوا درے سے نکال کر کھلے میدان میں لے آئے گا۔ مسلمانوں کی اس پسپائی میں ان کا آدھے کے قریب لشکر کام آگیا تھا۔ خود عامر کئی بار دشمنوں کی تلواروں کا نشانہ ہوتے ہوتے بچا۔

یہ صورت حال دیکھ کر عامر نے چلا کر نقیب اور بسیطہ کو اپنے لشکروں کے ساتھ نیچے آ کر لڑنے کو کہا۔ کیونکہ اس کے لشکر کی تعداد کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔ اسی لمحہ عامر نے اپنے لشکریوں کو پکارتے ہوئے کہا۔

”اے مجاہدین اسلام! درے کے اس پار تمہاری بستیاں ہیں کیا تم اپنا ہموکر دشمن کو اپنے گھروں میں لے جانا چاہتے ہو؟ بستی سے باہر تمہاری عورتیں اور بڑے بڑے کھڑے ہیں کیا تم انہیں دشمن کے حوالے کر دینا چاہتے ہو۔ آؤ میں اپنے رب کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے موت پر بیعت کرتا ہوں۔ کون ہے جو عمل کی اس راہ میں میرا ساتھ دے گا۔“

اس کے ساتھ ہی عامر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دشمن کے اندر تک گھسا چلا گیا۔ لشکریوں نے اپنے سالار کو جو اس قدر بے جگری اور خلوص سے لڑتے دیکھا تو وہ بھی بھر گئے اور بلند آوازوں میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے وہ عامر کے ساتھ دشمن کے اندر گھس کر موت کا کھیل کھیلنے لگے تھے۔ اتنی دیر تک نقیب اور بسیطہ بھی اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نیچے آ کر عامر کے پہلو پہلو جنگ کرنے لگے تھے۔

طیطوس کے لشکر میں ایک بار پھر بے دست و پا ہونے کے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ اس موقع پر عامر نے اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے اپنے لشکر کو لکایا کہ اپنے حملوں میں جب تیزی پیدا کرنے کو کہا تو مسلمان لشکر تیز جھدنکوں سے طوفان کی شکل اختیار کر کے آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ طیطوس کے لشکر میں ایک بار پھر پسپائی شروع ہو گئی۔ ان دونوں بھائیوں نے جنگ سے منہ موڑنے والے اپنے

نکل گیا اور عامر کی ٹانگ میں جا پوست ہوا۔ مسلمان سپاہی نے اس تیر انداز کو دہرا تلوار کا نشانہ بنا دیا تھا۔

یہ سارا منظر آموص بھی دیکھ رہا تھا اُسے اُمید ہو گئی تھی عامر کے زخمی ہو پر اس کے لشکر میں بددلی پھیل جائے گی لیکن اُسے مایوسی ہوئی تھی۔ عامر نے تیرانی سے کھینچ کر پھینک دیا تھا اور پہلے سے بھی زیادہ ولولے کے ساتھ وہ حملے کرنے لگا تھا۔ عامر لڑتا لڑتا آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ وہ آموص کے سر پر آ پہنچا۔ آموص جو پیدل تھا لہذا اس نے آگے بڑھ کر عامر کی ٹانگ پر اپنی تلوار گرانا چاہی لیکن اس ایسا کرنے سے قبل ہی عامر نے اس کی گردن کاٹ دی تھی۔ آموص کے قتل ہوتے اس کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ عامر ان کا تعاقب کر کے ان کی تعداد میں تیزی کے ساتھ کرنے لگا تھا۔

اچانک طیطوس اور یورا کہ دونوں بھائی بھی اپنے لشکروں کے ساتھ درے کی طرف اس نیت سے بھاگے کہ آموص کے منتشر اور پرانگندہ ہونے والے لشکر کو دے سکیں۔ آموص کی موت پر اس کا لشکر وقتی طور پر بذلن اور منتشر ضرور ہو گیا لیکن جب طیطوس اور یورا کہ نے انہیں لٹکار کر ان کا ساتھ دیا تو آموص کے لشکر میں ایک حرارت پیدا ہو گئی۔ اتنے میں آموص کے کسی خیر خواہ نے اپنے لشکر کو زو سے پکارتے ہوئے کہا۔

”ساتھیو! آؤ عہد کریں آموص کی موت کا انتقام لیے بغیر موت کے ا درے سے باہر نہیں نکلیں گے۔ یہ الفاظ کہنے تھے کہ آموص کا بھاگتا ہوا لشکر دکھ اور پھر طیطوس کی سرکردگی میں تینوں متحدہ لشکر نے اس زور کا حملہ کیا کہ انہوں عامر کے لشکر کا اگلا حصہ تہ تیغ کر کے رکھ دیا تھا۔ اپنے ساتھیوں کی اس قدر تعداد جنگ میں کام آتے دیکھ کر عامر کا لشکر جی چھوڑ بیٹھا اور اُسے پاؤں پیا شروع کر دیا۔

اس پسپائی پر طیطوس اور یورا کہ کا حوصلہ مزید بڑھ گیا اور انہوں نے اپنے

میدان کے اندر مسلمان بستیوں کے جو مرد عورتوں کا جم غفیر جمع تھا اسے دیکھی تھی کہ طیطوس بھاگ گیا ہے اور ہمارے لشکر کو فتح ہوئی ہے۔ مرد عورتوں کے ع میں عیس، ماریہ، راشیل، اسمیرہ اور اسماء بھی تھے۔ یہ سب لوگ بھاگتے ہوئے آگئے تھے۔ عامر نے اُن کی آمد سے فائدہ اٹھایا اور انہیں اپنے زعمی اور مرنے پاہیوں کو اٹھا کر درے سے باہر میدان میں لے جانے کو کہا۔ راشیل عامر کو سے باعافیت دیکھ کر خوش اور مطمئن ہو گئی تھی۔

عامر کی پکار پر لوگ اپنے سپاہیوں کو اٹھا اٹھا کر کھلے میدان میں لے جانے راشیل بھی ان کے ساتھ کام میں شامل ہو گئی تھی۔ سعد اب درے سے نکل میدان میں اپنے جوانوں کے ساتھ زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔ دوسری طرف کر کے ایک حصے کو لے کر دشمن کی لاشیں بڑے بڑے گڑھوں میں ڈال ڈال برمی ڈالنی شروع کر دی تھی۔ نقیب اور بسیط کو ہتھانوں کے اوپر پہرہ سے تھے۔ دشمن کی لاشوں کو دبانے کے بعد عامر بھی لشکر کے ساتھ کھلے میدان

کا۔

راشیل بھاگتی ہوئی عامر کے پاس آئی اور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے مانے کہا۔ میں آپ کو اس فتح پر مبارک باد دیتی ہوں۔ عامر نے غور سے راشیل دیکھا۔ اس سے پہلے اس نے ایسے انداز میں کبھی راشیل کی طرف نہ دیکھا تھا۔ پہرے پر جیسا رس انار کا اور گلاب کی لالی بکھر گئی تھی۔ اس نے نگاہوں باور اس کی خوب صورت لمبی گردن یوں نمایاں ہو گئی تھی جیسے حسین بلور کی اتنے میں عامر کی آواز راشیل کی سماعت سے ٹکرائی۔ کیا تم دل سے یہ مبارکباد

راشیل نے چونک کر اوپر دیکھا۔ اس کے شہابی مونڈ کانپنے لگے تھے۔ اس نے آنکھوں میں اداسی اور افسردگی اُتر آئی تھی۔ شاید اس کے دل میں عامر، جو نہم اور دھندلی سی امیدوں کی ٹھٹھائیں اٹھی تھیں بکھر کر رہ گئی تھیں۔

کو روکنے کی انتہائی کوشش کی لیکن انہیں بُری طرح ناکامی ہوئی تھی۔ آموص کا لشکر بواگلی صفوں میں لڑ رہا تھا پیچھے کی طرف بھاگا۔ اس کے ساتھ ہی طیطوس اور یوراکہ کے لشکر بھی جی چھوڑ گئے اور وہ بھی پیچھے کو بھاگے۔ درے سے نکل کر جبلہ ندی کی طرف بھاگنے والے اس لشکر میں طیطوس اور یوراکہ سب سے آگے آگے تھے۔

درے کے اندر دشمن کی کانٹ چھانٹ کے علاوہ عامر نے باہر نکل کر بھی ان کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ طیطوس اپنے لشکر کو لے کر جس طرف سے آیا تھا اسی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ جبلہ ندی کے کنارے کنارے عامر نے پانچ میل نیچے تک اس کا تعاقب کر کے اس کے لشکر کے پچھلے حصے کو پوری طرح کاٹ دیا تھا۔ پھر عامر نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ جلدی جلدی اس نے اپنے گھوڑے کی خرچین سے ایک پٹی نکالی اور ٹانگ کے زخم پر خون بند کرنے کی خاطر کس کر باندھ دی۔ اس کے لباس کا نچلا حصہ اس کے اپنے خون سے تر تھا اور جوتوں تک میں خون بھر گیا تھا اپنے گھوڑے کا رخ موڑتے ہوئے عامر نے لشکر کو واپس چلنے کا حکم دیا۔ اتنی دیر تک سعد بھاگتا ہوا آیا اور بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ یا امیر! میں نے ایک سپاہی سے سنا ہے آپ زخمی ہیں۔ پھر سعد عامر کی ٹانگ پر خون آلود پٹی دیکھ کر خود ہی چُپ ہو گیا۔ اور جب آگے بڑھ کر اس نے وہ خون آلود پٹی کھولنا چاہا تو عامر نے اپنی ٹانگ سمیٹتے ہوئے کہا۔ رہنے دو سعد! تم پہلے زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کرو۔ ان کی بہتر دیکھ بھال پر میرا زخم خود ہی مندمل ہو جائے گا۔

لشکر کے ساتھ عامر پھر درے میں واپس آیا۔ نقیب اور بسیط کو ان کے ساتھیوں سمیت عامر نے پھر کو ہتھان کے اوپر جاکر اس خدشے کے پیش نظر اپنے فرائض سنبھال لینے کا حکم دیا تھا کہ مبادا ہمیں مسست پاکر طیطوس پھر مڑ کر حملہ نہ کر دے۔ لیکن نقیب نے اوپر جاکر دیکھا طیطوس اپنے لشکر کو لے کر جبلہ ندی کے کنارے کنارے بھاگتا ہوا تھا۔ عامر کے اپنے لشکر کا اس قدر نقصان ہو چکا تھا جس کا وہ کبھی گمان بھی نہ کر سکتا تھا۔

سے خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔ سعد نے شکوہ کرتے ہوئے عامر سے کہا۔ یا امیر! آپ کی طرف دھیان ہی نہ دے رہے تھے۔ یہ زخم کافی گہرا ہے، لگتا ہے کسی نے تیر مارا ہے۔ ماریہ نے بیتاب ہو کر پوچھا تمہیں یہ تیر کب اور کیسے لگا بیٹے! عامر نے ٹالنے کے انداز میں کہا۔ کوئی فکر کی کوئی بات نہیں ہے ماں! کے دوران دشمن کے کسی سپاہی نے شاید اندازہ لگا لیا تھا کہ میں ہی لشکر کا امیر۔ اس نے مجھے ختم کرنے کے لیے مجھ پر تیر چلا دیا جو میری ٹانگ کو زخمی کر گیا۔ نے زخم پر پٹی باندھتے ہوئے کہا۔ یا امیر! کچھ دن تک آپ چل پھر نہ سکیں۔ طرح زخم سے پھر خون رسنے کا خطرہ ہوگا۔

سعد جب عامر کے زخم پر پٹی باندھ چکا تو اس نے پوچھا۔ سعد! سعد! اندازہ لگایا کہ اس جنگ میں ہمارا کس قدر نقصان ہوا ہے۔ سعد نے دیکر سسی میں کہا۔ یا امیر! ہمارے لشکر کا تیسرا حصہ جنگ میں کام آچکا ہے۔ زخمیوں کی بھی کافی ہے۔ ایک لحاظ سے اس وقت ہماری قوت پر سخت ضرب لگی ہے۔ انے دشمن کے لشکر کو شکست دی ہے لیکن ہمیں اپنے نقصان سے نظر بند نا چاہیے۔ اب ہمیں اپنے لشکر کی تعداد بڑھانے کی تاک و دو کرنی ہوگی۔ اپنے لشکر کا اس قدر نقصان سُن کر عامر اداس ہو گیا تھا۔ وہ سعد سے کچھ اتنا تھا لیکن خاموش رہا کیونکہ کئی مسلمان بستیوں کے بزرگ اس کے پاس جمع ہو سے فتح کی مبارک باد دینے لگے تھے۔ اتنی دیر تک عیسٰی کے ساتھ نقیب اور بسیط لگے۔ سب سے پہلے زخمیوں کو مستقر میں پہنچایا گیا۔ اس کے بعد جنگ میں اپنی جانیں والوں کو دفن کیا گیا۔

بستیوں کی عورتیں لشکر کے لیے کھانے کی جو چیزیں لائی تھیں وہ لشکر میں اُمر دی گئیں اور بسیط لشکر کو لے کر مستقر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ سب لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ عامر سب کے ساتھ حویلی میں آیا۔ وہ گھوڑے پر تھا۔ باقی لوگ پیدل ہی چل رہے تھے۔ نقیب نے حویلی کے سمن میں آسمہارا

اس بچاری کا قلب نگار اور سینہ چاک ہو گیا تھا۔ عامر کی طرف دیکھتے ہوئے اس روتی ہوئی آواز میں کہا۔ تو کیا آپ کو ابھی تک مجھ پر اعتماد اور بھروسہ نہیں ہے میں نے یہ مبارک بادوں سے دی ہے۔ کاش میں آپ پر ثابت کر سکتی کہ یہ میرے کی آواز ہے۔

عامر نے ہلکی سی آواز میں کہا۔ مجھے تم پر اعتماد اور بھروسہ ہے۔ راشیل سمن اندام چہرے پر منہس مکھ کنواریوں جیسی سرخوشی پھیل گئی تھی۔ اس کی رگ میں اس کے روم روم میں خوشی اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر اور فرحت کی شفق کا پردہ نارنج پھیل گیا تھا۔ وہ عامر سے کچھ کہنے والی تھی کہ عیسٰی، ماریہ، امیمہ اور اسماء وہاں آگئے اور وہ خاموش ہو گئی۔

ماریہ نے آتے ہی سخت لہجے میں برہمی کے سے انداز میں عامر سے کہا۔ تمہارے کچھ فیصلوں سے دکھ ہوتا ہے بیٹے! سعد نے مجھے کہا ہے تم زخمی ہواؤ گے اسے اپنے زخم کی مرہم لپی کرنے سے منع کر دیا ہے۔ راشیل بچاری اپنا ہاتھ اپنے پر لے گئی اور بیتاب ہو کر اس نے پوچھا۔ یہ زخمی ہیں؟ سعد نے کہا ان کے گھوڑے دوسری طرف جا کر دیکھو۔ عامر خاموشی سے اپنے گھوڑے پر بیٹھا رہا۔ راشیل بھاگ دوسری طرف گئی۔ اس نے دیکھا عامر کا اس طرف کا لباس خون آلود تھا۔ جوتوں! خون بھرا تھا اور زخم پر بندھی پٹی بھی ساری کی ساری خون میں مٹی ہو چکی تھی۔ نے سعد کو پکارتے ہوئے کہا۔ آئیے اخی! آپ زخم پر مرہم لگا کر پٹی باندھیں عیسٰی، ماریہ، سعد، امیمہ اور اسماء بھی اس طرف آگئے تھے۔ راشیل ز

بندھی ہوئی پٹی خود کھولنے لگی اور عامر نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ جب راشیل کھول دی اور سعد زخم کو صاف کرنے لگا تو عامر نے عیسٰی کی طرف دیکھتے ہوئے اے عم! نقیب اس وقت پہاڑ کے اوپر اپنے حصے کے لشکر کو لے کر پہرہ دے رہا ہے تم اس کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ وہ کوہستان کے دونوں جانب جن جوانوں کی کی مستقل ذمہ داری ہے انہیں وہاں تعین کر کے بسیط کے ساتھ واپس آجائے۔

ہے کنا حارم کے سامنے مسلمان ماؤں کے دوپٹے، بوڑھوں کی پگڑیاں اور مسلم قوم لہو بیٹیوں کی عزت غیر محفوظ ہے۔ اس سے التماس کرنا کہ اگر وہ ہماری مدد پر رستہ ہو جائے تو ہم معرفۃ النعمان، حارم اور انارب جو کبھی مسلمانوں کے مضبوط لئے تھے اور جن پر پہلی صلیبی جنگ میں نصرانیوں نے قبضہ کر لیا تھا واپس لے سکتے ہیں۔ اسی صورت میں انطاکیہ کا رینڈ بھی ہمارے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جائے گا۔

ہے آگاہ کرنا کہ عالم اسلام کے آسمان پر اوبار اور آشوب کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ اگر ہم اب بھی سنبھل کر متحد نہ ہوئے تو خدا کا قہر ہم پر عذاب بن کر نازل ہو گا۔ کیونکہ قدرت کسی قوم کی کوتاہیوں اور اس کے نفاق کی رستی زیادہ عرصہ تک ڈھیلی میں چھوڑتی۔ ایک روز قدرت کے گماشتے ضرور حرکت میں آتے ہیں اور اس کم کو مکافات عمل کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

عامر جب خاموش ہوا تو عیس نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔ اے امیر! بتانگ مجھے اپنی اس مہم پر روانہ ہونا چاہیے۔ عامر نے کسی توقف کے بغیر کہا۔ اے امیر! دل اور ضمیر کہتے ہیں ہمارے لیے ایک لمحہ کا زیاں بھی گناہ ہے۔ دشمن کسی طاقت ہمیں پھر صرف آزاد ہونے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود یہ معاملہ ہم پر چھوڑتا ہوں جس قدر جلدی اور ممکن ہو یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ عیس اپنی ہر کھڑا ہو گیا اور ایک عجیب سے جذب اور ماوراء وجدان میں اس نے کہا۔ میں نا امداد اسی وقت یہاں سے کوچ کرتا ہوں۔ انشاء اللہ بہت جلد میں آپ کے اچھے خبر لے کر لوٹوں گا۔

عامر بھی کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ میں بھی زیادہ دن تک ٹانگ کے اس زخم منڈل ہونے کا انتظار نہ کروں گا۔ ایک دو روز تک میں بھی دمشق روانہ ہو جاؤں گا اور وہاں سے رضا کار اپنے ساتھ لانے کی کوشش کروں گا۔ اس کے علاوہ امید ہے میں بنو زبیاں سے کچھ جوان اکٹھے کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

کا واپس آنا۔ میں بڑی بے چینی سے تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔ نقیب

دے کر گھوڑے سے اتارنا چاہا۔ لیکن عامر خود ہی نیچے اتر گیا۔ سعد تینوں گھوڑوں لے کر مصطل میں باندھ آیا تھا۔ سب اس دیکرے میں آئے جس میں ماریہ اور ریشہ تھیں۔ ریشہ نے وہاں فرش پر چٹائی بچھا دی اور سب مل کر کھانا کھا گئے تھے جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے اور ریشہ، امیمہ اور اسماعیل نے وہاں برتن اٹھا کر باہر رکھ دیئے تو عامر نے عیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے عم! آپ کام کرنا ہو گا اور آپ اس کام کے لیے نہایت موزوں شخصیت ہیں۔ عیس نے طبعی سے کہا۔ تم کام کی نوعیت تو کہو بیٹے! میں ضرور اسے پورا کروں گا۔ عامر نے جھکالی اور کچھ سوچنے لگا۔ نقیب، سعد، ماریہ، ریشہ، امیمہ اور اسماعیل اسے دیکھ رہے تھے۔ آہستہ آہستہ عامر نے اپنا سر اُپر اٹھایا اور بکھری سی آواز میں کہا۔

اے عم! اس جنگ میں ہمارا اس قدر نقصان ہوا ہے کہ ہمارے پاس لشکر رہ گیا ہے اگر دشمن نے ایسا ہی کوئی اور چالنگ حملہ کر دیا جس کی امید کی جاتی ہے تو ہمارے لیے زیادہ دیر تک دشمن کی یلغار کو روکنا مشکل ہو جائے گا۔ اس پر اور افراط و تفریط کے دور میں اگر ہم اپنی کشت پر پھیلے ہوئے عالم اسلام پر زور دیتے ہیں تو ہمیں کوئی ایسا مسلمان حکمران نظر نہیں آتا جو قلعہ انارب، معرفۃ اور قلعہ حارم کے نصرانیوں کی یک جہتی اور اتحاد کے خلاف ہمارا دوا کرے اور معاہدہ ثابت ہو۔ ہر کوئی اپنے اپنے خول اور حصار میں ایک دوسرے کے خلاف عمل ہے۔

عامر نے پھر خاموش رہ کر کچھ سوچا اور دوبارہ عیس سے کہا۔ اے میری نگاہ میں صرف ایک مسلمان حکمران ایسا ہے جس سے ہمیں تعاون اور مدد توقع ہے۔ وہ مذہب پسند اور ملت پرست انسان حلب کا حکمران عماد الدین ہے۔ اے عم! ہم حلب روانہ ہو جاؤ اور عماد الدین سے مدد کی درخواست کرو۔ اسے کہہ معرفۃ النعمان، انارب اور حارم کے نصرانی ہمیں مٹا دینے پر کمر بستہ ہو چکے ہیں

اور سعد بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ عامر نے اس بار ماریہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
ماں! تم اس کے لیے زار و راہ کے بند و بست کر دو نقیب تم بستر کا تہ
کر دو عیس ساتھ لے کر جائے گا۔ راستے میں سردی اور سفر کے دوران بتر
کے لیے لازمی ہے اس کے علاوہ ایک کبل اس کے گھوڑے کی زین پر اور ایک
فالتو کبل رکھ دو۔ جو یہ گھوڑے پر سوار ہو کر اوڑھ لے گا۔

ماریہ پیچھے ہٹ کر ایک تھیلی میں عیس کے لیے کھانے کی چیزیں رکھ
نقیب بھی جب وہاں سے ہٹنے لگا تو راشیل نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ اخی
آپ یہیں رہیں، میں عم عیس کے لیے خود بستر اور کمبلوں کا انتظام کرتی ہوں
میرے لیے یہ بھی ایک سعادت ہوگی۔ راشیل بھاگ کر تو شک خانے میں چلا
عامر عیس۔ نقیب اور سعد کمرے سے نکل کر اصطبل میں آئے۔ عامر نگڑانگڑ
چل رہا تھا۔ نقیب نے عیس کے اس گھوڑے پر زین ڈالی جس پر وہ دمشق
سوار ہو کر آیا تھا۔

راتنی دیر تک ماریہ بھی باہر آگئی اور عیس کے گھوڑے کی خرچین میں
کا سامان رکھ دیا۔ اسماع کو بھی کوئی چیز یاد آگئی اس نے فوراً زین سے نکلنے ہوئی
کی چھاکل اتاری۔ ٹکے کے پاس لے جا کر اس میں پانی بھرا اور دوبارہ عیس
گھوڑے کی زین سے باندھ دیا تھا۔ راشیل بھی باہر آگئی اس نے اپنے سر پر ایک
اور دونوں کانڈھوں پر ایک ایک کبل ڈال رکھا تھا۔ سعد نے فوراً آگے بڑھ کر
کے سر سے بستر اٹھا لیا اور دونوں کبل بھی اپنے کندھے پر ڈال لیے۔ ایک کبل ا
زین پر بچھا دیا اور دوسرا زین کے ہنے پر رکھ دیا اور بستر کو وہ زین سے باندھ
تھا۔ راشیل آکر عامر کے پہلو میں کھڑی ہو گئی تھی۔ عامر نے محسوس کیا کہ راشیل
میں کنوارے پن کی جھینبی بھینبی باس، اس کی سنبلیں زلفوں میں سے سونڈھی سہا
اور اس کی سانوں میں خوشبو کے خوشگوار جھونکے تھے۔

سعد جب عیس کے گھوڑے کی زین سے بستر باندھ چکا تو عامر نے



ن دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے گھوڑے کی خرچین میں نقدی کی دو تھیلیاں ہیں ان میں
ایک عیس کو اور ایک ماں کو دے دو۔ نقیب نے دیوار کے ساتھ پڑی عامر کے
بے کی زین سے بندھی ہوئی خرچین سے دونوں تھیلیاں نکالیں۔ ایک اس نے
دھادی اور دوسری عیس کے گھوڑے کی خرچین میں ڈال دی تھی۔

عامر نے آگے بڑھ کر عیس کے گھوڑے کی لگام پکڑی اور اصطبل سے باہر
چلا۔ نقیب نے آگے بڑھ کر عامر کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ یہ کام آپ کا نہیں
وہ اس گھوڑے کی باگ پکڑ کر باہر لے جاؤں گا اور پھر آپ زخمی بھی ہیں۔ عامر نے
نقیب کو دے دی اور نقیب نے عیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے عم!
رے پر بیٹھ جاؤ۔ جس نیک مقصد کے لیے تم جا رہے ہو۔ خدا کرے تم اس میں
اب لوٹو۔ گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔ اس وقت میرا اس گھوڑے کی باگ پکڑنا اور
اس پر سوار ہونا میرے لیے سعادت ہے۔

عیس گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ سب گھوڑے کے ساتھ حویلی سے نکل کر گلی
آئے۔ عامر نے عیس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ جب تم عماد الدین کے سامنے
تو اسے کہنا حلب سے باہر بھی کچھ لوگ تم سے نیکی و انصاف، عدل و راستی اور
دشمنوں کی تطہیر و تزکیہ مانگتے ہیں۔ اسے کہنا آج اگر استطاعت ہوتے ہوئے بھی
ماری مدد پر کمر بستہ نہ ہوتے تو ہمارا رب جو اپنی ذات میں پر صفات ہے وہ اس تمہا
اے ہوگا اور شکر کے روز ہم تمہارا گریبان پکڑ کر تمہاری غفلت کے خلاف اپنے رب
انصاف طلب کریں گے۔ میں نے عماد الدین کے متعلق بہت کچھ سُن رکھا ہے۔
امید ہے وہ ہمارے حق میں لبیک کہہ کر مسلم قوم کی رگوں میں زندگی کی اکیر گھول
گا۔ اب تم روانہ ہو جاؤ میں تمہیں اللہ حافظ کہتا ہوں۔

عیس گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھ گیا۔ عامر اسے دیکھتا رہا۔ جب وہ شرق
رخ نکلا ہوں سے اوجھل ہو گیا تو عامر اپنا سر جھکائے لنگڑاتا ہوا حویلی کے اندر چلا گیا

عمیس اس فرض شناسی کو اپنا فرض عین جان کر بڑی تیزی سے اپنا منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ وادی جلد سے نکل کر وہ راس الشمرہ آیا۔ یہاں آرام کیے اور رکے بغیر وہ قطنہ شہر میں داخل ہوا۔ یہاں اس نے اپنے گھوڑے کے چارے اور اپنی خوراک کا بندوبست کیا اور دوبارہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ قطنہ نہ نکل کر وہ حماہ شہر میں داخل ہوا۔ یہاں اس نے ایک رات قیام کیا اور دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد یہاں سے بھی کوچ کر گیا۔

شہر سے نکل کر ایک میل شمال میں وہ ایک ایسے چوراہے پر آکھڑا جہاں سے بہت سی سڑکیں نکلتی تھیں۔ یہاں سے ایک سڑک جنوب کی طرف تھی اور وہاں سے دمشق کی طرف جاتی تھی۔ ایک سڑک جنوب مشرق میں تدمر کی طرف تھی اور ایک سیدھی مشرق میں شہر دیر الزور کی طرف نکل گئی تھی۔ ایک شاہراہ شمال مشرق میں رقبہ شہر کی طرف اور ایک سیدھی شمال میں قنبرین سے ہوتی ہوئی حلد وہاں سے اسکندرونہ، دیار بکر اور آرمینیہ سے ہوتی ہوئی دور شمال میں گر جتا تک چلی گئی تھی۔

عمیس وہاں رُک گیا کیونکہ وہ ان شاہراہوں کی بھول بھلیوں میں کھو گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے انتظار کے بعد ایک مسافر وہاں سے گزرا وہ رقبہ شہر کی طرف سے آیا تھا اور شاید حماہ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ عمیس نے اس سے پوچھا اصل شاہراہ کا تعین کیا اور دوبارہ وہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اپنے گھوڑے کو مار دھاڑ کر وہ ایک روز قنبرین سے ہوتا ہوا وہ حلب شہر میں داخل ہوا۔ شاید اپنا وقت برباد نہ کرنا چاہتا تھا اور پھر وہ دن کے پہلے صبحے میں حلب شہر میں ہوا تھا لہذا وہ سیدھا حلب کے مسلمان حکمران عماد الدین کے قصر کی طرف روانہ ہو گیا۔ قصر میں داخل ہو کر اس نے حاجب سے ملاقات کی اور سلطان سے ملنے کا ظاہر کیا۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا تھا اور حاجب نے اسے سلطان کے بلنے کے لیے قصر کے ایک کمرے میں بھیج دیا تھا۔

عمیس جب سلطان عماد الدین کے اس کمرے میں داخل ہوا جس میں بیٹھنے کی نشست کے احکام جاری کیا کرتا تھا تو اس نے دیکھا کہ سامنے شہ نشین پر سلطان عماد الدین بیٹھا تھا اس کے کپڑے سادے اور کھردرے سوت تھے۔ سر پر سادہ سا عمامہ اور کندھوں پر سوت ہی کی چادر ڈال رکھی تھی سلطان اہل جانب ان کے وزیر ابو جعفر محمد الجواد، امیر حاجب صلاح الدین باغیسیانی سلطان کے نامور جرنیل اور قریبی ساتھی امیر عز الدین دسیبی بیٹھے ہوئے تھے وہ سب آپس میں کسی امر پر مشورہ کر رہے تھے۔ عمیس جب اندر داخل ہوا تو انہوں نے آپس کی مشورت ختم کر دی اور سلطان نے عمیس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اے اجنبی بزرگ! تم کہاں سے اور کس غرض سے ہمیں ملنے آئے ہو۔ میں چند لمحوں تک کچھ نہ کہہ سکا۔ سلطان کی سادگی اور فروتنی دیکھ کر اس پر رقت طاری ہو گئی تھی۔ وہ خود کچھ کر رہ گیا تھا اور سلطان سے کچھ کہنے کے لیے اپنے آپ کو مجتہد کرنے لگا تھا۔ اس کے ہونٹ بار بار پھڑپھڑا کر رہ جاتے۔ سلطان نے اس کی ڈھارس بڑھاتے ہوئے پھر کہا۔ میرے بزرگ! خوفزدہ نہ کہہ دو جو تم نے کہنا ہے۔ میں تمہیں غور سے سنوں گا۔ اگر تم کوئی فریاد اور نالہ رکھو تو میں تم کو یقین دلاتا ہوں میں اس کا انصاف کروں گا۔ یاد رکھو! ری دھول سے الٹی داڑھی، تمہارا گروا اور میل لباس، تمہارے چہرے کی لالچ اور تمہارے عملے کے ڈھیلے پیچ تمہارے منہ الموم، سادہ اور پرخلوص ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کہو، بلا توقف، بلا خوف کہو۔ سلطان کے اس سلوک پر عمیس کی مول سے آنسو بہہ کر اس کی داڑھی میں جذب ہونے لگے تھے۔

سلطان عماد الدین غضب کی حالت میں اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور اپنا ہاتھ انوار کے نقش و دستے پہلے جلتے ہوئے اس نے قہر بھرے اور بلاخیز آواز میں کہا۔ بے محترم! گو تمہارے آنسو بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور ان میں مظلومیت کی کئی نیاں چھلکتی ہیں، پر میں تمہاری زبان سے کچھ نہ سنا چاہوں گا۔

عمیس سنبھلا اور اپنی روتی کپکپاتی آواز میں کہا۔ اے سلطان ابراہیم! سے مغرب میں وادی جبلہ کے اندر بہت سی مسلمان بستیاں ہیں انہیں ایک شہر کوٹنا کھسوتا تھا۔ ان کی ماؤں کو ان کے دوپٹوں سے، ان کے آباد کو ان کے عم سے، ان کی بیٹیوں کو ان کی عصمت سے اور ان کے گھروں کو ان کی دولت سے، کر دیتا تھا۔ اس شیطان کی سرکوبی کے لیے قدرت نے ایک فرشتے کا انتخاب کر ان مسلمان بستیوں میں آیا اس نے وہاں کے جوانوں کو متحد کیا انہیں جنگی تربیت، مسلمانوں پر اس شیطان کی ترکنا ز کو روکا۔ جب اس شیطان نے مسلمان بستیوں اس کی موجودگی میں تباہی مچائی تو اس نے نہ صرف اس کی سرکوبی کی بلکہ اسی جیسی اس نے عیسائیوں کی بستیوں کے اندر بھی مچانا شروع کر دی۔

اس سے اس شیطان کی ترکنا ز مسلمان بستیوں میں توڑک گئی لیکن اگر چند اور شیطانوں کو اپنے ساتھ ملا کر اس پر حملہ کر دیا۔ اس اکیلے نے اپنی روایت اور شجاعت کا ثبوت دیتے ہوئے ان شیاطین کو عبرت خیز شکست تو ضروری اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ بھی اس جنگ میں کٹ مرا۔ اب دوبارہ اگر ان شہر نے اس پر حملہ کیا تو اس کے لیے ان کی یلغار اور طغیانی کو روکنا اگر ناممکن نہ ہو مشکل ضرور ہوگا۔ لہذا اس فرشتے نے مجھے آپ کی طرف روانہ کیا ہے کہ میں آپ مدد کی درخواست کروں۔

عمیس جب رکا تو عماد الدین نے غصہ اور زہر بھری آواز میں پوچھا۔ کون ہے۔ عمیس نے آنسوؤں میں بھیگی اپنی داڑھی صاف کرتے ہوئے کہا۔ وہ عارم کا عیسائی حاکم طیطوس ہے۔ سلطان نے پھر پوچھا اس کے ساتھ دوسرا کون کون ہیں؟ وہ قلعہ معرۃ النعمان اور قلعہ آثارب کے نصرانی حکمران وہ فرشتہ کون ہے اور وہ کہاں سے آیا ہے۔ وہ بنو عیس کا ایک نو عرب عامر بن نافع ہے۔ بلا کا شجاع و باہمت جوان اور جری و بے خوف سرنہ ہے۔ اسی نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ اس نے کہا بخدا کہ سلطان ہمارا

ہو گئے تو سرحدی مسلمانوں کی رگوں میں زندگی کا اکیر گھل جائے گا۔ اس نے یہ تھا اگر سلطان نے استطاعت ہوتے ہوئے بھی ہماری طرف سے آنکھیں بند بہا رب جو اپنی ذات میں پُر صفات ہے وہ اس کا گواہ ہوگا اور ہم حشر کے طان کا گمراہ بیان پکڑ کر اپنے رب سے اس کی غفلت کا انصاف طلب کرینگے۔ سلطان عماد الدین پر کپکپی اور وحشت طاری ہو گئی ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے کہا۔ ہم میں اتنی ہمت نہیں کہ اپنے رب کے حضور ت کی جواب دہی کر سکیں۔ ہم یہیں اس فرزندِ ارجمند کا انصاف کریں گے۔ سنو! برے محترم! ہم اس کی آواز اور پکار پر لبیک کہتے ہیں۔ جہاں تک وہ کہے گا اس کا ساتھ دیں گے۔ اسے جا کر کہہ دو کہ وہ اپنے بچے کچھ لشکر کو لے کر ہمارے لئے۔ اگر قلعہ آثارب، معرۃ النعمان اور عارم کے نصرانی حاکموں نے مسلمانوں ڈھائے ہیں تو ہم بھی اپنے رب کا انتقام اور غلبہ بن کر ان ہی قلعوں سے ادا کریں گے۔ انشاء اللہ ہمارا پہلا ہدف قلعہ آثارب ہوگا کیونکہ قلعہ معرۃ النعمان کی طرف بڑھنے کے لیے یہ ہمارے راستے میں آئے گا۔

میرے محترم! تم نے اپنا نام ابھی تک نہیں بتایا۔ عمیس نے اس بار مطمئن و ن انداز میں کہا۔ اے سلطانِ محترم! میرا نام عمیس ہے۔ عمیس بن حران نام شہر میں شروع ہی سے عامر بن نافع کے ساتھ رہتا تھا۔ میں اس کے بچپن تک کے ہر فعل سے واقف ہوں۔ جب وہ دمشق سے نکل کر سرحدی مسلمانوں چلا گیا تو میں بھی دمشق کو خیر باد کہہ کر اس کے پاس آ گیا۔ اس کی زندگی میں حرکت، مذہب سے محبت اور ملت کی فرض شناسی ہے۔ کاش ہمارے پاس اس دل کا ایک لشکر ہوتا تو ہم سب نصرانیوں سے کہتے کہ آؤ جبلہ کے کوہستانوں اپنی تقدیر کا بدترین فیصلہ کر لو۔

عماد الدین شہر نشین سے اتر کر آگے بڑھے۔ اپنی کمر سے نقدی کی ایک خرطی میں کوٹھماتے ہوئے کہا۔ یہ تمہارے لیے راستے کے اخراجات کے لیے ہے۔

تمہارا قیام کہاں ہے اور تم کب تک واپس لوٹو گے۔

عمیس نے تھیلی سنبھالتے ہوئے کہا۔ سیدی! اس شہر میں میرا قیام نہیں۔ میں ابھی حلب میں داخل ہوا ہوں اور ابھی یہاں سے کوچ کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا ہوں۔ میں اور میرا گھوڑا ایک منزل پہنچ کر چکے ہیں۔ لہذا ہم دونوں تازہ دم ہیں۔

سلطان نے عمیس کی طرف دیکھتے ہوئے توصیفی انداز میں کہا۔ اس عمر تمہارے جذبے اور دلیر فیصلے کی میں قدر کرتا ہوں۔ خدا تم لوگوں کو اپنے مقصد میں کامیاب و فخر مند رکھے گا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان نے ہاتھ آگے بڑھا کر عمیس سے مصافحہ کیا اور عمیس قصر کے اس کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

○

عمیس کی حلب کو روانگی کے تیسرے روز عامر صبح کے کھانے کے اصطبل میں آیا۔ آج کئی روز کے بعد اس نے اپنا جنگی لباس پہنا تھا۔ گواہی اس کی ٹانگ ٹھیک نہ ہوئی تھی اور وہ لنگڑا کر چلتا تھا پھر بھی وہ کچھ کرنے اور جانے کا عزم کر چکا تھا۔ نقیب، اسامہ، سعد اور امیمہ اپنے اپنے کمروں میں ماریہ اپنے کمرے میں تھی اور راشیل عامر کے کمرے میں اس کا بستر درست کر رہی تھی۔ اچانک راشیل کی نگاہ اصطبل میں کھڑے عامر پر پڑی، اس نے دیکھ کر اپنے گھوڑے پر زین ڈال رہا تھا۔ راشیل سوچوں میں کھو گئی، پھر اس کے دیکھنے پر عامر نے اپنے جسم پر زور درست کی اور سر پر اپنے آہنی خود کو جمایا۔ راشیل زیادہ بول گئی اور اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی ساری سہانی حکایتیں مفقود ہو گئیں۔ وہ اسے نکلی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اصطبل میں آئی اور عامر کو مخاطب کر کے پوچھا۔ آپ کہاں جا رہے ہیں، ابھی تک آپ کا زخم ٹھیک نہیں ہوا۔ عامر گروں جھگالی اور کچھ سوچنے لگا۔ اسے اُداس دیکھ کر راشیل کا چاند سا چہرہ ہلکا ہوا۔ اس نے اپنی لڑتی آواز میں پوچھا۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

راشیل اٹھاتے ہوئے کہا۔ ٹانگ کا زخم تو آہستہ آہستہ ٹھیک ہوتا جائے گا لیکن میرے زخم گہرے سے گہرا ہوتا چلا جائے گا۔ نہ جلنے میرے دل میں خدشات کیوں بے ہیں۔ دن رات خواب اور بیداری میں بھی میرے دل میں یہی دوسو رہتا ہے۔ یطوس اپنی اس شکست کا انتقام لینے کسی روز ضرور آئے گا۔ میں اس کے سے قبل ہی کچھ کر کے اپنے ضمیر کا گھاؤ بھرنے چاہتا ہوں۔ میں ابھی اور اسی دشت جا رہا ہوں اس کے علاوہ میں نوزیبان میں بھی جاؤں گا وہاں میرے کچھ بھائی ہیں وہاں سے میں کچھ رضا کار جمع کر کے لاؤں گا جو یہاں آکر میرے کام میں آسکیں گے۔

راشیل کے برف جیسے شفاف اور سُرخ چکنے چہرے پر بے خوابی اور دل کی کثیف دھند بکھر گئی تھی۔ عامر کا جہاں اب اس کے لیے ناقابل برداشت لیکن وہ اسے روک بھی نہیں سکتی تھی۔ چند لمحوں تک وہ خاموش اور ساکن رہا۔ اس کا مرمروں مرجان کا سا حریری بدن لرزتا کانپتا رہا۔ اس کی چشم جیسے آنکھوں میں آرزوؤں کا فریب اور پردہ طائر کی سی کیفیت تھی۔ پھر راشیل نے اپنی پریم آنکھوں سے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اگر آپ تو ایک بات آپ سے کہوں۔ عامر نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دو اگر وہ بات میرے ارادوں، میرے فرائض اور میرے ہدف کے سامنے دیوار کا وٹ ثابت نہ ہوئی تو ضرور مان جاؤں گا۔ تم یہاں ایک مہمان ہو تمہاری دست خوشنودی بھی ایک کارِ خیر ہے۔

راشیل نے فوراً احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ مجھے آپ کی اس بات سے اتفاق ہے۔ میں یہاں مہمان نہیں۔ اب میں اس دلدی کی بیٹی ہوں۔ میرا جینا مرنا آپ لوگوں کے ساتھ ہے۔ آپ کا مفاد میرا مفاد اور آپ کا زیاں میرا زیاں۔ عامر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی، اچھا میں اپنے الفاظ واپس لے لیں، ہم کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟

راشیل نے اس بار کچھ پرسکون ہو کر آب و تاب سے بھرپور لہجے میں کہا: آپ سے اتنا سہہ کہ دمشق جلتے ہوئے مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ راستے میں آپ مجھے راس الشمرہ میں اپنے ماموں کے ہاں چھوڑ جائیں۔ میں چند یوم ان کے پاس رہ لوں گی۔ لیکن جب آپ دمشق سے واپس لوٹیں تو راس الشمرہ سے مجھے یہاں اپنے ساتھ لانا ہوگا۔

عامر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ تم جلدی جلدی تیار ہو جاؤ اتنی دیر تک میں نقیب، سعد اور ماں سے مل لیتا ہوں۔ میں شام کے کھانے کے بعد جب تم باہر صحن میں برتن دھو رہی تھیں، اپنی اس روانگی سے متعلق پہلے ہی گفتگو کر چکا ہوں۔ راشیل کے چہرے پر نہری خوشیوں کا نور ہی نور بکھیر گیا۔ اس نے کھنکتے ہوئے تہمتوں کی سی آوازیں کہاں اُٹھتی تیار ہوتی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی وہ جنگلی اور صحرائی غزال کی طرح بھاگتی اور چوڑیاں بھرتی اصطبل۔ اس کمرے کی طرف بھاگ گئی جس میں ماریہ بیٹھی ہوئی تھی۔

راشیل بھاگ کر آئی اور ماریہ کے گلے میں باہیں ڈالتے ہوئے اس نے کہا: ماں! ماں! وہ دمشق جا رہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ راس الشمرہ تک اپنے ماں کے پاس جاؤں گی اور واپسی پر وہ مجھے ساتھ لیتے آئیں گے۔ ماں! ماں! میں نے ان سے بات کی ہے۔ وہ مجھے ساتھ لے جانے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ ماریہ کھڑی ہوتی ہو بولی۔ کیا عامر جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ ہاں! ماں! دیکھو تو وہ اپنے گھوڑے پر زین ڈال چکے ہیں اس وقت وہ اصطبل میں کھڑے ہیں۔ ماریہ نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ تم جلدی جلدی اپنی تیاری کر لو اس نے کچھ بتائے بغیر گھوڑے پر زین ڈال لی ہے۔ ماریہ اصطبل میں آئی اور عامر سے کہا۔ تم اچانک ہو گئے ہو بیٹے! بتایا تک نہیں کہ میں اپنا گھوڑا تیار کرنے لگا ہوں۔ عامر نے مسک کر کہا۔ میں نے سوچا اپنے کوچ کی تیاری مکمل کر کے آپ کو اطلاع کر دوں گا۔ وہیں کھڑی ہو کر نقیب اور سعد کو پکارنے لگی۔ وہ چاروں بھی ایک ساتھ

عامر اب اس گھوڑے پر زین ڈالنے لگا تھا جو کبھی مونس کے استعمال میں تھا۔ شاید وہ اسے راشیل کے لیے تیار کر رہا تھا۔ نقیب نے آتے ہی عامر سے لیا۔ کیا آپ دمشق جانے کی تیاری کر چکے ہیں۔ عامر نے گھوڑے کا تنگ کے بعد کمر سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ ہاں میں ابھی کوچ کر رہا ہوں۔ نقیب نے پوچھا۔ یہ دوسرا گھوڑا آپ نے کس کے لیے تیار کیا ہے۔ عامر کی بجائے اس بار ماریہ ہا۔ راشیل اس کے ساتھ راس الشمرہ تک اپنے ماموں کے پاس جائے گی اور عامر کے ساتھ ہی واپس آ جائے گی۔

عامر نے نقیب اور سعد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے بعد جو کتنے اور متعدد رہ رہنا۔ مجھے اندیشہ ہے طیطوس ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر کہیں ہم پریشانی نے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ بہر حال اللہ تمہارا حامی اور ناصر ہوگا۔

اتنی دیر تک راشیل بھی تیار ہو کر باہر آ گئی اس نے ایک ہاتھ میں ایک گٹھری رکھی تھی جس میں اس کے فالتو کپڑے تھے۔ وہ کپڑے اس نے اس گھوڑے کی خرچین ڈال دیئے اور عامر کے قریب کھڑی ہو گئی۔ عامر نے نقیب اور سعد سے مصافحہ کیا اور امیمہ راشیل کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے جلد واپس لوٹنے کو کہہ رہی تھیں۔ جواب میں راشیل مسکرا مسکرا ان دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سعد دونوں گھوڑوں میں لایا۔ عامر اور راشیل اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سستی سے باہر نکلے۔ تھوڑی دیر تک عامر گھوڑے کو سست رفتار سے چلاتا رہا اس کے بعد اس سے سرپٹ چھوڑ دیا تھا۔ اس کے پیچھے راشیل بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا چکی تھی۔ دونوں مشرق کی طرف اپنی منزل کے فاصلوں کو سمیٹتے جا رہے تھے۔

اسی روز شام سے تھوڑی دیر پہلے جب کہ فضا میں ٹھٹھرنے لگی تھیں۔ اُسے تاروتیرہ اور دن پر نقاہت کی تھر تھری طاری ہونے لگی تھی عامر اور راشیل راس الشمرہ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ شہر سے باہر ایک دورا ہے پر عامر نے اپنے

دہناک غبار تھا وہاں اب آغوشِ خواب کا سا سکون اور صدیوں کی خوشیوں کے زہرے
 - اس نے چپکے ہوئے کہا - آپ نے غلط سوچا ہے - میرے ماموں ایسے نہیں ہیں -
 ب اُن کو آپ کی اصلیت کا علم ہو گا تو ان کی خوشی اور اُن کے سکون کا کوئی ٹھکانہ نہ
 گا - سورج غروب ہونے لگا ہے آئیے چلیں - راشیل نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اس
 پیچھے پیچھے عامر بھی اپنے گھوڑے کو ہانک چکا تھا -

راشیل شہر کے شرقی محلے میں ایک حویلی کے سامنے رُک گئی اور گھوڑے
 اُتر کر اس نے دروازے پر دستک دی - عامر بھی گھوڑے سے اُتر کر کھڑا ہو گیا تھا -
 بوڑی دیر بعد ایک بوڑھے نے دروازہ کھولا جس کی داڑھی خوب سفید ہو رہی تھی -
 شیل کو دیکھتے ہی اس نے کہا - خوش آمدید، خوش آمدید میری بیٹی! تو کئی برسوں
 ر آئی ہے تو ٹھیک تو تھی اور کیا تیری شادی ہو گئی ہے - راشیل شرما سی گئی اور اندر
 حل ہوتے ہوئے اس نے کہا - نہیں ماموں! میری شادی نہیں ہوئی - میں پورے
 لات آپ کو سنا تی ہوں کہ میں کیوں آپ کے پاس نہ آ سکی -

وہ بوڑھا ایک طرف ہٹ گیا - راشیل کے پیچھے عامر بھی اندر داخل ہو گیا -
 شیل نے عامر کے گھوڑے کی بھی باگ پکڑتے ہوئے کہا - لایسے میں گھوڑوں کو باندھ
 ڈل پھرتی ہوں - اتنے میں وہ بوڑھا آگے بڑھا اور اُن دونوں کے گھوڑوں کی
 لیں لیتے ہوئے کہا - تم رہنے دو بیٹی! تم یہاں کو لے کر اندر جاؤ میں دونوں گھوڑوں
 و باندھ کر آتا ہوں، ساتھ ہی ان کے چارے کا بندوبست بھی کر آتا ہوں - وہ
 ڈھا دونوں گھوڑوں کو لے کر حویلی کے بائیں حصے میں اصطبل کی طرف چلا گیا -

راشیل عامر کو لے کر حویلی کے اندر وئی حصے میں آئی - دونوں ایسے کمرے
 ن داخل ہوئے جو دیوان خانہ تھا - راشیل نے عامر کو ایک نشست پر بٹھاتے ہوئے
 کہا - یہ میرے ماموں ہیں - ان کا نام آسا ہے - آپ بیٹھیں میں تھوڑی دیر تک آتی
 ہوں - راشیل مڑی اور دیوان خانے سے باہر نکل گئی تھی -

عامر کافی دیر تک دیوان خانے میں بیٹھا رہا - راشیل ابھی آئی - زونٹی تھی اور

گھوڑے کو روک لیا - راشیل نے بھی اپنا گھوڑا روکا اور اسے موڑ کر عامر سے قریب
 لاتے ہوئے اس نے ساری رات جگانے والے نغموں کی سی آوازیں پوچھا - آپ رُک
 کیوں گئے ہیں -

عامر نے دودھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا - یہاں سے ایک راستہ شہر کی
 طرف جا رہا ہے تم اس پر روانہ ہو کر گھر چلی جاؤ - دوسرا راستہ دمشق کی طرف جا رہا ہے
 میں اس پر روانہ ہوتا ہوں - عامر کے اس فیصلے کی راشیل کی حالت اس زہور کی طرح
 ہو گئی تھی جیسے کسی نے اس پھول کو توڑ لیا ہو جس سے وہ محوِ راز و نیاز ہو اور اس کا
 رس چوس رہی ہو - وہ اس بیمار جیسی ہو گئی تھی جس سے اس کی زندگی اور زیست کی
 ہر نوید چھین لی گئی ہو - تھوڑی دیر تک راشیل برسوں کے بچھے ہوئے فالوں حد
 پہلو کی طرح اُداس کھڑی عامر کی طرف دیکھتی رہی، اور اس کے چہرے پر سہانی
 حکایتوں کی گودا اُڑتی رہی - عامر بھی اسے دیکھتا رہا - وہ بچاری سُن سی ہو گئی تھی -
 جیسے کسی نے اس کی بساطِ دہن اور اس کے تحت الشعور پر ایسی بے درد ضرب لگائی
 ہوئی جو اس کی طاقتِ تحمل سے باہر ہو اور جس نے اس کی رُوح کی کل نشاط کو چھین
 لیا ہو -

راشیل سنبھلی پھر اس نے مناقش وزنگ خوردہ لہجے میں کہا، میں آپ کو
 روکنے کا حق تو نہیں رکھتی - پھر بھی میں آپ سے اتنا س کر دوں گی کہ آپ میرے ساتھ
 چلیں اور میرے ماموں سے بھی مل لیں - اگر آپ کو ہم سے اس قدر ہی نفرت ہے تو
 میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں آپ کی راہ نہ روکوں گی -

عامر نے خوشگوار لہجے میں کہا - تم رنج اور اشتعال میں نہ آؤ - میں تمہارے
 ساتھ ضرور چلوں گا - میں نے یہاں سے تم سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا
 کہ شاید تمہارے ماموں مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کر خوش نہ ہوں - عامر کی اس ہال
 پر راشیل کی رگ میں خوشی اور اُنگوں کی موج اوج اٹھ کھڑی ہوئی تھی - تھوڑی
 دیر قبل تک جہاں اس کے چہرے پر کاہش و کسک، عارضی ٹھکن اور ترحم آمیز د

نہیں جو عقل اور اخلاق کے برخلاف تھیں۔ راشیل نہایت متعجب اور حیران ہو رہی تھی۔ پھر اس نے آسا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ماموں! میں انجیل کی ایک حکایت پڑھتی ہوں آپ اس کی مجھے تفسیر بتانا۔

آسانے متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ تم پڑھو میں سنتا ہوں۔ راشیل نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ بھی سنیں میں آپ سے بھی اس کی تفسیر پوچھوں گی۔ عامر بھی متوجہ ہو گیا تھا۔ راشیل نے انجیل کے متی باب ۲۱ کی آیت ۳۳ سے پڑھنا شروع کیا۔

ایک گھر کا مالک تھا جس نے تانکستان لگایا اور اس کے چاروں طرف احاطہ گھرا۔ اس میں حوض کھودا۔ برج بنائے اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا اور جب پھل کا موسم آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا کسی کو قتل کیا اور کسی کو سنگسار کیا۔ پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلے سے زیادہ تھے اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی دیا یہی سلوک کیا۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے۔

جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا۔ یہی وارث ہے اور اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کر لیں اور اسے پکڑ کر تانکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا۔ پس جب تانکستان کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا۔ انہوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بڑی طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں۔

یسوع نے کیا کیا۔ تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس

نہ ہی اس کا ماموں آسا آیا تھا۔ وہ اکیلا وہاں بیٹھا بودیت محسوس کرنے لگا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد راشیل اور اس کا ماموں آسا اندر آئے۔ آسا آگے بڑھا اور بڑی عقیدت والا دامنہ کی کے ساتھ عامر سے مصافحہ کر کے اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ مجھے راشیل آپ کے اور اپنے حالات تفصیل سے بتا چکی ہے۔ آپ کے گوشہ فزا چھوڑ کر سرحدی مسلمانوں کی حفاظت کے لیے جس مجاہدانہ اور سرفروشانہ زندگی کی ابتداء کہ وہ قابل شکر و سپاس اور وجہ توصیف و تعریف ہے۔ خدا ہر مسلمان کو ایسی ہی توفیق دے۔ راشیل نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آسا سے پوچھا۔

ماموں! میری ممانی کہاں ہے؟ آسانے دھک کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ وہ تو اب برس ہوئے فوت ہو چکی ہے۔ راشیل بچاری ادا اس اور پریشان ہو گئی تھی۔ کمرے میں چند لمحوں تک خاموشی رہی آخر عامر نے اس سکوت کو توڑتے ہوئے آسا سے پوچھا حیرت ہے آپ کو مسلمان ہیں لیکن آپ کی بھانجی نصرانی ہے۔ آسا کے جواب دینے سے قبل ہی راشیل بول پڑی اور عامر کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ آپ کا بہ شکوہ اور اعتراض بھی بہت جلد رفع ہو جائے گا۔

پھر راشیل نے آسا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ماموں! آپ کے پاس توریت اور انجیل ہوا کرتی تھی۔ آسانے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ دونوں کتابیں میرے کمرے میں پڑی ہیں۔ تم دونوں بیٹھو، میں اپنے ہمسایوں سے کھانا پکھڑا کر دوں گا۔ تمہاری ممانی کی موت کے بعد میرا کھانا ان کے ہاں ہی پکنا ہے۔ میں صر سامان انہیں بہم پہنچا دیتا ہوں۔ راشیل نے آسا کا ہاتھ پکڑ کر بڑھاتے ہوئے کہا کہ میں ماموں آپ بیٹھیں آج میں کھانا خود تیار کروں گی۔ جتنے روز میں یہاں ہوا آپ یہ کام اپنے ہمسایوں سے نہ لیں گے۔ آسا مسکرا کر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ راشیل دوسرے کمرے سے جا کر توریت اور انجیل لے آئی اور وہ ابواب آیات دیکھنے لگی جو عمیس نے اُسے یاد کرائے تھے۔ اس نے دیکھا کہ جن آیات اور ابواب کی نشاندہی عمیس نے کی تھی ان میں واقعی پیغمبروں کے خلاف ایسی باتیں درج

لیل کی اولاد سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملے گی۔ جو اس پر گرے گا۔
لٹے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پس ڈالے گا کی تفسیر اس طرح
ہے کہ جو ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقابلہ کرے گا ہلاک ہوگا اور
ہم کے ساتھ آپ نے مقابلہ کیا وہ بھی ہلاکت کے گڑھے میں گر کر رہے گا۔

راشیل نے انجیل بند کرتے ہوئے کہا اگر توریت اور انجیل میں نبی آخر
بان کے متعلق اس قدر واضح اور صاف پیش گوئیاں ہیں تو میں کیسی غافل اور گمراہ
ہوں کہ سیدھی راہ پر نہ آسکی۔ پھر راشیل نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ گواہ
نا، ماموں آپ بھی گواہ رہنا کہ میں آج صِدقِ دل سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ
لم پر ایمان لاتی ہوں، اسلام قبول کرتی ہوں اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان
کرتی ہوں۔

آسا کے لبوں پر سکراہٹ بکھر گئی اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے راشیل کو کلمہ
نب اور کلمہ شہادت یاد کرائے اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے
۔ میں اپنی بیٹی کو مبارک باد دیتا ہوں۔ عامر نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ میں
میں مبارک باد دیتا ہوں۔ راشیل نے غور سے عامر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اب تو
باکوش کوہ نہ رہے گا کہ ماموں مسلمان اور بھانجی نصرانی ہے۔ اب تو بھانجی بھی
ان ہے۔ عامر نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ میں نے تو وہ بات اذرا تو مسخر کہتی تھی شاید تم
ان لکھی ہو۔ راشیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے ہرگز بڑا نہیں مانا بلکہ میں
جس کرتی ہوں میں راہِ راست پر آگئی ہوں۔

آسانے راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم نے کہا تھا بیٹی! تم خود کھانا
بکرو گی۔ اب اٹھو کھانا پکانا شروع کرو، عامر کو جھوک لگی ہوگی۔ راشیل نے اٹھ
انجیل اور توریت طاق میں رکھی اور کھانا تیار کرنے کے لیے باہر نکل گئی۔ عامر اور
دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے تھے۔

عشاء کی نماز کے بعد مینوں نے دیوان خانے میں ہی بیٹھ کر کھانا کھایا۔

پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگا۔
یہ خداوند کی طرف سے تمہارا اور ہماری نظریں عجیب ہے۔ اس
لیے میں تم سے کہتا ہوں۔ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے
گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی اور
جو اس پتھر پر گر گیا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ
گرے گا اسے پس ڈالے گا۔

راشیل رُکی پھر اس نے عامر اور آسا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اب
آپ دونوں مجھے اس تمثیل کی تفسیر سنائیں۔ عامر نے کہا اس کی تفسیر نہایت صاف اور
واضح ہے۔ آسانے بھی راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی تفسیر تمہیں میں
بتاتا ہوں بیٹی سنا!

”باغ لگانے والا واحد مالک خدا ہے۔ انگور بنی اسرائیل کی قوم اور
تاکستان یروشلم ہے۔ نوکر وہ پیغمبر ہیں جو خدا نے بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے بھیجے
ان میں حضرت میکاہ کو بنی اسرائیل نے مارا پٹیا، حضرت یحییٰ (یوحنا) کو قتل کیا اور
حضرت زکریا کو سنسار کیا گیا۔ اس کے علاوہ اور کئی نبی بنی اسرائیل کی طرف بھیجے جو
سے اچھا سلوک نہ کیا گیا۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کو بھیجا سے مراد حضرت عیسیٰ کو روانہ کیا
یہاں بیٹے سے مراد صلح کار کے ہیں کیونکہ بیٹے کا لفظ کتب مقدسہ میں وسیع معانی پر
استعمال ہوتا ہے جیسا کہ متی ۵ باب ۹ میں لکھا ہے کہ مبارک دے جو صلح کار ہیں۔
کیونکہ خدا کے فرزند کہلائیں گے اور مسیح صلح کا شہزادہ ہے۔ آخر باغ کا مالک خوا
آئے گا اور باغ کا ٹھیکہ کسی اور کو دے دے گا سے مراد ہے کہ نبوت بنی اسرائیل
سے نکل کر بنی اسماعیل یعنی ہمارے نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس
آجائے گی۔

جس پتھر کو معماروں نے رد کیا سے مراد حضرت اسماعیل ہیں جنہیں اسرا
نہیں مانتے۔ یہی پتھر کونے کے سرے کا پتھر ہوگا کا مطلب ہے کہ نبوت حضرت

عامر نے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ آج ایک عرصہ بعد میں نے بے ہوشی اور سکون
 ندکی ہے۔ راشیل نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اگر اس وقت روانہ ہوئے
 ل نہ چاہ رہا ہو تو سو جائیے ویسے ماموں آپ کے گھوڑے پر زین ڈال چکے ہیں اور
 نے آپ کا زور راہ بھی تیار کر کے آپ کے گھوڑے کی غرجین میں ڈال دیا ہے۔ عامر
 فوراً جھٹکتے پھرتے ہوئے کہا۔ تم کس وقت کی اٹھی ہوئی ہو۔ راشیل نے اپنے بال
 مت کرتے ہوئے کہا کافی دیر ہو گئی ہے۔ جوتے پہن کر عامر باہر آیا۔ ہاتھ منہ دھو
 جب وہ اصطبل میں آیا تو اس نے دیکھا آسا اس کے گھوڑے پر زین ڈال چکنے کے
 زین سے دانے چارے کا تو برا باندھ رہا تھا۔

عامر نے آگے بڑھ کر اپنے گھوڑے کو لگام چڑھا دی۔ راشیل اس موقع
 ناس اور فکر مند ہو گئی تھی۔ اس نے بھاری اور بوجھل آواز میں عامر سے پوچھا۔
 یہاں واپس کب تک آئیں گے۔ عامر نے گھوڑے کو لگام چڑھا کر اس کی باگیں
 پر رکھتے ہوئے کہا۔ میں بہت جلد واپس لوٹوں گا۔ تم تیار رہنا میں کسی بھی وقت
 ملتا ہوں۔

راشیل نے پراسید لہجے میں کہا۔ آپ جب بھی آئے مجھے تیار پائیں گے
 نے ایک الوداعی نگاہ راشیل پر ڈالی۔ آسا سے مصافحہ کیا اور اپنے گھوڑے پر
 رہو کہ باہر نکل گیا۔ راشیل دروازے پر کھڑی ہو کر اسے دیکھتی رہی۔ جب وہ
 میرے کی چادر میں اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ
 تھے۔ اس کی گردن جھک گئی تھی اور وہ دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی تھی۔



پھر بوڑھا آسا اٹھنا ہوا بولا۔ راشیل بیٹی! تم عامر کو ساتھ والے کمرے میں لے جاؤ
 وہاں بستر لگا ہے۔ یہ وہاں آرام کرے۔ تم خود بھی آرام کرو۔ میں اتنی دیر تک گھوڑوں
 کو دانہ چارہ ڈال لوں۔ راشیل عامر کو لے کر ساتھ والے کمرے میں آئی۔ دریا کی پونہ
 کا وہ ایک صاف ستھرا کمرہ تھا جس کے دائیں جانب دیوار کے ساتھ ایک مہری پر
 حریر و سمور کا گرم بستر لگا تھا۔ راشیل نے بستر کی طرف اشارہ کیا۔ اب آپ آرام کریں
 مجھے بھی نیند آرہی ہے۔

راشیل جب باہر نکلنے لگی تو عامر نے اُسے پکارا۔ راشیل! راشیل! میری باز
 سنو! راشیل مڑ کر عامر کی طرف دیکھنے لگی۔ عامر نے کہا۔ راشیل! میں کل اندھیر
 ہی اندھیرے یہاں سے نکل جاؤں گا۔ شاید میں یہاں روانہ ہوتے وقت تم سے نہ مل
 سکوں! اپنے ماموں سے بھی معذرت کر دینا۔ راشیل نے فکر مند لہجے میں کہا۔ ایسے
 کیوں کہ ہو سکتا ہے۔ آپ بے فکر ہو کر سو جائیں میں صبح خود آپ کو جگاؤں گی آپ
 کس وقت یہاں سے روانہ ہونا چاہتے ہیں۔

عامر نے اپنے جوتے اور چمڑے کے مونڈے اتارتے ہوئے کہا۔ میں فجر کی اذان
 کے وقت یہاں سے روانہ ہو جانا چاہتا ہوں۔ فجر کی نماز میں راتہ میں ہی پڑھوں گا۔
 راشیل نے پھر مڑتے ہوئے کہا۔ آپ بے پرواہ اور فکر سے خالی ہو کر سو جائیے۔ میں
 وقت پر آپ کو جگا دوں گی اور ہر چیز آپ کو تیار ملے گی۔ راشیل باہر نکل گئی، عامر جو
 آثار کر بستر میں گھس گیا تھا۔

رات کے پچھلے حصے میں جب کہ عامر گہری نیند سو رہا تھا ایک دم بدحوالہ
 ہو کر جاگ گیا کسی نے اُسے جگانے کی کوشش کی تھی۔ آنکھیں کھول کر اس نے دیکھ
 راشیل اس کا بازو پکڑ کر ہلارہی تھی اور اس کے لیے دراز بال عامر کے شانوں پر گرے گئے
 تھے۔ عامر کو اس کے نازک و گداز ہاتھ اور گیسوؤں کا لمس عجیب سا لگا پھر وہ فوراً
 کر بیٹھ گیا۔ راشیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ تو کہہ رہے تھے مجھے سویرے یہاں
 کوچ کرنا ہے اور میرے بار بار جگانے پر بھی آپ اٹھنے کا نام نہیں لیتے تھے۔

ان کا بیٹا ہوں اور میرا نام جعفر بن عدنان ہے۔

عامر زمین پر بیٹھ گیا اور بچے کو گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے کہا۔ تمہارا سکا بیٹا رہیں بیٹے! اگر میں تو جاؤ انہیں باہر بھیجو۔ بچے نے معصومیت سے کہا۔ وہ اپنے باپ کے ہوئے ہیں۔ میرے دادا گھر میں انہیں بھیجوں۔ عامر پھر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ بیٹے! انہیں نہیں، تم اپنی چھوٹی عروہ کو باہر بھیج دو۔ بچے نے پھر انکار میں ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔ وہ یہاں نہیں اپنے گھر میں۔ عامر نے حیرت سے پوچھا اس کا لون سا ہے۔ اس کی شادی میرے ماموں سلیمان بن دائل سے ہو رہی ہے اور وہی اس کا گھر ہے۔ عامر نے سوچتے ہوئے پوچھا۔ دائل بن غوث جو قبیلے کا سردار ہے۔ جی ہاں وہ میرے نانا ہیں۔ عامر پھر بولا، تو کیا تمہاری دائل بن غوث کی بیٹی سمیرا ہے۔

بچے نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ہاں ہاں، آپ کا اندازہ درست ہے۔ تھوڑی دیر یہاں رکھیے۔ میں اپنے دادا یا چھوٹی کو بلا کر لاتا ہوں۔ عامر نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ رہنے دو بیٹے! اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ عامر ہٹا اور اپنے گھوڑے کے پاس آکر اس نے باگیں سنبھالتے ہوئے جعفر بن عدنان کو بلایا۔ سنو بیٹے! جب تمہارا بیٹا گھڑے تو اسے کہنا۔ تمہارا بھائی عامر بن نافع تم سے ملنے آیا تھا تم گھر نہ تھے اس لیے وہ چلا گیا ہے۔ میں دشتن جا رہا ہوں۔ اگر نکال سکا تو وہاں ہی پر پھر آؤں گا۔

عامر جب اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو بچہ بھاگ کر آگے بڑھا اور انہوں سے لپٹتے ہوئے کہا۔ اگر آپ میرے ابی کے بھائی ہیں تو میں آپ کو جاتے دوں گا۔ آپ اندر جا کر دادا کے پاس بیٹھیں میں اپنے ابی کو بلاتا ہوں۔ ہاں سے آئے ہیں اور پہلے کبھی ہمارے ہاں کیوں نہیں آئے۔ آپ نے جو اپنا نام ہے اس نام کا ذکر میرا دادا، میرا ابی اور میری چھوٹی اکثر کرتے رہتے ہیں، اور میرے پرندہ بیٹھے، میں آپ کو نہیں جانے دوں گا۔ میرے ابی جب گھڑے تو وہ



سہ پہر کے قریب عامر اپنے گھوڑے کو اس شاہراہ پر ہر پٹ دوڑا رہا تھا۔ محض سے دشتن کی طرف جاتی تھی۔ ایک دورا ہے پر آکر اس نے اپنے گھوڑے روک لیا۔ یہاں شاہراہ سے بائیں طرف ایک راستہ نکلتا تھا جو بنو عیس اور بنو زبیا کی طرف چلا گیا تھا۔ عامر چند لمحوں تک اس دورا ہے پر کھڑا ہو کر کچھ سوچتا رہا۔ وہ کوئی فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر اس نے اپنے گھوڑے کا رخ موڑ کر ایڑ لگا دی اور گھوڑا اس شاہراہ پر دوڑ پڑا تھا جو اس کے اپنے قبیلے کی طرف جاتی تھی۔ عامر کا گھوڑا تھوڑی دیر بعد دھول اڑاتا ہوا اپنی بستی میں داخل چپا کے گھر کے سامنے اپنے گھوڑے سے وہ اتر کر انگریزوں کو چلتا ہوا دھول بڑھا اور دروازے پر دستک دی۔ احتیاطاً وہ اپنا ہاتھ بھی اپنی تلوار سے دستانے لے گیا تھا کہ مبادا کوئی اس پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بچہ۔ دروازہ کھولا اور عامر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ آپ کس سے ملیں گے۔ عامر۔ بچے کو پہچانتے ہوئے پوچھا۔ یہ گھر کس کا ہے بیٹے۔ اس بچے نے بھاتی تانتے ہوئے کہا۔ ہمارا اپنا گھر ہے۔ تمہارا نام کیا ہے بیٹے۔ بچے نے روانگی سے دیا۔ میرا نام جعفر ہے۔ عامر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اپنا پورا نام بیٹے تاکہ میں جان سکوں تم کس کے بیٹے ہو۔ بچے نے ذرا توقف کے بعد کہا۔

مجھے ماریں گے کہ میں نے آپ کو کیوں جانے دیا۔

عامر ایک بار پھر زمین پر بیٹھ گیا اور جعفر کو پٹانے ہوئے اس نے کہا۔
میرے بھتیجے! دیکھو اس قبیلے کے سب لوگ میرے دشمن ہیں۔ اگر کسی نے مجھے ہار
دیکھ لیا تو طوفان کھڑا ہو جائے گا اور لوگ مجھ پر حملہ کر دیں گے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ
تمہارے عم کو لوگ مار کر زخمی کر دیں۔ جعفر نے سخت آواز میں کہا۔ میرا نانا بستی کا رہ
ہے۔ اس قبیلے میں کہیں کی ہمت ہے کہ میرے اپنی کے بھائی اور میرے عم کو نقصان
اتنے میں گھر کے اندر سے کوئی نکلا۔ بھاگ کر آگے بڑھا اور عامر کے گھوڑے
کی باگ پکڑی۔ عامر نے سر اٹھا کر جب غور سے اس کی طرف دیکھا تو وہ سمیرا تھی۔
بن غوث کی بیٹی، عدنان کی بیوی اور جعفر کی ماں، وہی سمیرا جسے وائل بن غور
کبھی عامر سے بیاہنا چاہتا تھا۔ عامر کی طرف دیکھتے ہوئے سمیرا نے کھٹی کھٹی سی آواز
میں کہا۔ آپ اپنا گھر چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں۔ یہ آپ کی بستی، آپ کا قبیلہ اور
یہاں آپ کا گھر ہے۔ عامر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

میرا کوئی قبیلہ، کوئی بستی اور کوئی گھر نہیں ہے۔ میں یہاں اجنبی ہوں
میرا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔ عامر مڑ کر اپنے گھوڑے پر بیٹھنے لگا تھا کہ
نے دیکھا اس کا چچا عمرو بن کعب گھر سے نکلا تھا۔ عامر کو دیکھتے ہی اس کے چہرے
گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ وہ قریب آیا اور عامر کو گلے لگانے کے لیے اس نے
دونوں بازو پھیلا دیئے تھے۔ عامر نے رخ موڑ لیا اور عمرو بن کعب کی طرف بیٹھ کر
کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر بے اعتمادی کی جھلک، پشیمانی پر نفرت اور کینے کا
اور آنکھوں میں نمی تھی۔ عمرو بن کعب کی حالت ایسی آسائش، غمزہ اور عبرت
گئی تھی جیسے آجڑا ہوا باغ، جیسے تباہ حال قریہ جیسے آندھی اور طوفانوں میں
ہوا خیمہ۔

یہ صورت حال دیکھ کر سمیرا بھی پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے آگے
کر جعفر کے کان میں کچھ کہا اور وہ کسی ہوش سنبھالے ہوئے معصوم مہینے کا

یاں بھڑا ہوا بستی کے اندرونی حصے کی طرف بھاگ گیا تھا۔ عمرو بن کعب نے
تسلی آواز میں کہا یا ابن اخی (اے میرے بھائی کے بیٹے) کیا تُو اب تک مجھ سے
اور خفا ہے۔ دروازے پر اجنبیوں کی طرح دستک دینے کے بعد انجانوں
واپس کیوں لوٹ رہے تھے۔ میں جانتا ہوں میں نے تم سے زیادتیال کی ہیں۔ چلو
وہاں بیٹھ کر جیسی بھی مجھ سے زیادتی کرو گے میں اُف نہ کروں گا۔

عامر کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ دکھیا اور مجروح لہجے میں اُس نے
میرا اس گھر سے اس بستی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں دمشق جا رہا تھا کہ بہن اور
کی محنت نے مجھے اس طرف پہنچ لیا۔ ورنہ اس بستی کے سب لوگ میرے لیے
بھی نہیں میرے دشمن بھی ہیں۔ اس بستی، اس قبیلے سے میرا کیا تعلق جس نے مجھے بدترین
ت میں بستی چھوڑنے پر مجبور کیا۔ ان لوگوں سے میرا کیا واسطہ جنہوں نے مارے کو قتل
یا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ۔۔۔ اس سے آگے عامر کچھ نہ کہہ پایا اور اس
نازحہ حق میں دُوب کر رہ گئی تھی۔

عمرو بن کعب آگے بڑھا اور عامر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے
میں جانتا ہوں مارے تمہیں چاہتی تھی اور تم اُسے پسند کرتے تھے لیکن بُرا ہو حال
ہوں نے اُسے بنو عیس کے انھوں نے قتل کروادیا۔ میں جانتا ہوں میں نے تمہارا ساتھ
ا تھا۔ تم سے بُرا سلوک روا رکھا تھا۔ میں ان سب زیادتیوں کے لیے معذرت خواہ
ہوں۔ اب بنو عیس اور بنو زیباں میں صلح ہو چکی ہے۔ تمہارے بعد دونوں قبیلوں میں
جنگ ہوئی تھی جس میں بنو زیباں کا پلہ بھاری تھا اور میں خفت اٹھانا پڑی تھی اس
میں بنو زیباں کا سردار سالم بن عقبہ اور اس کا بیٹا ولید مارے گئے لیکن اس کا اثر یہ
کہ دونوں قبیلوں کے بڑوں نے آپس میں ایک دوسرے کے نقصان کو دیکھتے ہوئے
کر لی۔ اب بنو عیس اور بنو زیباں کے لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا۔

عامر نے کرب انگیز آواز میں کہا۔ موت کے بعد کسی کے لیے دوا فراہم کی جائے
ماسے کیا حاصل۔ آہ! سالم بن عقبہ! میرا محسن اور مرقی۔ اب میں بنو زیباں میں کیا

ابھی وقت میرے مسکن پر پھر حملہ کر سکتا ہے اور محلے کی صورت میں میرا وہاں ہونا بری ہے۔ امید ہے اب تم میں سے کوئی بھی مجھے روکنے کی کوشش نہیں کرے اس لیے کہ اس کام میں میری قوم کی بہتری اور میری ہمت کا مفاد ہے۔ اس کے عہدب نے عامر کی بات کاٹ کر منبت کرنے کے انداز میں کہا۔ انھی! آپ کو ہمیشہ کے لیے نہیں روکوں گی۔ میں آپ کے کام کی نوعیت اور اہمیت انٹی ہوں۔ اس کے باوجود میں آپ سے التماس کروں گی کہ صرف ایک رات یہاں جائیں۔ کل صبح اگر آپ یہاں سے روانہ ہونا چاہیں گے تو میں آپ کا راستہ نہ بل گئی۔

عامر نے گھوڑے کا رخ موڑتے ہوئے کہا۔ تمہارے کہنے پر صرف ایک رات مال رک سکتا ہوں۔ جب وہ گھر کی طرف روانہ ہوئے تو عدنان نے پریشانی سے۔ انھی! آپ کی ٹانگ کو کیا ہوا۔ آپ لنگڑا کر کیوں چل رہے ہیں۔ عامر نے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میری ٹانگ پر زخم ہے۔ کوئی اتنا گہرا معمولی ہے۔ چند روز پیشتر طیطوس کے ساتھ ایک جنگ میں دشمن کا ایک ری ہنڈل میں لگ گیا تھا۔ اب تو زخم کافی حد تک بھر گیا ہے۔ بستی کے کچھ بھی وہاں جمع ہو گئے تھے۔ اور وہ عامر سے مصافحہ کرنے لگے تھے۔ عامر اب ل کر رہا تھا جیسے قبیلے میں اس کا کوئی دشمن نہ ہو۔

ایک بوڑھے نے عامر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ نافع کے بیٹے! اب بنو میں تمہارا کوئی دشمن نہیں۔ قبیلے کو احساس ہو چکا ہے کہ بنو زیان کے ساتھ صلح ہی کا جو پیغام تم نے دیا تھا وہ درست اور مناسب تھا۔ خدا تمہیں توفیق دے گا۔ تم پھر بنو عیس کی خدمت کر سکو۔ وہ بوڑھا پیچھے ہٹ گیا اور عدنان عامر کو خویلی کے اندر لے گیا تھا۔

○

عامر نے صرف ایک شب اپنے چچا کے ہاں قیام کیا۔ دوسرے روز وہ وہاں سے

لینے جاؤں گا۔ میرے لیے اب وہاں کیا رہ گیا ہے۔ عمرو بن کعب نے پھر عامر کا شانہ ہوئے کہا۔ چلو گھر تو چلو نا۔ عامر نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ آپ آرام کریں میں عدنان سے باغ میں بل کر دمشق چلا جاؤں گا مجھے۔

عامر کتے کتے رک گیا۔ سامنے سے عدنان اور عروب آرہے تھے۔ ان کے ساتھ جعفر تھا اور اس نے ان دونوں کے ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔ عامر کو دیکھتے ہی دونوں بہن بھائی بھاگے اور ایک ساتھ عامر سے لپٹ گئے۔ علیحدہ ہو کر عروب خفگی کی حالت میں عمرو بن کعب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یا ابی! کیا آپ نے بھائی سے کچھ کہا ہے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں۔

عمرو بن کعب نے بڑی انکساری سے کہا۔ یہ تو جا رہا تھا بیٹی! میں تو ہر سماجت کر کے اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عروب نے شکوہ خیز انداز میں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کیوں انھی! آپ کیوں جا رہے تھے۔ کیا یہ آپ کا گھر خدا کی قسم میں ہر روز جبل ہلال کی کسی چوٹی پر کھڑی ہو کر آپ کی راہ دیکھا کرتی! میں نے سوچ رکھا تھا۔ جب آپ واپس آئیں گے تو سمیرا کی چھوٹی بہن سے آ کو بیاہ دوں گی۔ کیا بات ہے آپ واپس کیوں جا رہے تھے۔ اب وہ پہلے حالات نہیں ہیں۔ اب میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔ آپ شادی کر کے اپنا اور باغات سنبھالیں۔

عامر نے اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا۔ اپنا گھر اور باغات میں تنہا اور عدنان کو سوئپ چکا ہوں۔ اب ان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں یہاں رکوں گا بھی نہیں۔ میں دمشق سے کچھ رضا کار لینے آیا ہوں اور میرا بہت جلد واپس لوٹ جانا بھی ضروری ہے۔ میں اپنی ایک الگ دنیا آباد کر چکا ہوں۔ میں نصرانیوں کے قلعہ حارم کے سامنے سرحدی مسلمان بستیوں کے متحدہ لشکر کا سالار ہوں۔ ایک جنگ میں میرے لشکر کا ایک حصہ کام آچکا ہے اور میں یہ کمی دمشق سے پوری کرنے آیا ہوں۔ میرا جلدی لوٹ جانا اس لیے زیادہ اہم ہے کہ حارم کا نصرانی حاکم طیطوس

بارس کی پشیمانی چورم لی اور پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میں تمہارا
بڑا باندھا ہوں تم دیوان خانے میں چل کر بیٹھو۔ عامر نے اُن کا بازو پکڑ کر دیوان
خانے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ آپ بھی میرے ساتھ دیوان خانے میں آئیے گھوڑے
اُپر ہی رہنے دیں۔ میں رگوں کا نہیں۔ آپ میری بات سنیں۔ اس کے بعد
رخصت ہوتا ہوں۔

جمال الدین کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا۔ بہر حال وہ اُن کے ساتھ ہو گیا۔
وہ تینوں دیوان خانے میں آکر بیٹھے تو عامر نے کہا۔ میں انتہائی مشکل سے
نیکال کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ حالانکہ اس وقت مجھے اپنے مسکن میں
چاہیے تھا۔ کیونکہ وہاں مجھے طیطوس کی طرف سے بہر وقت خطرہ ہے۔ میں اس
لے میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ چند روز ہوئے طیطوس نے قلعہ معرۃ النعمان اور
ب کے لشکروں کے ساتھ مل کر ہم پر حملہ کر دیا تھا۔ اس جنگ میں گوہم نے
عبرت ناک شکست دی تھی لیکن ہمارے اپنے لشکر کا بھی کافی نقصان ہو گیا۔ اب
یہ لشکر کی تعداد آدھی رہ گئی ہے اور اگر طیطوس نے پھر حملہ کر دیا تو ہمارے
دی بستیوں کا دفاع انتہائی مشکل اور تکلیف دہ ہو جائے گا۔ گوہم شکست کا
م لے گا۔ اس لیے کہ اس جنگ میں قلعہ معرۃ النعمان کے لشکر کا سالار آموں اور
کے اُن گنت لشکری مارے گئے تھے۔

قلعہ معرۃ النعمان کا نصرانی حکمران اپنے سالار کی مرگ اور اپنے لشکر کے
ان پر ہمارے خلاف ضرور انتقامی کارروائی کرے گا اور وہ طیطوس اور قلعہ
ب کے عیسائی حکمران کو طیش و لاکر ضرور ہمارے خلاف لاکھڑا کرے گا۔ قبل اس
کہ مجھ پر حملہ آور ہوں میں اپنے لشکر کی انفرادی قوت چھربجال کر لینا چاہتا
ہوں اور اس کے لیے مجھے دمشق سے رضا کاروں کی ضرورت ہے۔ میں یہاں ٹرکنا
میں چاہتا اور آج ہی یہاں سے رخصت ہو جانا چاہتا ہوں کیونکہ راستے
فر کے دوران جو راتیں گزریں وہ تو گزریں، اس کے علاوہ میں اپنے حما کے

روانہ ہوا۔ جبل الہلال سے گزر کر وہ بنوریان کے قبرستان میں آیا۔ وہاں اس نے ناز
کی قبر پر فاتح کہی اور پھر دریائے ابان کے کنارے کنارے اپنے گھوڑے کو دمشق شہر
طرف سرپٹ دوڑا رہا تھا۔ دوپہر کے قریب وہ دمشق شہر میں داخل ہوا۔ جب وہ
بازار میں سے گزر رہا تھا تو کسی نے زور زور سے پکارا۔ عامر! عامر! رگ جاؤ۔ عامر
گھوڑے کو روک کیا اور جب اس نے مڑ کر پکارنے والے کی طرف دیکھا تو وہ قاضی
فندلاوی تھے۔ جب وہ نزدیک آئے تو عامر گھوڑے سے اتر گیا۔

قاضی یوسف نے آگے بڑھ کر عامر کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ تم دمشق کا
آئے بیٹے! عامر نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ ابھی ابھی شہر میں داخل ہوا ہوں۔
پہلے شخص ہیں جس سے ملاقات ہوئی ہے۔ آپ اس وقت کہاں سے آ رہے ہیں
کہ دھر جا رہے ہیں۔ قاضی یوسف فندلاوی نے شفقت اور عاجزی میں کہا۔

جمال الدین کی طرف سے آیا ہوں اور گھر جا رہا ہوں۔ عامر نے گھوڑے
کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ تو پھر ایک بار پھر میرے ساتھ اُن کے گھر چلیے۔ میری
قسمتی ہے کہ آپ مجھے راستے میں مل گئے ہیں۔ ورنہ ابھی تک میں آپ کے گھر
دشک دے رہا ہوتا۔ ایک حالیہ جنگ میں میرے لشکر کا کافی نقصان ہوا ہے۔
دمشق میں رضا کار لینے حاضر ہوا ہوں۔ میں جمال الدین سے استدعا کروں گا کہ
میرا کام کرے۔ اس موقع پر آپ کا ساتھ ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ ایک ایسا
ہے جس میں مسلم قوم کی سربلندی کا سوال ہے۔ امید ہے آپ انکار نہیں کریں گے۔
قاضی یوسف نے عامر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ کون کا فرما
کرتا ہے۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ میں جمال الدین سے تمہاری بھرتی
سفارش ہی نہ کروں گا بلکہ اس پر زور بھی ڈالوں گا کہ وہ یہ کام ضرور کرے۔
دونوں پیدل ہی روانہ ہو گئے۔ چار پانچ کوچوں میں سے گزرنے کے

بعد وہ جمال الدین کی حویلی پر دشک دے رہے تھے۔ دروازہ خود جمال الدین
نے کھولا تھا اور عامر کو دیکھتے ہی وہ باہر نکلے اور اسے گلے لگاتے ہوئے انہوں نے

ہاں قیام کر کے ایک رات فالتو گزار چکا ہوں۔

ہو گیا تھا اور خنک ہوا میں رات کے وقت جائزے کو اور زیادہ خطرناک اور تکلیف دہ
ی تھیں۔ پہلی دستک پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ لہذا عامر نے دوسری بار ذرا تیز دستک
اس بار اندر سے بوڑھے آسا کی آواز سنائی دی۔ کون ہے؟ سردی کی بھیانک
نبی اور رات کی ہولناک چسپ میں عامر کی کپکپاتی اور لرزتی ہوئی آواز ابھری۔
بہ کھیلے۔ میں عامر بن نافع ہوں۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا اور سامنے کھڑے آسانے عامر کی طرف
ہوئے نکلے مند آواز میں کہا۔ تم نے دن کو سفر کیا ہوتا بیٹے! رات کے وقت
مردی میں اکیلے اور تنہا مسافر کا سفر کرنا کیسا ہولناک ہے۔ عامر اپنے گھوڑے
پکڑے اندر داخل ہوا اور اصطبل کی طرف چلا گیا۔ بوڑھا آسا بھی جب دروازے
سے زنجیر لگانے کے بعد اصطبل کی طرف بڑھا تو حویلی کے اندر دنی جھٹے کی طرف
نیل کی آواز سنائی دی۔ ماموں! ماموں! رات کے اس وقت کون آیا ہے؟
آسانے تیزی سے اصطبل کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ عامر آیا ہے بیٹی!
آسا آگے بڑھا اور گھوڑے کو اصطبل میں باندھنے کے لیے جب اس نے عامر
کی لگام پکڑنا چاہی تو اس نے چونک کر پوچھا۔ عامر! عامر! تمہارا جسم
کیوں ہے بیٹے! عامر نے افسردہ سی آواز میں جواب دیا۔ مجھے راستے میں
دیکھا تھا۔ میں انتہائی مشکل سے یہاں پہنچا ہوں۔

بوڑھا آسا بلند آواز سے پکارنے لگا۔ راشیل! راشیل! بھاگ کر اصطبل
آؤ بیٹی! راشیل عامر کی آمد کا سن کر پہلے ہی اصطبل کی طرف آ رہی تھی۔ اب
اسے پکارا تو اس نے اصطبل کے سامنے نمودار ہوتے ہوئے پوچھا۔ کیا ہوا ماموں!
لمر مند آواز میں کہا۔ عامر کو تیز بخار ہے بیٹی! اسے شاید سردی لگ گئی ہے۔
اندھے چلو۔ میں اس کے گھوڑے کو باندھ کر اور اسے دانہ چارہ ڈال کر آتا
راشیل بھاگ کر عامر کے پاس آئی اور پریشان و پرانندہ آواز میں اس نے
باہو ہوا،

عامر جب خاموش ہوا تو قاضی یوسف نے جمال الدین کی طرف دیکھتے ہوئے
کہا۔ میں نہ صرف عامر کی زبانی حمایت کرتا ہوں بلکہ زور دے کر کہتا ہوں کہ اگر
کام کو فرض جان کر کرو۔ سرحدی مسلمانوں کی حفاظت ہمارا ایک ملی فعل اور قوم
عمل ہے۔ جمال الدین نے کچھ سوچا پھر عامر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ تم آج
ہی یہاں سے روانہ ہونا چاہتے ہو؟ عامر نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ یہ
ضروری اور اہم ہے۔ میں زیادہ دن باہر نہیں رہ سکتا۔ میری غیر موجودگی میں اگر
ہم پر حملہ ہو گیا تو دُشمنی فائدہ اٹھا جائے گا۔

جمال الدین نے پھر کہا۔ اگر تم رُک جاتے تو بہتر تھا۔ بہر حال تمہارا وہاں
پہنچنا اگر لازم ہے تو تم چلے جاؤ میں رضا کاروں کو جمع کر کے ہفتہ عشرہ تک یہاں سے
روانہ کر دوں۔ ان کا سالار وہی ترک رکن الدین ہوگا۔ جس سے تمہاری ملاقات پہلے
ہی بعلبک شہر میں اس وقت ہو چکی ہے۔ جب تم متعلقہ کو قتل کرنے گئے تھے۔ رضا
کاروں کے علاوہ میں یہاں سے تمہارے لیے رسد و خوراک کے علاوہ نقد رقم بھی روانہ کر
گا جو جنگی تیاری میں تمہارے کام آئے گی۔

اس کے ساتھ ہی جمال الدین اپنی جگہ پر گھڑے ہو گئے اور عامر کی طرف دیکھتے
ہوئے کہا۔ میں ابھی آتا ہوں۔ تمہارے کھانے اور زاد راہ کا بندوبست کر لوں۔
جمال الدین اٹھ کر باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر تک وہ کھانے کے برتن لے کر پھر آئے۔
کھانے کا کچھ سامان اُنہوں نے عامر کے گھوڑے کی غرجین میں ڈال دیا۔ دیوان خانہ
میں تینوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا اس کے بعد عامر وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

⑤

ایک روز آدھی رات سے تھوڑی دیر قبل عامر اس اشرف میں راشیل کے ماموں
آسا کے مکان پر دستک دے رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو ایک مٹے گرم اونی کبل
میں چھپا رکھا تھا۔ شمالی پہاڑوں پر برف باری ہو جانے کے باعث سردی میں اور

ہائے گا۔ اس کے علاوہ ——— راشیل نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔
انہیں گرم گرم دودھ نہ پلاؤں ؟

آسانے کہا دوہی میں بھی تمہیں کہنے والا تھا لیکن سادہ گرم دودھ پلانے سے
فائدہ نہیں۔ پہلے دودھ کو ابال لو اس کے بعد اس میں گھی ڈال کر خوب ہلا لو اور وہ گھی
م گرم دودھ اسے پلاؤ۔ آسا عامر کے پاس بیٹھ گیا۔ راشیل نے پہلے دو چوہے گرم
ایک چوہے پر اس نے مرغی اور دوسرے چوہے پر وہ دودھ گرم کرنے لگی تھی۔

آسا عامر کے پاس تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس نے عامر کی طرف
نہ ہوئے پوچھا۔ آپ کا سر درد کو رہا ہو یا بدن ٹوٹ رہا ہو تو میں دبا دوں۔ عامر
نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ نہیں میں ٹھیک ہوں، آپ لوگ فکر مند نہ ہوں۔ میں
اللہ صبح تک سفر کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ آسانے نکر مند لہجے میں کہا۔ اس بخار
الت میں آپ کا سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس طرح بخار بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔
عامر نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا میرا اپنے مسکن میں نہ پہنچنا بھی نامناسب ہے،
طرح وہاں کے حالات بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ آسا کچھ کہنا چاہتا تھا کہ راشیل
آئی اور آسا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ماموں ! آپ جاکر آرام کریں، میں
ن سنبھال لوں گی۔ آسانے نشست سے اٹھتے ہوئے کہا۔ عامر کو سمجھانا بیٹی ! یہ
مجہاں سے کوچ کرنے کا قصد کر رہا ہے۔ اس طرح تو یہ سردی کا بخار اور زیادہ
ہائے گا۔ آسا باہر نکل گیا۔ راشیل آگے بڑھی، دونوں ہاتھوں میں اس نے جو برتن
رکھے تھے وہ اس نے فرش پر رکھ دیئے اور لکڑی کی نشست پر بیٹھے ہوئے عامر
کہا۔

تھوڑی دیر اٹھ کر بیٹھے۔ عامر نے آنکھیں کھول کر راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے
ریوں ؟ راشیل نے پیار سے کہا۔ اٹھیے نا۔ عامر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ راشیل نے لکڑی
پیلے میں گھی ملا گرم گرم دودھ ڈالا اور اسے عامر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
گرم گرم پی جائیے۔ عامر ہمدردی، احسانندی اور خود سے راشیل کی طرف دیکھنے

عامر نے ٹھٹھری ہوئی سی آواز میں کہا۔ راتے میں سفر کے دوران بخار ہو گیا تھا
راتے میں ایک رات حص میں رک کر میں نے آرام بھی کیا تھا۔ پھر بھی اس بخار نے میرا
پہنچا نہیں چھوڑا۔ راشیل نے آگے بڑھ کر عامر کا بازو اپنے ہاتھ میں لیا پھر اس نے
گھبرائی ہوئی پراگندہ آواز میں کہا۔ آپ کو سخت تیز بخار ہے۔ چلئے اندر چلئے، ہمار
کا بازو پکڑے ہی پکڑے راشیل اسے اندر لے گئی۔ وہ عامر کو اسی کمرے میں لے گئی تھی
جس میں عامر ایک رات پہلے بھی گزار چکا تھا۔

راشیل نے خود عامر کی تلوار علیحدہ کی، اس کی زہر آتاری اور سر سے خود آلود
کر علیحدہ کر دیا۔ عامر بستر پر لیٹ گیا اور راشیل نے ایک ساختہ اس پر دو لحاف
ڈال دیئے تھے۔ دونوں رضائیوں کو اس نے چاروں طرف سے خوب دبا دیا تھا۔ پھر
لکڑی کی ایک نشست کھینچ کر عامر کے قریب بیٹھ گئی اور بڑی ہمدردی اور شفقت
سے پوچھا۔ کیا آپ سردی محسوس کر رہے ہیں۔ عامر نے اثبات میں گودن ہلا دی۔
راشیل نے عامر کے سر پر رضائی ڈالنے اور اس کا منہ ننگا رکھنے کے بعد پھر پوچھا۔
کہیں سے کھانا بھی کھایا تھا آپ نے ؟

حصص کی سرائے سے تھوڑا سا کھایا۔ اس کے بعد بخار نے جھوک ہی مار
دی ہے۔ ——— ٹانگ کا زخم کیسا ہے ؟ ——— اب تو ٹھیک ہو گیا ہے
جس کام کے لیے گئے تھے اس کا کیا کر آئے ہیں۔ عامر نے اپنے چہرے پر اُپ
ر کرنے والے لحاف کے پلو کو ہٹاتے ہوئے کہا۔ دمشق میں جمال الدین سے ملا تھا۔
اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہفتہ عشرہ تک رضا کاروں کے کچھ دستے روانہ کرے گا۔
راشیل نے کچھ سوچا پھر اس نے بڑے پیارا اور محبت سے عامر کا گلہ تہہ
ہوئے کہا۔ میں ابھی آتی ہوں۔ پہلے آپ کے بخار کا بندوبست کرتی ہوں۔ راشیل
اٹھ کر دروازے کے پاس ہی گئی تھی کہ آسا کمرے میں داخل ہوا اور راشیل کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔ عامر کو سردی ہو گئی ہے، میں ایک مرغی ذبح اور صاف کر کے ادا
خانے میں رکھ آیا ہوں اسے چوہے پر رکھو اور اس کا شور رب بنا کر اسے پلاؤ۔ ٹھیک

تے ہیں اور آہستہ آہستہ سارے ختم ہو کر زمین پر گر جاتے ہیں۔ پھر میں اس کو ہستانی
ی میں مرے ہوئے پرندے ہی پرندے دیکھتا ہوں جن کے سفید پر خون میں رنگے
ہے ہیں۔

دوسرا خواب میں نے اس وقت دیکھا میں نے بیماری کی حالت میں حمص
ر کی ایک سرائے میں رات بسر کی تھی۔ اس خواب میں پہلے خواب سے بھی بدترین
ر تھا۔ میں نے ایک چرواہے کو دیکھا جو اپنے ہاتھ میں ایک لمبا آنکس لیے پہاڑ
ایک چوٹی پر کھڑا تھا اور نیچے دامن میں اس کی بکریاں چر رہی تھیں۔ تھوڑی دیر
وہ چرواہا آنکس ہاتھ میں لیے پہاڑ کے دوسری جانب نیچے اترتا اور آنکس کی مدد
وہ اپنے ریوڑ کے لیے درختوں کی چھوٹی چھوٹی پتے دار ٹہنیاں توڑنے لگا تھا
چرواہے کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کوہستانوں کے
سے ان گنت بھیڑیے نکل کر میدان میں داخل ہوئے اور انہوں نے اس غریب
باہے کی ساری بھیڑوں کو چیر بھاڑ کر رکھ دیا۔

عامر جب خاموش ہوا تو راشیل نے پریشان آواز میں کہا۔ اللہ ہم پر اپنا کرم
ے گا۔ اگر صبح تک آپ کا بخار کچھ ہلکا ہو گیا تو ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے
راشیل کو جیسے کوئی بات یاد آگئی ہو وہ اٹھتی اور دروازے کی طرف جاتے ہوئے
نے کہا۔ میں ابھی آئی آپ کے لیے مرغی کا شوربہ لاتی ہوں۔

تھوڑی دیر بعد راشیل پھر اس کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں
کا ایک دوسرا پیالہ تھا جو اس نے دھواں نکلتے ہوئے مرغی کے شوربے سے بھر
تھا۔ راشیل دوبارہ اپنی نشست پر آگئی۔ تھوڑی دیر تک وہ شوربے
ب پیالے سے دوسرے پیالے میں ڈال کر ٹھنڈا کرتی رہی۔ پھر عامر کو اٹھا کر اس
مارا شوربہ بھی اُسے پلا دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے عامر کو بستر پر لٹا کر اس کا منہ
کے اندر کر کے چاروں طرف سے لحاف کو اندر کی طرف دبا دیا
شاید ایسا اس نے اس نظریے سے کیا تھا کہ عامر کو پسینہ آجائے۔ پھر وہ دوبارہ

لگا۔ راشیل نے پیالہ اس کے ہونٹوں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ میری طرف کیا دیکھ رہے
ہیں۔ پیالہ پکڑیے اور جلدی جلدی پی جائیے۔

عامر نے چپ چاپ پیالہ تھا ما اور دودھ پی گیا۔ راشیل نے پھر کہا۔ اب
لیٹ جائیے اور میری بات سنیں۔ عامر نے لیٹتے ہوئے کہا۔ کہو، آپ ماموں۔
کل یہاں سے رفاہی پلاصرار کیوں کر رہے تھے۔ عامر خاموش رہا اور کوئی جواب نہ دیا
تھا وہ ان جانی اور گری سوچوں میں کھو گیا ہو۔ راشیل نے پھر پوچھا۔ آپ خاموش
جواب کیوں نہیں دیا۔ عامر نے فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ راشیل! راشیہ
جب سے میں نے دمشق کی طرف جانے کے لیے اپنا مسکن چھوڑ رکھا ہے۔ میرا دل پرکا
نہیں ہے۔ ہر لمحہ یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے مجھ سے کوئی چیز چھین لی جا رہی ہو۔ میں
نہیں سمجھ سکا کہ میری ایسی حالت کیوں ہے۔ لگتا ہے قدرت کے کارکن کسی ایسی
کے درپے ہوں جس پر مہر حیات و موت کا ستون ہو۔ اس کے علاوہ اس سفر
دوران میں دوا ایسے خواب دیکھ چکا ہوں جنہوں نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ میں نفیہ
اور سعد کی طرف سے فکر مند ہوں اور وقت ضائع کیے بغیر میں واپس پہنچنا چاہتا
راشیل نے پھر پھر پکھری اور پریشان آواز میں پوچھا سفر کے دوران آ
نے کیسے اور کیا خواب دیکھے۔ عامر چند ثانیوں تک چپ رہنے کے بعد بولا۔
خواب میں نے اس رات دیکھا جب میں نے اپنے چچا کے ہاں قیام کیا تھا۔
نے دیکھا۔ کچھ پرندے ہیں۔ برف اور دودھ کی طرح سفید رنگ کے۔ ایک
کوہستانی علاقے میں وہ پرندے ایک چٹان کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ناگاہ ان
تیروں کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ تیر کدھر سے آ رہے ہیں انہیں کون برساتا۔
اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ وہ پرندے اس چٹان سے اُڑ کر دوسری چٹان کی طرف
ہیں اور کچھ ان تیروں سے زخمی ہو کر زمین پر گر جاتے ہیں۔ جب وہ دوسری
پر جا کر بیٹھتے ہیں تو ان پر پھر تیر برستے ہیں اور کئی زخمی ہو کر گر جاتے ہیں۔ اس ط
وہ پرندے تیروں کی بارش سے بچنے کی خاطر ایک چٹان سے دوسری چٹان کی ط

عامر نے ان کپڑوں کو الٹ پلٹ کر غور سے دیکھتے ہوئے کہا - یہ کپڑے میرے
ن، یہ تم کہاں سے اٹھا لائی ہو۔ راشیل نے کہا - آپ کی غیر حاضری میں یہ کپڑے میں اور
نے آپ کے لیے خریدے ہیں۔ ایسے دو جوڑے کپڑے اور دو ہی کبل خریدے ہیں
ن کا ایک جوڑا اور کبل میں آپ کے گھوڑے کی خرچ میں ڈال آئی ہوں اور دوسرا
کے لیے لے آئی ہوں۔ اب آپ کپڑے بدل کر نماز پڑھ لیں۔ ماموں بھی جاگ چکے
اور نماز کے لیے وضو کر رہے ہیں۔ میں اتنی دیر تک کھانا تیار کر کے سفر کی تیاری کرتی
ن۔ راشیل باہر نکل گئی۔ عامر نے لحاف سے نکل کر کپڑے تبدیل کیے۔ کبل اور ڈھ کر
مرے سے نکلا اور وضو کر کے کمرے میں کچھی ہوئی چٹائی پر فجر کی نماز ادا کر رہا تھا۔
نماز کے بعد عامر نے چٹائی پلٹ کر ایک طرف رکھی اور جب وہ پٹنگ کی
نا آ کر فرش پر پڑا ہوا اپنے پسینے میں بھبھکا لباس اٹھانے لگا تو راشیل اندر آئی اور
اگے بڑھ کر عامر کے وہ گیلے کپڑے اٹھاتے ہوئے کہا - آپ رہنے دیں میں انہیں
دکھوڑے کی زین سے باندھ دیتی ہوں۔ راتے میں خشک ہو جائیں گے۔ آپ
یہ تباہیے میں آپ کے لیے کھانا لاؤں۔

عامر نے نئے آونی کبل کی بیکل درست کرتے ہوئے کہا - میں تو نہیں کھاؤں
ن۔ راشیل نے تشویش سے پوچھا - کیوں نہیں کھائیں گے؟ عامر نے مسکرتے ہوئے
رات کو تم نے جو دودھا اور مرغی کا شور بہ پلایا تھا۔ ابھی تک وہ ہی نیچے نہیں
اکسی اور چیز کے کھانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تم جلدی جلدی تیار ہو جاؤ
ریہاں سے کوچ کریں۔

راشیل نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا - آپ تھوڑی دیر لحاف میں
ن کر بیٹھیں، باہر ابھی سخت سردی ہے۔ آج دھند بھی بہت ہو رہی ہے۔
ن نے اس خیال سے دونوں گھوڑوں پر زینیں ڈال دی ہیں کہ وہ سمجھ جائیں
انہیں سفر پر روانہ ہونا ہے اس طرح وہ پیٹ بھر کر چارہ کھالیں گے۔ ماموں
ن کے بعد آگ کے پاس بیٹھے اپنے آپ کو گرم کر رہے۔ میں آپ کے یہ کپڑے دھو

لکڑی کی انشی شست پر بیٹھ گئی اور رات آہستہ آہستہ سحر کی طرف رنگتی جا رہی تھی
جب راس اشترہ کی مسجدوں میں اذانیں سنائی دیں تو راشیل نے لحاف
اندرا پنا ہاتھ ڈال کر عامر کے منہ پر اپنا ہاتھ پھیرا اس نے محسوس کیا کہ عامر پسینہ پسینہ
رہا تھا۔ اتنے میں عامر نے اسے کہا - راشیل! راشیل! مجھے کافی دیر ہوئی پسینہ آیا
ہے۔ اب میرے اوپر سے ایک لحاف اتار دو۔ راشیل نے چونکتے ہوئے پوچھا آپ
رہے ہیں۔ عامر نے ہنس کر کہا - میں سویا ہی کب تھا۔ میں تو پسینہ لینے کی خاطر
پڑا رہا اور رضائی کے اندر لمبے لمبے سانس لیتا رہا تاکہ جلدی پسینہ آجائے۔ راشیل
راشیل! میرا بخار ٹوٹ چکا ہے۔ اب میں اپنی طبیعت ہلکی محسوس کرتا ہوں تم آجا
لحاف اوپر سے اتار دو۔

راشیل اٹھی بڑی آہستگی سے اس نے اوپر کا لحاف اتار لیا تاکہ عامر کو
لگے۔ لحاف ایک طرف اٹھتے ہوئے راشیل نے کہا - آپ کے بعد ماموں نے مجھے
پڑھنے کا طریقہ سکھا دیا ہے۔ فجر کی اذانیں ہو گئی ہیں۔ میں نماز پڑھ لوں پھر آتی ہوں
راشیل کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

نماز پڑھنے کے بعد راشیل دوبارہ جب کمرے میں آئی تو اس نے دیکھا
مبہری پر بیٹھا ہوا تھا اور لحاف کو اس نے اپنے ارد گرد لپیٹ رکھا تھا۔ راشیل
دیکھتے ہی اس نے کہا - سنو راشیل! میرے کپڑے پسینے میں بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ
گھوڑے کی خرچ میں میرے دوسرے کپڑے ہیں وہ مجھے لاؤ۔ میں اب ٹھیک ہوں
لباس بدل کر فجر کی نماز پڑھوں گا اور سنا اپنی تیاری بھی کر لو۔ نماز کے بعد ہم یہاں
کوچ کر جائیں گے۔ راشیل باہر نکل گئی۔ جب وہ دوبارہ آئی تو اس کے ہاتھ
ایک چٹائی کندھے پر نئے سٹے ہوئے گرم کپڑے تھے۔ اور دوسرے ہاتھ میں ایک
آونی کبل تھا۔ چٹائی اس نے فرش پر پھیلا دی۔ کپڑے اور کبل اس نے عامر کے سٹے
ہوئے کہا - یہ کپڑے پہن کر اوپر یہ آونی کبل اور ڈھ لیں اور وضو کر کے یہیں اس
پر نماز پڑھ لیں۔

تاج محلہ ہر کامر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ راشیل بھی رکاب میں پاؤں جما کر گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ دونوں حویلی سے باہر آئے۔ آسا دروازے تک ان کے ساتھ آیا۔ وہ برابر ان دونوں کو دعائیں دے رہا تھا۔ عامر اور راشیل نے حویلی سے نکل کر آسا پر الوداعی نگاہ ڈالی اور پھر انہوں نے اپنے گھوڑوں کو ہمیز لگا کر ہانک دیا تھا۔

○

سہ پہر کے وقت جب عامر اور راشیل وادی جبلہ کے کوہستانی سلسلے کے اندر غرب کی طرف اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے کسی نے ان دونوں کا نام لے کر انہیں پکارا اور رُک جانے کو کہا۔ عامر نے اپنے بائیں طرف جیب دیکھا تو پہاڑ کے دُپریک بہت بڑی چٹان کی اوٹ میں دو آدمی کھڑے انہیں ہاتھ کے اشارے سے رُک جانے کو کہہ رہے تھے۔ ان کی سیدھ میں آکر عامر اور راشیل نے اپنے گھوڑے دک دیے اور جب وہ نیچے اتر کر آئے تو عامر نے دیکھا وہ عیس اوراریہ تھے۔ عامر ان دونوں کو خستہ حالت میں وہاں دیکھ کر فکر مند اور خوفزدہ ہو گیا تھا۔

جب وہ نزدیک آئے تو عامر ان کے پہلے بول کر کچھ کہنے کا انتظار نہ کر سکا اوراریہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ماں! ماں! تم یہاں کیسے؟ ماریہ نے دُتی ہوئی آواز میں کہا۔ میرے بیٹے! میرے بچے! ہم تباہ ہو گئے۔ ہمارے پاس کچھ ہیں رہا۔ عامر نے غمزدہ آواز میں کہا۔ کھل کر کہو ماں! میرا ذہن پہلے ہی منتشر اور لگندہ ہے۔ کھل کر کہو کیا ہوا۔

ماریہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے جنہاں اس نے پوچھتے ہوئے کہا۔ میرے بیٹے! تمہارے جانے کے دوسرے ہی روز طیوس نے ہم پر حملہ کر دیا اس نے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا۔ جس میں قلعہ حزم کے علاوہ معرۃ النعمان اور انارب کے لشکر شامل تھے۔ انہوں نے ہمارے درے کو اس طرح پار کر لیا کہ لشکر کو انہوں نے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ درے میں داخل ہوتے وقت دھالوں کی اوٹ لپھانے کے دونوں جانب اُپر چڑھنا شروع ہو گیا اور لشکر کا دوسرا حصہ اپنے پہلے

کر اور اپنی تیاری کر کے آپ کو اطلاع کرتی ہوں۔ اتنی دیر تک دھوپ چڑھ گئی گی جس سے سردی بھی کم ہو جائے گی اور رات بھر کی پھیلی ہوئی دھند بھی چھٹ جائے گی۔ راشیل کمرے سے باہر نکل گئی۔ عامر لحاف میں گھس کر بیٹھ گیا تھا۔

کافی دیر لحاف میں بیٹھ کر عامر راشیل کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے کمرے کی کھڑکی میں سے دیکھا۔ دھند اب کم ہو کر رہ گئی تھی اور دھوپ کی رنگت گہری ہوتی جا رہی تھی۔ درختوں کے پتوں سے اوس کے قطرے زمین پر گر کر ختم ہوتے جا رہے تھے۔ رات بھر کے سردی اور سرد ہواؤں کے مارے طیور اب مکان کی دیواروں اور منڈیروں پر رزق کی تلاش میں منڈلاتے نظر آتے لگے تھے۔ اتنے میں راشیل کمرے میں آئی اور عامر سے کہا۔ آئیے چلیں۔

عامر نے لحاف اُتار پھینکا اور وہ اپنے چمڑے کے موزے اور جوتے پہنے لگا تھا۔ اتنی دیر تک راشیل نے لحاف تہ کر کے رکھ دیا۔ پھر وہ عامر کی زمرہ، گوارا اور خنجر کی چمڑے کی پیٹی اور اس کا خود لے آئی۔ عامر نے اپنا جنگی لباس پہنا اور اس پر گرم اونی کبل اور دھکروہ راشیل کے ساتھ باہر آیا۔ اصبیل میں بوڑھا آسان دُولا کے گھوڑوں کے پاس کھڑا تھا۔ عامر اپنے گھوڑے کے پاس آیا اور زین کا جائزہ لیا۔ زین کے دائیں طرف اس کی ڈھال اور جنگی کلہاڑا لٹک رہا تھا۔ بائیں طرف اس کا بستر پانی کی چھاگل، ایک کند، کمان اور تیروں سے بھرا ترکش تھا۔ اس نے خرخین میں ہاتھ ڈال کر دیکھا اس میں گرم کپڑوں کے علاوہ کھانے کا سامان بھی پایا۔

اب عامر نے راشیل کے گھوڑے کی طرف دیکھا۔ اس کی زین سے عامر کے وہ کپڑے لٹک رہے تھے جو راشیل نے دھوئے تھے۔ عامر نے آسا کے سامنے آ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ اب ہمیں اجازت دیں۔ اللہ پاک نے نذرا دی تو کمی پھر آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔ آسانے ہاتھ ملانے کی بجائے عامر کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ خدا تم دونوں کو بحفاظت اپنی منزل پر پہنچائے۔

جتنے کی اوٹ میں درے کو پار کر کے کھلے میدان میں آجمع ہوا تھا۔ نقیب سعد اور بسیط نے بڑی جوانمردی سے اپنے لشکر کے ساتھ دفاعی جنگ کی لیکن دشمن کے سامنے آہستہ آہستہ وہ دبتے چلے گئے۔ جو لشکر دشمن کا پہاڑوں کے اوپر چڑھا تھا اس نے ہمارے ان جوانوں کو تیرتیر کر دیا جو منجیقین چلانے پر مامور تھے۔

دشمن کا دوسرا لشکر جو کھلے میدان میں آجمع ہوا تھا اس سے نقیب اور سعد نے کافی دیر تک جنگ کی اور کھلے میدان میں انہیں روکے رکھا۔ آہستہ آہستہ بسیط کے لوگ سمجھ گئے کہ دشمن کو روکنا اب مشکل ہو گیا ہے۔ لہذا لوگ اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ زیادہ لوگوں نے جنوب مشرق کا رخ کیا کیونکہ اس طرف مسلمانوں کی کافی قلعہ نامہ بستیاں ہیں لیکن دشمن نے ان بھاگنے والوں کا بھی تعاقب کیا۔ جو ان کے سامنے آیا اسے انہوں نے تیرتیر کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ ایک قیامت تھی ایک حشر تھا جو مسلمانوں پر طیوس کے ہاتھوں برپا ہو گیا تھا۔

اے میرے بیٹے! کاش تم یہاں ہوتے اور اس طوفان کا زور دیکھتے۔ مسلمان عورتوں اور بوڑھے مردوں کی بے بسی اور دشمن کے مظالم اتر دیکھتے۔ عامر کے چہرے پر مرنی چھا گئی تھی۔ ماریہ جب رکی تو اس نے پوچھا۔ کوئی بچا بھی ہے۔ ماریہ نے سسکتے ہوئے کہا۔ نقیب اور سعد دونوں جنگ میں مارے جا چکے ہیں۔ میرے ساتھ مہیمہ اور اسماء بھی بھاگ کر جنوب کی طرف جا رہی تھیں۔ دشمن نے جب ہمارا تعاقب کیا تو مجھ سے بھاگنا گیا۔ میں ایک چٹان کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گئی۔ مہیمہ اور اسماء کو ان وحشیوں نے زندہ پکڑ کر لے جانا چاہا لیکن میری وہ دونوں بیٹیاں جانتی تھیں کہ دشمن کے ہاتھ لگ جانے سے ان کی عزت محفوظ نہ رہے گی۔ لہذا انہوں نے ایک پہاڑ کے اوپر چڑھ کر نیچے پھلانگ لگا کر اپنی جانیں دے دیں۔

عامر کی ہلکیں جھیک گئیں۔ اس نے نہایت بے بسی سے اپنی گردن جھکا دی۔

آشیانہ بنایا تھا وہ بکھر گیا ہے۔ کاش میں دشمن نہ گیا ہوتا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ دشمن سے لڑ کر اپنی جان دے دیتا۔ آہ! میرے مرنے والے بھائیو! میں تم جیسے لوگوں کو کہاں کہاں تلاش کروں گا۔

راشیل بچاری کی گردن بھی زمین کے ہنے کی طرف جھک گئی تھی اور وہ بلند آواز میں ہچکچوں اور سسکیوں میں رو رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک عامر سنبھلا پھر اس نے راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ راشیل! راشیل! میں نے تمہیں جو دو خواب سناے تھے۔ ان کی تعبیر تمہارے سامنے ہے۔ راشیل نے ایک بار روتے ہوئے آنسوؤں سے بھری ہوئی اپنی آنکھوں سے ترجمہ کی حالت میں عامر کی طرف دیکھا پھر دوبارہ سر جھکا کر وہ روئے لگی تھی۔ ماریہ نے پھر کنا شروع کیا۔ ہمارے کچھ لوگ بچ کر جنوب مشرق کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ چلی گئی تھی۔ پھر چانک جیسے میرا ذہن بیلر ہو گیا ہو۔ میرے ذہن نے چٹو کر لگائی جب عامر اعمیس واپس آئے گئے تو ان کا کیا حشر ہوگا۔ میں بھاگنے والے مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر اس راستے کی طرف آگئی جو راس الشمرہ کی طرف سے وادی جلیلہ میں داخل ہوتا ہے۔ میں جانتی تھی تم دونوں اسی راستے سے آؤ گے لہذا میں تمہیں روک کر متنبہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ میرے پاس صرف ایک کبیل تھا اور کھانے کا کوئی سامان نہ تھا۔ میں اسی ایک کبیل میں وہ سامنے والی چٹان کی اوٹ میں پڑی رہتی اور دن رات تم دونوں کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔ میرے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا اور میں پتھروں کی مٹی چاٹ کر گزارہ کرتی رہی۔ دو روز بعد عیسٰی دھر سے گزرا تو میں نے اسے روک لیا۔ اس کے رل جانے سے مجھے کچھ دھارس ہوئی کیوں کہ اس کے پاس کھانے کے سامان کے علاوہ پانی اور سیر بھی تھا۔ لہذا ہم دونوں بہن بھائی ان ہی چٹانوں میں چھپ کر تم دونوں کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔

ماریہ رکی پھر ماریہ میں اس نے کہا۔ میں تو اس انتظار میں تھی کہ تمہارے ساتھ کوئی لشکر بھی ہوگا۔ لیکن تم دونوں تو اکیلے آ رہے ہو۔ کیا اب ہماری قسمت میں در بدر اور قریہ قریہ دھکے کھانے کے سوا کچھ نہیں رہا۔

نہوں نے کہا تھا۔ ہم اس جہاد کی ابتدا قلعہ آثار سے شروع کریں جو نصرانیوں کا مضبوط اور آہنی حصار ہے۔ عامر نے اپنی تلوار کا دستہ مضبوطی سے تھامتے ہوئے ہا۔ میں سلطان کے پاس اکیلا نہیں جاؤں گا۔ میں اس کے پاس اپنی بے بسی اور کمست کے داغ لے کر ہرگز نہ جاؤں گا۔ میں اُس کے پاس ضرور جاؤں گا لیکن کچھ رگڑنے کے بعد۔ مجھے دمشق سے آنے والے رضا کاروں کا انتظار کرنا ہوگا۔

کے بعد میں دشمن کو شب خونوں میں الجھائے رکھوں گا اور ایک روز اُسے لہ سے نکل بھاگنے پر مجبور کر دوں گا۔ ماں! ماں! اپنے رب کے ساتھ یہ راہ ہد ہے۔ تم تینوں گواہ رہنا اس وادی سے میں دشمن کو ذلیل و خوار کر کے نکالوں۔ میرا رب مجھے مایوس نہیں کرے گا۔ وہ مجھے اتنی سکت اور قدرت ضرور دیگا۔ میں اس وادی میں بننے والے مسلمانوں کے خون کا دشمنوں سے انتقام لے سکوں۔

عامر کہتے کہتے رگ گیا۔ پھر چونک کر اس نے کہا۔ ٹھہرو! کوئی آ رہا ہے کی قسم میری حیات منجمد نہیں ہو سکتی اور میرے کان دھوکہ نہیں دے سکتے۔ کوئی آ رہا ہے۔ کیا تم گھوڑوں کی ٹاپیں نہیں سنتے ہو۔ آنے والے مغرب کی نائے آہ ہے ہیں لہذا یہ دوست نہیں ضروریہ دشمن کے آدمی ہیں۔

راشیل، عیس اور ماریہ پریشان ہو گئے تھے۔ اتنی دیر میں دروازہ سامنے پہاڑ کے اوپر چند سوار نمودار ہوئے وہ عامر اور راشیل کو دیکھ چکے تھے تاہم ان اور ماریہ اوٹ میں ہونے کی وجہ سے ان کی نگاہوں میں نہ تھے۔ عامر نے عیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے عم! دشمن ہمارے سامنے کی طرف سے آ رہے ہیں۔ وہ ہم دونوں کو دیکھ چکے ہیں لیکن وہاں سے ان کی نظر تم دونوں میں پڑ سکتی۔ عامر نے ایک دم اپنے گھوڑے کی خرچین میں ہاتھ ڈالا اور اس سے فالتو گرم ادنی کبل اور کھانے کا سامان نکال کر اس نے عیس کی طرف تے ہوئے کہا۔

اے عم! یہ سامان اٹھاؤ اور ماں کے ساتھ اسی چٹان کی اوٹ میں

عامر نے ماریہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ تم فکر نہ کرو ماں! ایک شکر و شوق سے میری مدد کے لیے مجھ قریب آئے گا۔ تم اور عیس دونوں راشیل کے ساتھ اس کے ماموں کے پاس اس اشمہ چلے جاؤ۔ وہاں تم تینوں محفوظ رہو گے۔ راشیل بھی اب اسلام قبول کر چکا ہے۔ وہاں یہ تم دونوں کی دیکھ بھال کرے گی۔ میں ان پہاڑوں کے اندر رہ کر دمشق سے آنے والے اس لشکر کا انتظار کروں گا۔ ماں! ماں! مجھے اُمید ہے میں دشمن کو زیادہ دیر تک دلوں جملہ کے اندر نہ رہنے دوں گا۔

راشیل نے ٹرپ کر عامر کی طرف اور دوتی ہوئی آواز میں اُس نے کہا۔ میں آپ کو ان کو ہتھانوں کے اندر اکیلا نہ رہنے دوں گی۔ ہم سب واپس اس اشمہ چلیں گے۔ وہاں ہم ماموں کے ہاں قیام کریں گے اور اس شاہراہ پر پہرہ دیں گے جو دمشق سے اس اشمہ کی طرف آتی ہے۔

ماریہ نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ راشیل ٹھیک کہتی ہے۔ ہم چاروں اس اشمہ جائیں۔ راشیل کی ماریہ کی طرف دیکھتے ہوئے پھر سسکتی آواز میں کہا۔ ماں! سہری لگنے سے پہلے ہی بڑی طرح بیمار ہو گئے تھے۔ ابھی کچھ شب ہی ان کا بخار اُترا ہے۔ اگر یہاں اکیلے رہتے ہوئے ان پر کوئی مصیبت آئی تو کون ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہوگا۔

عامر سوچوں میں کھو گیا تھا۔ ماریہ نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ہمیں زیادہ یوں سر عام اس راہ پر نہ کھڑا ہونا چاہیے۔ دشمن کے سپاہی اس طرف اکثر چکر لگاتے رہتے ہیں۔ کیونکہ انہیں علم ہے کہ مسلمان ادھر ادھر پہاڑوں کے اندر چھپ گئے ہیں اور وہ انہیں تلاش کر کے ان سے ان کا مال چھیننے کے عادی ہو گئے۔ عامر نے عیس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اے عم! جس ہم پر تم گئے تھے اس کا کیا ہوا۔

عیس نے غمزہ آواز میں کہا۔ حلب کا سلطان میرے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آیا ہماری بے بسی دیکھ کر غصے میں اس کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ میں نے اُسے آپ سے متعلق بتایا تھا۔ اس نے کہا تھا۔ عامر بن نافع سے کہنا اپنے بچے کچھ لشکر کو لیکر ہمارے پاس آجائے۔ ہم عنقریب دشمن کے خلاف جہاد کا اعلان کریں گے۔

بھلینا میں مارا گیا ہوں۔ ایسی صورت میں تم دشمن میرے مکان میں چلے جانا۔
برے نام کے واسطے سے تمہاری عزت و احترام کریں گے اور دشمن کی طرف
آنے والے دستوں کو بھی واپس کر دینا۔

عمیس نے کچھ سوچا پھر اس نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں دشمن
آنے والے لشکر کو راتِ اشترہ میں ضرور روکوں گا۔ ہو سکتا ہے قدرت ان نے
والوں کی مدد سے ہی ہماری بہتری اور فلاح کا سامان کر دے۔ مجھے اپنے
ب سے بہتری کی امید ہے۔ وہ انشاء اللہ وادیِ جبلہ میں دشمن کے سامنے
ہیں ذلیل و خوار کر کے نہ مارے گا۔ عمیس نے ماریہ سے کہا۔ آؤ بہن! پہلے کی
ج اس چٹان کی اوٹ میں ہو جائیں کہ اسی میں ہماری سلامتی، خیر اور نجات
ہے۔ عمیس اور ماریہ فوراً واپس مڑے اور بھاگ کر اس بڑی سیاہ اور غار
طرح اندر کودی ہوئی چٹان کے پیچھے ہو گئے تھے۔

عامر کے چہرے پر اب سکون پھیل گیا تھا۔ اب اس نے مغرب کی
ف سے آنے والے سواروں کو دیکھا۔ وہ تعداد میں سات تھے۔ عامر وہیں کھڑے
کران کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ نزدیک آئے تو ان میں سے ایک نے عامر
خاطب کر کے سخت لہجے میں پوچھا۔ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو اور کدھر جاؤ
ہے۔ کہیں تمہارا تعلق ان مسلمانوں سے تو نہیں جو ہمارے ہاتھوں شکست کھا کر اس
دی کے اندر ادھر ادھر چھپ گئے ہیں۔ عامر نے پُر سکون لہجے میں کہا۔ تم نے
اب ساتھ کئی سوال پوچھ لیے ہیں۔ میں تمہیں ایک ساتھ کس کس کا جواب دوں۔
اس نے اس بار عامر سے نزدیک ہو کر سخت لہجے میں پوچھا۔ تم کون
ہو اور یہ لڑکی تمہاری کیا ہے۔ عامر نے بھی سخت الفاظ میں کہا۔ میں انسان ہوں
اور اس لڑکی کا محافظ ہوں۔ اس نصرانی نے اس بار غور سے عامر کی طرف دیکھتے
ہوئے پوچھا۔ مسلمان ہو؟ عامر نے بلا توقف کہہ دیا۔ ہاں مسلمان ہوں۔ نصرانی
نے دلچسپی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ تمہارے پاس کچھ ہے۔ میرا

ہو جاؤ۔ تم دونوں یہاں سے سیدھے راسِ اشترہ میں راشیل کے ماموں کے ہاں چلے
جاؤ۔ اس کا نام آسا ہے اور وہ شہر کے مشرقی حصے میں محلہ سوق الحدید میں رہتا
ہے۔ اب تم دونوں یہ سامان اٹھا کر پیچھے ہٹ جاؤ اور اسی چٹان کی اوٹ میں
ہو جاؤ۔ عمیس غم! تمہارا گھوڑا اگر کہیں سامنے ہو تو اسے بھی اوٹ میں جا کر کر
عمیس نے لڑتی آواز میں کہا۔ میں تم دونوں کو دشمن کے سامنے نہ ہانچ
کر چٹان کے پیچھے نہیں چھپوں گا۔ اگر اس وادی میں قدرت ہماری موت لکھ
چکی ہے تو میں چھپ چھپ کر تنہا مرنے پر تم لوگوں کے ساتھ مرنے کو تیار
ہوں گا۔

عامر نے اس بار مزت کرنے کے انداز میں کہا۔ عمیس! عمیس! فوراً چلے
کی اوٹ میں چلے جاؤ۔ دیکھو دشمن لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتا جا رہا ہے۔ ماریہ نے غم
لہجے میں کہا۔ تم ہمیں بچا کر اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کیوں کرنا چاہتے
اگر تم ہمیں چھپنے کو کہتے ہو تو پھر تم بھی ہمیں سے گھوڑے کو موڈو اور بھاگ
عامر نے دکھ سے کہا۔ میں اکیلا ہوتا تو بھاگ جاتا لیکن میرے ساتھ راشیل ہے
بھاگنے میں میرا ساتھ نہ دے سکے گی۔ اگر یہ دشمن کے ہاتھ لگ گئی تو پھر یہ
بھاگنے کا کیا فائدہ۔

ماریہ نے کہا کچھ بھی ہو جائے ہم تمہیں دشمن کے سامنے چھوڑ کر نہیں
گے۔ عامر نے اس بار اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے کہا۔ سنو! سنو! سنو!
دشمن کی طرف سے جو رضا کار میری مدد کے لیے آئیں گے اگر وہ بھی ادھر آگئے
مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ تم ماں کے ساتھ راسِ اشترہ چلے جاؤ اور
کے ماموں کے ہاں قیام کرو۔ اس طرح تم دشمن سے آنے والے ان رضا کار
کو وہیں روک سکتے ہو۔ میں دشمن کے ہاتھ سے بھل بھاگنے کی کوشش کروں
سنو! سنو! عمیس! دشمن سے آنے والے دستے کم از کم آٹھ دس روز تک
پہنچیں گے۔ اگر اس وقت تک میں تمہارے پاس راسِ اشترہ پہنچ گیا تو

مطلب ہے تمہارے پاس رقم ہے۔

بلکہ کہے کہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لہذا ہم اس کے ہاتھ باندھ کر لے آگے۔

راشیل نے اس بار سخت لہجے میں کہا۔ ان کے ہاتھ نہیں بندھیں گے۔ لوگوں نے زیادتی کی تو میں یوراکہ سے تمہاری شکایت کروں گی۔ پھر جو تمہارا ہوگا اس کا اندازہ تم خود لگا لو۔ اس جوان نے ہار مانتے ہوئے کہا۔ اچھا اپنے سے کہیں اپنی تلوار نیام میں کر لے۔ راشیل نے پھر کہا۔ پہلے تم سب اپنی نیام میں کر دو پھر یہ بھی کریں گے۔

ان سب نے تلواریں نیام میں کر لیں۔ عامر نے بھی اپنی تلوار نیام میں کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے عامر اور راشیل کو اپنے گھر سے میں لے کر مغرب کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ وہی راستہ تھا جو اس اٹھارہ سے اسفیروہ بستی کی جاتا تھا۔ کوہستان کے اوپر اور سیاہ چٹان کے پیچھے عمیس اور مارہر عامر اور لکڑیوں کے گھر سے میں مغرب کی طرف جاتے ہوئے اضطراب، تفکر اور دیکھ رہے تھے۔



عامر نے کھولتی ہوئی آوازیں کہا۔ نقدی کے علاوہ بھی میرے پاس کچھ ہے۔ اس نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا کیا؟ عامر نے ایک دم اپنی تلوار کھینچ کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ یہ — وہ بدک کر پیچھے ہٹ گیا اور اس ساتھیوں کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔ اسے گھیر لو۔ دیکھتے ہیں یہ ہم سے کیسے کیونکر زندہ بچ سکتا ہے۔

راشیل کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ وہ ساتوں عامر پر حملہ آور ہونے سے اپنے گھوڑوں کو روک کر دھڑکے تھے۔ عامر نے اپنی تلوار اور ڈھال ہتھ لی تھی اور وہ اپنی گھری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔ اس کی ماں اس عتاب جیسی تھی جس پر بھوک کی گھسیں حملہ آور ہونے لگی ہوں۔ عامر نے اپنی تلوار لہرا کر اسی جوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم صرف سات ہو اگر تم اتنے جوان اور لے آؤ تو بھی میں تم سے اپنی شکست تسلیم نہ کروں گا۔ یاد رکھو تم میں سے ایک نے بھی مجھ پر حملہ کیا تو میں تم ساتوں کی قبریں اسی وادی بنا کر اپنی منزل کی طرف بڑھ جاؤں گا۔

دفعۃً راشیل حرکت میں آئی اور عامر کو گھیرنے والوں کو مخاطب کر کے کہا۔ کیا تم میں سے کوئی یوراکہ کو جانتا ہے۔ اسی پہلے جوان نے کہا۔ وہ ہمارے سالار اعلیٰ ہیں اور ہم سب انہیں جانتے ہیں۔ اس وقت ہمارا جو لشکر وادی جبلہ میں ہے اس کے سالار بھی وہی ہیں لیکن تم انہیں کیسے جانتی ہو۔ راشیل اب پُر سکون ہو کر کہا۔ میرا نام راشیل ہے۔ اور میں طبیبوں کے چھوٹے یوراکہ کی منیٹر ہوں۔ ہم اس اٹھارہ سے آ رہے تھے کہ راہ بھول گئے۔ وہاں مامول ہے۔ یہ جوان جس پر تم حملہ آور ہونے لگے ہو میرا محافظ اور محسن ہے۔ تم یوراکہ کے پاس لے چلو۔ اس نصرائی نے خوفزدہ آوازیں کہا لیکن ہماری ایک شرط ہے۔ آپ کا محافظ سخت تند خو اور تیز مزاج ہے۔ یہ کسی بھی بات پر برہم ہو

ن خیمے سے باہر نکلا۔ وہ یوراکہ تھا۔ طیطوس کا چھوٹا بھائی، راشیل کا منسوب
 لڑکا سالار۔ وہ بھاگ کر آگے بڑھا اور راشیل کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے
 نے پوچھا۔ تم کہاں چلی گئی تھیں۔ میں نے کئی بار اپنا آدمی بھیج کر تمہارے باپ
 کا نام کیا۔ کچھ عرصہ تو وہ ہمیں یہ کہہ کر مالتا رہا کہ ابھی راشیل شادی پر رضامند
 حالت میں اس نے اڑھائی برس گزار دیئے پھر اس نے صاف کہہ دیا کہ راشیل
 بغیر ہی کہیں چلی گئی ہے۔ کہاں رہی ہو تم۔

راشیل نے مصنوعی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ میرا باپ سے جھگڑا ہو
 ایسے میں ماموں کے پاس راس اشمہ چلی گئی تھی۔ یوراکہ نے راشیل کا ہاتھ اپنے
 ہتے ہوئے کہا۔ اگر تمہارا باپ سے جھگڑا ہو گیا تھا تو تم سیدھی میرے پاس حاتم
 نا۔ ہم دونوں شادی کر لیتے۔ راس اشمہ تو مسلمانوں کا شہر ہے۔ تمہیں
 تے خوف نہیں لگتا۔ راشیل نے نہایت آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑاتے
 میں راس اشمہ اکثر گئی ہوں۔ مجھے آج تک کسی نے کچھ نہیں کہا۔

راشیل سے ہٹ کر یوراکہ نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے راشیل سے
 ہے بتایا گیا ہے کہ یہ تمہارا محافظ اور مسلمان ہے۔ راشیل کے جواب دینے
 ہی یوراکہ نے پھر تیوریاں چڑھاتے ہوئے کہا۔ کیا پوری عیسائی دنیا میں تمہیں
 کوئی محافظ، گنہگار اور پاسان نہ ملا تھا۔ ایک عیسائی اور مسلمان کا تم دونوں
 دمج عجیب اور اچنبھا لگا۔ کیا تم دیکھتی نہیں کہ ہم تو مسلمانوں کی بربادی
 پے ہیں اور تم انہیں اپنا محافظ بنا رہی ہو۔

عامر خاموش کھڑا یوراکہ کی باتیں سنتا رہا۔ اس نے ایسی چپ سادھ لی
 اس کے منہ میں زبان نہ ہو یا اس کی سماعت کام ہی نہ کرتی ہو۔

یوراکہ مجھے ہٹا اور دوبارہ اس نے راشیل کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ آؤ میرے
 راشیل نے اس بار خود پیار سے یوراکہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
 غلط بھی میرے ساتھ رہے گا۔ یوراکہ نے خفگی میں کہا لیکن کیوں راشیل نے



سپاہیوں کے حصار میں عامر اور راشیل جب اسفیرہ کے باہر کھلے می
 میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا میدان میں جہاں تک نگاہِ رام کہتی تھی خیمے نصب
 وہ جدھر جدھر سے گزرے تھے مسلمان بستیاں اجڑی اور ویران پڑی تھیں۔
 کے آسمان پر بھی چلیں منڈلا رہی تھیں اورستی سے باہر خوشخوار جنگلی گٹھے آپر
 لڑ رہے تھے۔ بستیوں میں قتل عام کی وجہ سے نقص پھیل جانے کے باعث
 یوراکہ نے اپنے لشکر کے ساتھ کھلے میدان میں خیموں کے اندر قیام کیا تھا۔
 سورج جب غروب ہو رہا تھا تو عامر اور راشیل ان خیموں کے ش
 داخل ہوئے۔ تین سپاہی ان کے آگے اور چار پیچھے تھے۔ سرخ چوڑے کے با
 بڑے خیمے کے سامنے سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کو روک لیا۔ عامر اور راشیل
 بھی اپنے گھوڑوں کی بالیں کھینچ لیں۔ ایک سپاہی اپنے گھوڑے کو چھوڑ کر سرخ
 کے اس خیمے میں داخل ہو گیا تھا۔ سورج اب غروب ہو گیا تھا۔ فضاؤں میں
 کی چادر کھڑ گئی تھی اور خیموں کے اس شہر میں شمعیں اور شعلیں روشن ہوئی
 خیموں سے نکل کر کچھ اور سپاہی بھی عامر اور راشیل کو دیکھنے لگے تھے۔ خیمے کے
 پہرہ دینے والے بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔
 اتنی دیر میں اس سپاہی کے ساتھ لمبے قد، کڑیل جسم اور خوفناک چہرہ

یوراکہ کا ہاتھ ہلکے سے دباتے ہوئے کہا۔ یہ اس وقت تک میرے ساتھ رہے جو میری آپ سے شادی نہیں ہو جاتی۔ یوراکہ اس بار مسکراتے ہوئے بولا۔ شاد میں ابھی تم سے کہہ لیتا ہوں اور تمہارے اس محافظ کو فاسخ کر کے رخصت کر رہا ہوں۔ ایک اور رکاوٹ کھڑی کرتے ہوئے کہا۔ میں یہاں جنگل میں نہ کروں گی۔ یہ شادی انطاکیہ میں ہوگی۔ ہاں ایک اور صورت ہے اگر آپ ماں باپ کو یہاں بلا لیں تو میں یہیں آپ سے شادی کر لوں گی۔ یوراکہ نے بد دبا دبا سا تہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ میں آج اور ابھی کسی کو انطاکیہ بھیجتا ہوں تمہارے ماں باپ کو لے آئے گا اور ان کی موجودگی میں ہماری شادی ہو جائے گی اور خیمے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ راشیل نے پھر عامر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میرا محافظ کہاں رہے گا۔ میں جانتی ہوں آپ اسے اہمیت نہیں دے لیکن یہ انکشاف آپ کے لیے تعجب خیز ہو گا کہ اس نے کسی بار میری عہد جان کی حفاظت کی ہے۔

یوراکہ نے تھوڑی دیر تک کچھ سوچا پھر اس نے کوئی فیصلہ کرتے کہا۔ جب تک میری اور تمہاری شادی نہیں ہو جاتی میرے خیمے کے دائیں طرف ہے وہ تمہارا ہو گا اور اس سے بھی جو دائیں جانب ہے وہ تمہارے محافظ خیمے کی طرف بڑھتے بڑھتے یوراکہ تک گیا اور خیمے کے سامنے پہرہ میں سے دو کو کھانا لانے کے لیے کہا۔ ساتھ ہی اس نے مڑ کر عامر سے کہا۔ خیمے میں چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں ضرورت کی ہر چیز ملے گی۔ عامر اس خیمے کی گنجائش کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ اپنے گھوڑے کو اس نے خیمے کی جانب سے دیا اور خود خیمے کے اندر چلا گیا۔ خیمے میں پلنگ، گدے، درشتیں، حریری پر ضرورت کا ہر سامان تھا۔ لگتا تھا یوراکہ نے مسلمان بستیوں کے گھروں سے سامان کر اپنے خیموں میں سجالیا ہو۔ عامر سنہری پر بیٹھ گیا اور گری سوچوں میں گھوٹا لگتا تھا وہاں سے اپنی اور راشیل کی رہائی کے متعلق سوچنے لگا ہو۔

راشیل جب یوراکہ کے ساتھ سرخ چڑے کے خیمے میں داخل ہوئی تو اس کا خیمہ ایسا ہی تکلفات سے آراستہ تھا جیسے وہ خیمہ نہیں کسی شاہی قصر کی کوئی خراب گاہ ہو۔ اندر انگریز پر رے، ریشمی چوغے اور اطلسی قبائیں لٹک رہی تھیں۔ یوراکہ پلنگ کے سامنے ایک گدے، درشت پر بیٹھ گیا اور راشیل کا ہاتھ اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ راشیل ظاہری طور پر ٹھیک نظر آتی تھی لیکن یوراکہ کی صحبت ملتی طور پر اس کا بدن خستہ، طبیعت برہم اور اس کی روح پر جان کنی کا عالم ناہور ہوا تھا۔ یوراکہ کی مجہول اور عظیم گفتگو اور حرکات اسے سراب اور وہموں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔

یوراکہ نے پھر اپنا بازو راشیل کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔ میں باہر سپاہیوں کی ہونٹوں میں کھل کر تم سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے تمہاری یہ بات مان لی ہے اور شادی مجھ سے تمہارے ماں باپ کے آنے پر ہوگی۔ اس دوران تمہاری ت نہایت اہم اور معزز مہمان کی ہوگی اور تم ساتھ والے خیمے میں رہو گی جہاں ہر آسائش کا خیال رکھا جائے گا لیکن تم بھی میری ایک بات مانو۔ اپنے اس لڑکھائے کو واپس بھیج دو۔ اسے کہہ دو جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جائے۔ میرے بچے جو اہل کو جب یہ خبر ہوگی کہ میری ہونے والی بیوی کا محافظ ایک مسلمان لشکر میں میری سخت خفت اور رسوائی ہوگی اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ہندو اسے یہاں قتل کر دے۔ اگر تم یہ سب کچھ برداشت کر سکتی ہو تو اسے یہاں دو مجھے کوئی اعتراض اور گرفت نہیں ہے۔

راشیل ہجاری عامر کی طرف سے نکر مند ہو گئی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر یہاں سے چلا گیا تو وہ یوراکہ کے جہنم سے کبھی نہ نکل سکے گی اور عامر سے پھر کی ساری امیدیں ختم ہو جائیں گی۔ تاہم وہ عامر کی سلامتی کو ہر چیز پر مقدم کر کوئی اہم فیصلہ کر چکی تھی پھر اس نے اپنے شہنشاہ اور سوتیلی بہن پر اور جان لیوا مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ مجھے آپ کی عزت اور وقار دنیا

کی ہر شے پر مقدم ہے۔ میں اسے کہہ دوں گی کہ وہ واپس چلا جائے۔ اب مجھے ا کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ میں اپنی منزل پر پہنچ گئی ہوں۔

یورا کہہ کے چہرے پر طمانیت پھیل گئی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کھانا یورا کہنے میں مسکرا کر کہا۔ کھانا آ گیا ہے۔ تمہارے محافظ کی طرف بھی کھانا چلا گیا۔ اب تم کھانا کھاؤ اور اپنے محافظ سے جا کر کہہ دو کہ وہ صبح اندھیرے منہ یہاں سے ہو جائے تاکہ میرے کسی لشکر کی نگاہ اس پر نہ پڑے میں اپنے ایک سالار کو بلا کہتا ہوں کہ اس کی روانگی کا انتظام کر دے۔ کھانا لانے والے کھانے کے برتن رکھ جب واپس جانے لگے تو یورا کہنے ان میں سے ایک کو روکتے ہوئے کہا۔ میرے دستے کے سالار سے کہو کہ وہ کھانے کے بعد میرے دائیں طرف والے خیمے میں جو راشیل لیے مخصوص کیا گیا ہے میرا انتظار کرے میں اسے راشیل کے محافظ کی روانگی سے ہدایات دوں گا۔ وہ محافظ باہر نکل گئے۔ یورا کہ اور راشیل دونوں کھانا کھانے لگے جب محافظ خالی برتن اٹھا کر لے گئے تو یورا کہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر بیٹھو راشیل! میں ابھی آتا ہوں اس کے بعد تم اپنے خیمے میں جا کر آ کرنا۔ راشیل فکر مند ہو گئی تھی۔ اس کے ذہن پر تفکرات هجوم کر آئے تھے کہ ذہن کے نہاں خانوں اور دل کی گہرائیوں میں ایک ہی سوال ابھر رہا تھا۔ عامر کی روانگی سے متعلق کیا اور کیسے احکام دینا چاہتا ہے۔ باہر اب تاریکی چھا اور رات کے دوش پر سرد و بریلی ہواؤں کے جھکڑ چل پڑے تھے۔ یورا کہ جب خیمے سے نکل کر ساتھ والے خیمے میں چلا گیا تو راشیل بھی باہر نکلے اور پھر بیادوں کی بجائی ہوئی وہ اس خیمے کے پردے کی ادٹ میں جا کر کھڑی ہو گئی جس کے اندر یورا اتنے میں اس کے کانوں سے کسی کی آواز نہ گرائی۔

آپ نے مجھے بلایا ہے۔ جواب میں یورا کہ کی آواز سنائی دی۔ ہاں میں ایک ضروری اور اہم کام سے بلایا ہے۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ ہے میری جانچو اپنے ماموں کے ہاں اس اشرہ چلی گئی تھی میرے پاس آگئی ہے اور اس وقت

میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ایک محافظ بھی ہے۔ میرے لیے تکلیف دہ بات یہ کہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان بھی وہ کوئی ایسا ویسا نہیں لگتا۔ میں اس سے مل چکا۔ گواں نے میری کسی بھی تلخ اور کڑوی بات کا جواب نہیں دیا لیکن میں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں سمندر کا تلاطم اور چہرے پر کسی کو ہمتان کا سکون تھا۔ مجھے وہ ہاڑی کی اترائی سا گہرا اور سواد دشت جیسا بھیانک لگا ہے۔ راشیل کو مجھ سے ناگوار آمادہ ہے لیکن اس کی ایسی عزت افزائی کرتی ہے جو مجھے ناگوار اور ناپسندیدہ ہے۔ پردے کے پیچھے کھڑی راشیل بڑی فکر مندی سے یہ گفتگو سن رہی تھی۔

جب رگتاو دوسری آواز نے پوچھا۔ آپ چاہتے کیا ہیں۔ یورا کہ کی آواز پھر آئی مں کا خاتمہ چاہتا ہوں۔ دوسرے نے جواب دیا۔ وہ اس وقت کہاں ہے یہیں اکام تمام کر دیتے ہیں یہ کوئی اہم واقعہ نہ ہوگا۔ یورا کہ نے برہم ہو کر کہا تم بھی ہو اگر اسے نہیں ختم کرنا ہوتا تو ابھی تک میں اسے ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔ راشیل اس بات تو ایک طرف اس سے ناروا سلوک بھی پسند نہ کرے گی۔ تم میری بات غور سے سو۔ میں نے راشیل کو آمادہ کر لیا ہے وہ اسے کہہ دے گی کہ وہ یہاں سے چلا جائے اندھیرے منہ وہ یہاں سے روانہ ہوگا۔ تم اپنے کچھ آدمی اس کے پیچھے لگا دو اس سے پانچ میل آگے جا کر اسے قتل کر دیں۔ اس طرح اس کا خاتمہ بھی ہو جائیگا۔ نیل کی ناراضگی اور خفگی کا بھی ہمیں سامنا نہ کرنا پڑے گا۔

دوسرے نے پھر کہا اس کے پیچھے دو آدمی کافی ہوں گے۔ یورا کہ نے کہا۔ دو نہیں۔ کم از کم پانچ آدمی اس کے پیچھے لگانا۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا رہا تھا کہ وہ انتہائی خوفناک، زہریلا، خطرناک اور فتنہ خیز انسان لگتا ہے۔ میں نے تمہارے گفتگو کے دوران گو وہ خاموش تھا لیکن اس کی آنکھوں کی پتلیاں زہر دار تیر رہی تھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو یہاں سے لوٹنے کے بعد وہ مسلمانوں سے مل کر ہمارے خطرات کھڑے کر دے۔

راشیل چونکہ گفتگو کا اصل مقصد پاگئی تھی۔ لہذا اس نے اس سے آگے سننا پسند

راشیل نے تھیلی اٹھا کر عامر کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔
 اس تھیلی کی پوری رقم تم رکھو۔ آدھی معاوضے کے طور پر اور آدھی
 دے ہونے والے شوہر یوراکہ کی طرف سے انعام کے طور پر۔ یوراکہ کو گو پوری
 بل جانے کا دکھ ہوا تھا لیکن راشیل نے اس کے لیے جو الفاظ استعمال کیے تھے وہ اس کے
 خوب خوش کن ثابت ہوئے تھے اور وہ تھیلی کی تلخی کو بھول کر راشیل کے الفاظ کی
 اطاعت اور سرور میں کھو گیا تھا۔

عامر نے تھیلی ختم لی۔ راشیل اور یوراکہ باہر نکل آئے۔ یوراکہ اب خوش تھا
 بلکہ وہ اپنے سارے کام میں پوری طرح کامیاب جا رہا تھا۔ عامر کے پاس سے نکل کر
 نیل اپنے خیمے میں چلی گئی اور یوراکہ اپنے خیمے میں گھس گیا تھا۔

راشیل نے دیکھا وہ خیمہ بھی اپنی وضع قطع اور سجاوٹ میں ایسا ہی تھا جیسا
 کہ وہ جوتے اتار کر بستر میں گھس گئی اور لحاف اوپر اڑھ کر وہ سونے کی بجائے
 گئی تھی۔ رات گزرتی رہی۔ باہر سرد ہوا میں سائیں سائیں کرتی رہیں کبھی کبھی
 وہ حال ہتی اسفیرہ کی طرف سے گیدڑوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دے جاتی
 ہیں۔ ہوا کا کوئی تیز و سرکش جھونکا خیمے کے پردوں میں پھڑپھڑا ہٹ پیدا کر دیتا
 تھا۔ اس کے علاوہ ہر طرف سکوت تھا۔ راشیل وہیں بیٹھ کر انتظار کرتی رہی حتیٰ کہ
 آدھی کے قریب گزر گئی۔ راشیل لحاف سے نکل کر باہر آئی۔ اس نے پاؤں میں
 تپتے نہ پہنے تھے کہ مبادا ان کی چاپ سے کوئی مستعد ہو جائے۔ اس نے خیمے سے باہر
 لڑکھایا۔ یوراکہ کے محافظ خیمے سے باہر آگ کا لاؤ روشن کیے بیٹھے تھے۔ ان
 اعداد چار تھی۔ راشیل بچوں کے بل چلتی ہوئی عامر کے خیمے کے پاس آئی اور پردہ
 ٹاکنڈر داخل ہو گئی۔ اس نے دیکھا خیمے میں گری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ شاید
 رات مشعل بجھا دی تھی۔

راشیل ابھی دو قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ اسے عامر کی آواز سنائی دی۔ آ
 آ جاؤ بے خوف ہو کر آ جاؤ۔ راشیل آگے بڑھی اور عامر کے سامنے دوسری

دیکھا اور وہ دبے پاؤں چلتی ہوئی پھر یوراکہ کے خیمے میں آگئی۔ وہ پہلے کی طرح مطمئن
 ہو کر اس گدے دار نشست پر بیٹھ کر یوراکہ کا انتظار کرنے لگی تھی۔ کوئی زیادہ دیر
 گزری بھی کہ یوراکہ خیمے میں داخل ہوا۔ راشیل اپنی نشست سے اٹھتی ہوئی بولی
 آگئے؛ اتنی دیر کر دی آپ نے۔ میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے اب فینڈا کر
 ہے۔ یہ ساتھ والا خیمہ جو میرے لیے مخصوص کیا گیا ہے اس میں کوئی ہے تو نہیں۔

یوراکہ نے کہا۔ وہ خالی ہے۔ آؤ میں تمہیں تمہارے خیمے میں چھوڑ آتا ہوں
 اب تم آرام کرو۔ پر تم اپنے محافظ کو یہ نہ بتاؤ گی کہ وہ صبح یہاں سے کوچ کر جائے
 راشیل نے بے پروائی سے کہا۔ آپ اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں صبح سویر
 اسے کہہ دیں گے کہ وہ یہاں سے اب چلا جائے۔ اس کی مزید کوئی ضرورت نہیں
 ہم اس کے ذیل اور محتاج تو نہیں ہیں کہ اس سے جا کر التماس کریں کہ وہ صبح
 سے کوچ کر جائے۔ بہر حال اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسے اطلاع دینا چاہیے تو آ
 میرے ساتھ ہیں آپ کے سامنے اسے کہہ دیجیے ہوں۔

دونوں عامر کے خیمے میں آئے۔ وہ پلنگ پر خاموش بیٹھا ان جانی سوز
 میں کھویا ہوا تھا۔ یوراکہ اور راشیل کو دیکھتے ہی وہ کھڑا ہو گیا۔ راشیل نے بڑے
 تمہید کے کہا۔ اب مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں رہی۔ تم صبح سو
 یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ میں اب اپنی منزل پر پہنچ گئی ہوں۔ میں تمہاری شکر
 ہوں تم نے میری خدمت کی۔ صبح سویرے تمہیں اس خدمت کے صلے کی قرب
 جائے گی۔

یوراکہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ صبح کیوں۔ اس کا معاوضہ
 ملنا چاہیے۔ میں اس کا مشکور ہوں کہ اس نے تمہاری جان اور عصمت کی حفاظت
 کی۔ یوراکہ اپنی کمر سے بندھی ہوئی نقدی کی تھیلی کھولنے لگا۔ اسی دوران راشیل
 آنکھ دبا کر عامر کو خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔ یوراکہ نے تھیلی کھول کر راشیل
 ہوئے کہا۔ یہ تھیلی طلائی سکہوں سے بھری ہوئی ہے۔ جس قدر تم اسے دینا چاہتی

نکت پر بیٹھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔ آپ جاگ رہے ہیں۔ عامر نے اپنے جسم پر لعان درست کرتے ہوئے کہا۔ اس قدر دشمنوں کے درمیان مجھے غینہ کیوں کر آسکتی ہے اور پھر شام کے وقت تمہارا مجھے رخصت کرنا اور یوراکہ کا تھیلی دینے کے علاوہ تمہاری انکو کا وہ اشارہ مجھے بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔

راشیل نے مدھم سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ آہستہ بولے اور میری بات سنلیے کل جب آپ یہاں سے روانہ ہوں گے تو یوراکہ آپ کے پیچھے پانچ آدمی لگائے گا۔ جو یہاں سے پانچ میل باہر نکل کر آپ پر حملہ آور ہوں گے۔ یوراکہ آپ کو ختم کرانا چاہتا ہے آپ محتاط رہئے۔ یہاں سے بچنے کے ساتھ ہی اپنا گھوڑا ایسا سرپٹ دوڑائیے کہ وہ آپ کی گرد کو بھی نہ پاسکیں۔

عامر نے بھی سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ کیا میرے لیے یہ بات باعث شرم نہیں کہ میں تمہیں یہاں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ میں جب بھی گیا تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ تے اپنی آواز میں زور اور دباؤ پیدا کرتے ہوئے کہا۔ آپ جذباتی نہ بنیں۔ میں یہاں محفوظ اگر آپ نہ بھی گئے تو بھی یوراکہ آپ کو کسی نہ کسی بہانے ختم کرنے کی کوشش کرے گا اور پھر یہاں سے جانے کے بعد آپ میری رہائی کے لیے بھی تگ و دو کر سکتے ہیں اور پھر دمشق سے آپ کی مدد کے لیے جوش کرانے والا ہے اگر آپ نہ گئے تو اس کی آہ بے کار ہو جائے گی۔ اگر آپ چلے جائیں تو آپ اپنے والے اس لشکر سے بھی بہت کام سکتے ہیں۔ میں بھی کسی نہ کسی طریقے سے یوراکہ کی گرفت سے بھاگنے کی کوشش کر دو اگر نہ بھاگ سکی تو آپ کا انتظار کروں گی۔

راشیل جب رکی تو عامر نے کہا۔ راشیل! راشیل! میں تمہارا شکور ہوں تم نے مجھے یہ اطلاعات دے کر میری جان بچائی ہے۔ راشیل نے جذبات میں مغلو رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ خدا کے لیے مجھے یہ احساس نہ دلایے کہ میں نے آپ پر کو احسان کیا ہے۔ کیا یہ سب میرے فرائض میں شامل نہیں ہے۔ ماموں، ماں! عمیس عم کو اطمینان دلایے کہ راشیل ایک روز ضرور ان کے پاس آئے گی۔

عامر نے فکر مند آواز میں کہا لیکن میں تمہارے ماموں کو کیا جواب دوں گا۔ میں نے روتی اور بھرتی آواز میں کہا۔ میرے ماموں سے کہیے کہ راشیل ایک روز اُسے پاس آئے گی اور اگر نہ آسکی تو یہ سمجھ کر صبر اور شکر کر لیں کہ راشیل نے اپنے ہب کی سربلندی اور مسلم قوم کی بہتری اور بھلائی کی خاطر اپنی جان اور جسم کی قربانی دی ہے۔ عامر نے پھر بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ لیکن راشیل! راشیل نے عامر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اب میں اس موضوع پر کچھ نہ دل گی۔ اگر آپ نے یہاں سے چلے جانے سے انکار کر دیا تو کل دن کے وقت میں کو اپنے خیمے میں مردہ پائیں گے۔ آپ کا یہاں سے چلے جانا آپ ہی کی بہتری ن بلکہ وہ مسلمان جو یہاں سے بھاگ گئے ہیں ان کی بھلائی اور فلاح کی امیدیں وابستہ ہیں۔ آپ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ وہ میرے لیے بھی کوئی سبب یا کردے گا۔ عامر راشیل سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ راشیل اٹھی اور خیمے سے باہر لگتی تھی۔



عامر ساری رات اپنے خیمے کے اندر جاگتا رہا۔ صبح جب اندھیرا چھٹ گیا اور درج طلوع ہونے کے قریب تھا۔ تو یوراکہ کے ایک سالار نے عامر کے خیمے میں داخل تے ہوئے کہا۔ اچھا ہوا تم جاگ رہے ہو۔ تمہارا گھوڑا باہر تیار کھڑا ہے۔ رات نام نے اس کے چارے کا خوب بند و بست کر دیا تھا۔ اب تم روانہ ہو جاؤ۔ درج طلوع ہونے سے قبل ہی ان خیموں سے نکل جاؤ۔ عامر اٹھ کر باہر آیا۔ اس نے لہان خیمے سے باہر اس کا گھوڑا کھڑا تھا۔ گھوڑے کی زین سے اس کے سارے ہتھیار دبتر بندھا ہوا تھا۔ عامر نے اس سالار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کیا روانگی سے قبل میں آپ کے سالار اعلیٰ کا شکریہ ادا کر سکوں گا کہ انہوں نے میری عمدہ جہان نوازی کا انتظام کیا۔ اس سالار نے سختی سے کہا۔ اس وقت تم کسی سے بلال سکتے۔ میں کسی کو جگا کر اس کے غضب کا نشانہ نہیں بننا چاہتا۔ عامر نے

ت میں تمہاری موت کا منظر دیکھیں گے۔

ایک دم عامر نے حملے کی ابتدا کی اس نے اپنی تلوار کو بائیں ہاتھ میں لیا۔ ہاتھ سے اس نے اپنا جنگی کلمہ اٹھا دیا۔ اس کو ہوا کے اندر اس نے خوب تیزی سے لگایا پھر تاک کر ان پر مارا۔ تیز منہ کا بھاری کلمہ اٹان میں سے ایک کی پسلیوں میں لگا گیا تھا اور وہ اپنے گھوڑے سے گر کر خون میں لت پت زمین پر لوٹنے لگا تھا۔ بی دم بخود ہو کر اپنے گھوڑے سے گرنے والے ساتھی کی طرف متوجہ تھے کہ عامر نے گھوڑے کو سخت ایڑ لگائی اور اپنی تلوار ڈھال سونت کر وہ وجد انگیز لہر، صوفیہ لوفانی جھونکے اور بے اماں شعلے کی طرح ان پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

اپنے پہلے حملے میں ہی اس نے ان میں سے دو اور کی گود میں اڑا دی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ فوراً پزیرا ہل کر اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ آخری دونوں فوجی وحشت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ عامر نے ذہن اور نفس پر خوف دی کہ دینے والی آواز میں کہا۔ میں نے تمہیں کہا نہ تھا میرا سہ چھوڑ دو ورنہ ان لاخول کو تمہاری موت کی نوید دوں گا۔ سنو! اب تم بھاگنا بھی چاہو تو میں تمہیں بھاگنے دلاں گا کہ میں تم دونوں میں سے ایک اور کو ابھی قتل کر دوں گا۔ ہاں دونوں میں سے ایک کو زندہ رکھوں گا تاکہ وہ اپنے چار ساتھیوں کی لاشیں لے جا کر یوہاکہ کو دکھائے اسے بتائے کہ دھوکے اور فریب کا انجام ایسا ہوتا ہے۔ اگر تم میں مہبت ہے اگے بڑھ کر مجھ پر حملہ کرو۔ ورنہ میں تم پر ہستے لگا۔ وہ دونوں اپنی جگہ پر دم نہ دھکڑے تھے اور ان میں اتنی سکت نہ رہی تھی کہ عامر پر آگے بڑھ کر حملہ کریں۔ ان کی بات کا کوئی جواب ہی دیں۔

عامر پھر مزید مرگ مفاعبات بن کر ان پر حملہ آور ہوا۔ اب صرف دو دشمنوں کے سامنے اس کے حملوں میں ایک نادر لغزش مستانہ اور نرالہ سوز سپاہیانہ تھا۔ چند لمحوں کی کشمکش کے بعد عامر نے ان میں سے ایک اور کو ختم کر دیا۔ آخری سپاہی شانے پر زخم آ جانے سے بری طرح خون آلود تھا اپنے آپ تنہا پا کر کپکپانے لگا تھا

لاشیل کے خیمے کی طرف جب دزدیدہ نگاہ ڈالی تو اس نے دیکھا کہ اپنے خیمے کے اندر پردے کے پیچھے راشیل اُداس اور افسردہ کھڑی عامر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

عامر نے آگے بڑھ کر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑی پھر اس نے ایک زہریلی لگائی اور رکاب میں پاؤں رکھے بغیر وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ خیموں کے اندر وہ گھوڑے کو آہستہ آہستہ چلاتا رہا۔ خیموں سے نکل کر اس نے اپنے گھوڑے کو ہمیز لگا اس کی رفتار تیز کر دی تھی لیکن اس نے اپنے گھوڑے کو ایسا سرپٹ نہ دوڑایا تھا کہ طرح لاشیل نے اسے شورہ دیا تھا کہ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر بھاگ جانا۔

پانچ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد عامر نے دیکھا پانچ گھوڑے سوار پر پوری طرح مستعد اور مسلح تھے اس کی راہ روکے کھڑے تھے۔ ان کے قریب آ کر عامر نے جان پوچھ کر پوچھا۔ تم لوگ کون ہو اور کیوں میری راہ روکی ہے۔ ان میں ایک نے کہا کیا تم ہمارے چہروں پر پھیلی اپنی موت کو دیکھ چکے کے باوجود پوچھتے ہو کہ ہم کون ہیں۔ یہ کوہستانی سلسلہ ہی تمہاری آخری آرام گاہ ہو گا۔ تمہیں اس الشمرہ پہنچانے کا نہ ہو گا۔

عامر نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالتے ہوئے کہا۔ اگر میرے خدانے میری زندگی کے دن بچا رکھے ہیں تو تمہارا یوراکہ اپنے پورے لشکر کے ساتھ بھی مجھے راز الشمرہ پہنچنے سے روک نہیں سکتا۔ پیچھے ہٹ جاؤ مجھے راستہ دے دو۔ ورنہ جاؤ رکھو کہ ان دیوالا خول اور اس آتشیں اجڑ میں تمہاری ہر سٹی پیہم، تمہارے تجسس، ہر فریب اور تمہاری تعزیر کے ہر جنون کو میں اپنے انتقام کے جلتے تنور میں خاک کر کے چلا جاؤں گا۔ سوچو مت۔ اب بھی وقت ہے میرے راستے کی رکاوٹ بن کر موت کھڑے ہو نہیں تو تمہاری حالت میں اس پر آگندہ گلشن اور اُسڑے ہوئے اُل خیاں ہلا گل جیسی کردوں گا جس کا کوئی باغبان اور رکھوالا نہ ہو۔

ان میں سے ایک نے پھر کراہت آمیز آواز میں کہا۔ تمہارے اس طرح کے اور خوفزدہ کرنے سے ہم تمہاری موت کو تم سے ٹال تو نہ دیں گے۔ یہ کوہستان آج ہر

عامر نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ اگر تم اپنی تلوار پھینک دو اور لڑائی سے ہاتھ کھینچ لو تو میں تجھے قتل نہ کروں گا۔ اس نے فوراً اپنی تلوار پھینک دی اور منت کرتے ہوئے کہا۔ مجھے معاف کر دو۔ میں نے تم سے ٹکرا کر غلطی کی۔ معاف کر دو مجھے۔ عامر نے کہا۔ نیچے اتر دو اور اپنے مرنے والے ساتھیوں کو ان کے گھوڑے پر رکھ کر ان لباس کو زین سے کس کر باندھ دو تاکہ یہ نیچے نہ گریں۔

وہ فوراً نیچے اتر گیا اور اپنے ساتھیوں کو اٹھا اٹھا کر ان کے گھوڑوں کے باندھ لگا۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہوا تو عامر نے پھر کہا۔ اب اپنے گھوڑے پر بیٹھو اور اپنے ان مرنے والے ساتھیوں کو واپس لے جا کر یوراکہ سے کہنا تم نے بد عہدی دھوکہ کیا ہے۔ عنقریب وہ وقت آئے گا تو میرے سامنے بے بس و مجبور کھڑا بالکل اسی طرح جیسے ایک منصف کے سامنے ایک مجرم کھڑا ہوتا ہے اور روز میں اسے اس کی بد عہدی اور دھوکے کی کڑی سزا دوں گا۔ اب تم جاؤ اور گھوڑوں کو ہانک لے جاؤ۔ وہ فوراً حرکت میں آیا اور گھوڑوں کو اپنے آگے آگے لے گیا۔

عامر نیچے اتر آیا۔ اپنا خون آلود کھانا اگھاس سے پونچھ کر وہ دوبارہ گھوڑے سوار ہوا اور اسے ایک سخت ایڑ لگا کر اس نے اس اشمرہ جاننے والے راستے پر چھوڑ دیا تھا۔ جب وہ اس جگہ آیا جہاں سیاہ چٹان کی اوٹ میں وہ عمیس اور ماریہ کو پھنک کر گیا تھا، تو اس نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ پھر اس نے گھوڑے کو موڑا اور اسے پہاڑ کے اوپر چڑھانے لگا۔ جب وہ گھوڑے کو اوپر پہاڑ لگاتا ہوا اس سیاہ چٹان کے پاس آیا تو اس نے دیکھا وہاں کچھ نہ تھا۔ تاہم وہاں انسانی مجتوں کے نشان نظر دیکھے جاسکتے تھے۔

گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے عامر نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ کے گرد باندھ لیے اور سے پکارا۔ عمیس! عمیس! کہاں ہو؟ اگر تم یہاں ہو تو باہر آ جاؤ۔ میں عامر بن نافع ہوں اور اس اشمرہ کی طرف جا رہا ہوں۔ عامر نے کئی بار عمیس کو پکارا۔ جب

سے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے اپنے گھوڑے کو کوہستان سے نیچے اترنا اور دوبارہ وہ سے ممیز لگا کر اس اشمرہ کی طرف بھگارا تھا۔



سورج خوب چرٹھ آیا تھا۔ یوراکہ اپنے چند سالاروں کے ساتھ اپنے خیمے سے باہر دھوپ میں کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ راشیل اپنے خیمے کے اندر پردے کی اوٹ میں ہو کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کر رہی تھی۔ اتنے میں وہی سپاہی جسے عامر نے زخمی رکے چھوڑ دیا تھا۔ اپنے آگے آگے ان گھوڑوں کو بھگاتا ہوا وہاں آگیا جن پر ان کے ساتھیوں کی لاشیں بندھی تھیں۔ راشیل پھر غور سے ان کی طرف دیکھنے اور انہیں سننے لگی تھی۔

یوراکہ کا ایک سالار تڑپ کر آگے بڑھا اور زخمی سپاہی سے پوچھا۔ کیا تم نے اسے قتل کر دیا۔ سپاہی نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔ آپ نے اس کی قوت کا غلط اندازہ لگایا گیا تھا۔ سورہم ہا مجھ سے کہیں زیادہ خوفناک اور خوفناک تھا۔ وہ طوفان اور زندگی ناکر ہم پر حملہ آور ہوا اس نے میرے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور مجھے اس شرط پر چھوڑا کہ میں اس کا پیغام اپنے سالار اعلیٰ یوراکہ کو پہنچاؤں۔ اس خبر پر راشیل کے ہونٹوں پر غم کی تپیلوں جیسی دلفریب دہر سکون مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ وہ پرسکون تھی مگر فرج مشروب کی طرح مطمئن تھی جبل پر مخو خواب کسی معصوم اور بھولے بھالے واسطے کی طرح۔

یوراکہ نے غضبناک ہو کر اس زخمی سپاہی سے پوچھا۔ اس نے میرے نام کیا نام دیا تھا۔ زخمی سپاہی نے کانپتے کانپتے کہا۔ اس نے کہا تھا اپنے سالار یوراکہ سے کہ تم نے میرے ساتھ دھوکہ اور بد عہدی کی ہے۔ عنقریب وہ وقت آئے گا کہ تو میرے سامنے بے بس اور مجبور کھڑا ہوگا۔ بالکل یوں جیسے ایک منصف کے سامنے ایک مجرم کھڑا ہوتا ہے اور اس روز میں تمہیں اس بد عہدی اور دھوکے کی کڑی سزا ملے گی۔ راشیل نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ ایسا وقت

انشاء اللہ عنقریب اور ضرور آئے گا۔

یوراکہ نے زمین پر تھوکتے ہوئے کہا۔ ایسا بڑا اور منحوس وقت کبھی نہ آئے گا۔ پھر وہ اپنے ایک سالار پر برس پڑا۔ میں نے تمہیں کہا نہ تھا کہ وہ کوئی معمولی انسان نہیں ہے میں نے اس کی آنکھوں میں طوفان اس کی پیشانی کی سلوٹوں میں آندھیاں اور اس کے چہرے کے ہر سون نقوش کے پس منظر میں زہریلے اور خوفناک اروے دیکھے تھے اب انہیں لے جا کر دفن کر دو اور اپنی ناکامی اور بزدلی کا ماتم کرو۔ وہ سالار زخمی سپاہی کے ساتھ مرنے والوں کو لے کر جمیوں کے اندر ردپوش ہو گیا۔ یوراکہ غصے اور قہر میں پاؤں پٹختے ہوئے اپنے حیمے میں چلا گیا۔

راشیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی اس نے کسی نغمہ زن مغنی کو طرح گنگنائی آواز میں کہا۔ عامر! عامر! میری جان! میری روح کے مالک! خدا ہر میدان میں تمہیں فتح مند اور کامیاب کرے گا۔ حیمے کے دروازے سے راشیل پیچھے ہٹ گئی پھر وہ بستر پر لیٹ کر خوشگوار یادوں میں کھو گئی تھی۔ ایسی یادیں جن کا تعلق عامر سے تھا۔



شام سے پہلے ہی عامر راشیل کے ماموں آسا کے دروازے پر دستک دے تھا۔ تھوڑی دیر پر جب دروازہ کھلا تو آسا سامنے کھڑا تھا۔ عامر کو دیکھتے ہی اس نے دعا کے انداز میں کہا۔ خدا کا شکر ہے تم آگئے ہو۔ عامر نے بتیابی سے پوچھا کیا یہاں یا راشیل کے واسطے سے کوئی اور بھی آیا ہے۔ آسانے مسکراتے ہوئے کہا۔ اب آسا گھر میں اکیلا اور تنہا نہیں۔ یہاں اب میرا ایک بھائی اور ایک بہن بھی ہے۔ بھائی نام عمیس اور بہن کا نام ماریہ ہے۔ سنو تو جہاں دو بھائی ایک بہن ہوگی وہاں خوشی سکون اور اتفاق ہوگا۔

عامر اپنا گھوڑا لے کر اندر آیا اور آسا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ کا فراخ دل اور وسیع القلب ہیں۔ آسا دروازہ بند کرنے لگا۔ عامر سیدھا صطبل میں گیا

وہ اپنا گھوڑا باندھ کر باہر آیا تو اس نے دیکھا صحن کے وسط میں آسا کے ساتھ عمیس ماریہ بھی کھڑے تھے۔

ماریہ نے فکر مند آواز میں پوچھا۔ عامر! عامر! میرے بیٹے! راشیل کہاں ہے؟ نے ان کے قریب آکر آفس لہجے میں کہا۔ ماں! راشیل نے مجھے دشمن کے لشکر سے بچ گیا ہے۔ یہاں پہنچنے میں مدد دی ہے۔ اب میں اسے یوراکہ کے چنگل سے رہائی دلاؤں گا۔ تم لوگ مند نہ ہونا وہ بالکل ٹھیک ہے اور یوراکہ اس کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ میں تم دونوں غلط فکروں سے بچاؤں گا۔ اب تم یہاں پہنچ چکے ہو تو میں پھر سکون ہو کر اپنے کام میں لگ جاؤں گا۔ میں اب دن رات اس الشمرہ سے باہر ان کو ہتھکڑیوں پر بیٹھ کر پہرہ دیا کروں گا جس پاس سے دشمن سے آنے والی شاہراہ گزرتی ہے مجھے دشمن سے آنے والے لشکر کا بتیابی سے انتظار ہے۔ اس کے آتے ہی میں یوراکہ کے خلاف ایسا حرکت میں آؤں گا کہ وہ دونوں بھائی اپنی ساری سرگوشیوں اور سازشوں کو بھول جائیں گے۔

ماں! تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہو تو مجھے دے دو۔ میں نے کل رات کا کھانا ہوا ہے۔ اس کے بعد میں اس الشمرہ سے باہر جاتا ہوں۔ میں اب دن رات رہ کر شکر کا انتظار کروں گا۔ تم لوگوں کو تکلیف ضرور ہوگی لیکن عمیس کے ہاتھ شام میرا کھانا دین بھیج دیا کرنا۔

عمیس نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں دن بھر تمہارے ساتھ رہ کر اس کام میں تمہاری مدد کروں گا اور صبح و شام یہاں سے آکر لے جایا کروں گا۔ آسانے عمیس کی تائید کرتے ہوئے کہا تھا۔ عامر! عامر! عمیس سا کہتا ہے۔ تم دونوں وہاں باری باری جاگ کر پہرہ تو دیتے رہو گے۔ اس طرح دونوں کو آسانی رہے گی۔ میں گو بڑھا اور ضعیف ہوں لیکن اگر تم کہو تو میں تم دونوں کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔

عامر نے احسانمندی سے آسا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا یہی بہت بڑا جہاد ہے کہ آپ نے ہمیں یہاں پناہ دے

رکھی ہے۔ عمیس نے عامر کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہوئے کہا۔ آؤ پھر کھانا کھائیں اور یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ حویلی کے اندر جا کر چاروں نے کھانا کھایا اس کے بعد عامر اور عمیس اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے گئے تھے۔

○

عامر اور عمیس ہر روز اس اشمہ سے باہر نکل کر دمشق سے آنے والے لشکر، انتظار کرتے۔ عامر اکثر رات اس کو تہان کے اوپر بیٹھ کر پہرہ دیتا رہتا تھا جس کے پاس سے دمشق سے آنے والی شاہراہ گزرتی تھی۔ پانچویں روز جب کہ فضا دل میں ابھی اندھیرا ہی تھا اور سحر ہونے میں ابھی تھوڑی دیر باقی تھی۔ عمیس فجر کی نماز کے بعد ایک پتھر پر بیٹھ کر دمشق سے آنے والی شاہراہ پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ ام کے قریب ہی عامر فجر کی نماز ادا کر رہا تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر عامر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ لگتا تھا بارش یا برف باری شروع ہوتی ہو۔ فضاؤں میں ہلکی ہلکی دھند بھی جھائی ہوئی تھی۔ مہربان تھی اس کے باوجود وہ کا خوب نور تھا لیکن وہ دونوں موسم کی سختی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

عامر تھوڑی دیر تک بادلوں سے گھرے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا رہا فضا میں بالکل خاموش تھیں۔ رات بھر سردی کے مارے طیور رزق کی تلاش میں فضا کے اندر تیرتے ہوئے اپنی نامعلوم اور انجانی منزلوں کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ عمیس کبھی کبھی اپنا رخ بدل کر عامر کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ تھوڑی دیر تک خالی خالی نگاہ سے آسمان کی طرف دیکھنے کے بعد عامر نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے پھر وہ بڑے خشوع و خضوع اور عاجزی و مسکینت کے ساتھ اپنے رب کے حضور گڑ گڑا کر مانگ رہا تھا۔

یا اہلہ! میں تیرا کمترین اور خاکسار بندہ ہوں۔ تو مجھ کو مجیب ہے دشمن نے میرے پاؤں میں جو استبداد کی زنجیریں اور گراناں بیڑیاں

ڈال دی ہیں انہیں دور کر۔ میری نیم جانی شکستہ سازی و تحیرانہ آرزو کا خاتمہ کر۔ دشمن دشمن مجھے ناامیدیوں کے شکنجوں میں جکڑ دینا چاہتا ہے۔ میری مدد فرما میرے مولیٰ! میرے نالہ نیم شب اور میری آہ سحر گاہی کو اپنے جذب و قبول میں جگہ دے۔ اے خداوند تیرے سامنے جو میری بدی کا اعمال نامہ ہے اس سے چشم پوشی فرما۔ میرے پریشان لمحوں کے فروغ کو دیکھ اور مجھے استطاعت دے کہ دشمن کے رشک و حسد، کینہ و بغض اور رقابت کے جذبات دھو کر اپنی قوم اپنی ملت کے افتاد و عقائد اور حسین نقش و نگار کو سنوار سکوں۔ اس سے آگے عامر کی آواز ڈوب گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان بہہ نکلا تھا اس کا جسم مرتعش تھا اور زبان ساتھ نہ دے رہی تھی۔

عمیس نے دیکھا۔ عامر کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں نوؤں کی تیز دھاریں بہہ رہی تھیں۔ عمیس بچارہ پھیل کر رہ گیا۔ عامر کی حالت دیکھ کر آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے اور اس کے ہاتھ بے ساختہ دعا کے لیے اٹھ گئے۔ اتنے میں عامر کی آواز پھر بلند ہوئی۔ وہ جھپکیوں اور سرسکیوں میں کہہ رہا تھا۔

اے اللہ! تو حافظ و حامی خدا کے پاک ہے۔ تو صاحب ملک و منصب ہے تو تکوین کا مبداء و سرچشمہ اور صانع تخلیق ہے اے مبدی و عاری میں تیری بارگاہِ عفو میں اتنا س گناہوں، کہ تیرے سامنے فرماندہ و ذلت اور فرماندہ زار ہوں۔ مجھے اغیار کے نرغے سے نکال۔ میرے پاس ندائے مہجور اور سرمایہ ندامت کے سوا کچھ نہیں ہے تو کلمہ کے فخر معجز کلام اور مدینہ کے دلبر سدرہ مقام کے طفیل مجھے جذب کے اس امتحان میں کامیاب کر تو سرپوش اور میزبان ہے۔ مجھے دشمن کی مضحکہ خیزی اور جہل آمیزی

سے بچا۔ تو اپنے مقتضیات دوران کو بدل و میری تقدیر کو سازگار بنا اور مجھے بہت وسعت دے کہ میں تیرا عاجز بندہ بن کر تیرے چاہنے والوں سے ذہنی اور نفسی مماثلت ذرکھنے والوں سے کوبہ کو جنگ کر کے تیری راموں کو استوار کر سکوں اپنے مذہب و ملت کی خدمت کر سکوں۔ اے اللہ تو رہبرِ خاص و عام ہے، میری مدد فرما۔

عمیس نے پھر بے بسی کی حالت میں عامر کی طرف دیکھا۔ دعا کے اٹھے ہوئے عامر کے ہاتھ اب نیچے گر گئے تھے اور اپنا سر جھکائے وجد کی حالت میں دو زانو بیٹھا ہوا، ایک دم عمیس کے کان کھڑے ہو گئے۔ دمشق کی طرف سے آنے والی شاہراہ اسے ان گنت گھوڑوں کی تیز اور مسلسل ٹاپوں کی آواز سنائی دی تھی۔ اندھیرا اب چھ چمکا تھا اور چاروں طرف سحر کے آثار پھیل گئے تھے۔ عمیس کھڑا ہو گیا اور جب اس جنوب سے آتی ہوئی شاہراہ پر دیکھا تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ شاہراہ ان گنت گھوڑوں کو اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے اور دھول اڑاتے ہوئے راسِ اشمہ کی طرف آرہے تھے۔

عامر کی طرف دیکھتے ہوئے عمیس نے اپنی پوری آواز سے چلاتے ہوئے عامر! عامر! وہ آگئے۔ وہ آگئے میرے بیٹے! وہ آگئے جن کا میں انتظار تھا۔ نے تمہاری آنسوؤں بھری دعا قبول کر لی۔ عامر! عامر! قدرت ہماری رہنمائی اور کر رہی ہے۔ اٹھو اٹھ کر دیکھو وہ گھوڑ سوار کیسے اپنے گھوڑوں کو بھگاتے دھول اڑاتے دھڑا رہے ہیں۔ اٹھو کہ نیچے اتر کر ان کا راستہ روکیں۔

عامر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور جب اس نے اپنے عامے کے پتوں سے اپنے خشک کرتے ہوئے شاہراہ پر آنے والے لشکر کو دیکھا تو اس کی آنکھیں چمک اُٹیں اور اس نے ایک دم گونج اُٹھنے والی غار کی سی آواز میں کہا۔ اے عم! قدرت ساتھ دے رہی ہے۔ اب تم دیکھتے جانا میں اپنی قوم کی یوراکہ کے ہاتھوں تباہ

الیستیوں کا کیسا انتقام لیتا ہوں۔ آؤ اپنے گھوڑوں پر زینیں ڈالیں اور لشکر کو ہمیں دک دیں۔ دونوں بھاگ کر اس جگہ آئے جہاں ان کے گھوڑے چر رہے تھے۔ ہلدی جلدی انہوں نے اپنے گھوڑوں پر زینیں کس لیں۔

لشکر اب نزدیک آ گیا تھا اور اب وہ کوہستانوں کے اندر ایک چکر کا لہان کے سامنے آنے والا تھا۔ گھوڑے پر زین ڈال چکنے کے بعد عامر نے فوراً اپنے پ کو اپنے جنگی لباس اور تھیاروں سے مسلح بھی کر لیا تھا۔ پھر وہ دونوں اپنے موڑوں پر سوار ہو کر نیچے اترے اور شاہراہ کے وسط میں کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے تھے۔

جب لشکر کو ہستانوں کا چکر کاٹنے کے بعد ان کے سامنے آیا تو عامر نے دیکھا لشکر کے آگے آگے رکن الدین اپنا گھوڑا دوڑاتا آ رہا تھا۔ یہ وہی چھوٹی واڑھی اور پوری آنکھوں والا ترک جوان تھا جو اس سے پہلے بلبلک شہر سے باہر صقلاج کو ختم کرنے میں امر کی مدد کر چکا تھا۔ عامر نے ہاتھ کھڑے کر کے لشکر کو روک جانے کا اشارہ کیا۔

رکن الدین عامر کو پہچان گیا اور اس نے عامر کے سامنے اپنے گھوڑے کو روک کر لشکر کو بھی روک جانے کا اشارہ کر دیا۔ رکن الدین نے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی اور عامر کی طرف بھاگا۔ عامر بھی اپنے گھوڑے سے کود گیا اور اپنے دونوں بازو پھیل کر ہلاک و سہلاک کہتا ہوا وہ بھی رکن الدین کی طرف بھاگا۔ رکن الدین دوڑ کر مر سے بے تکلیف ہوا۔ پھر علیحدہ ہوتے ہوئے اس نے تعجب سے پوچھا۔

یا امیر! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ سے ہماری ملاقات راسِ اشمہ باہو جانے لگی۔ عامر نے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ میں جب امداد طلب کرنے دمشق مال الدین کے پاس گیا تھا تو میری غیر موجودگی میں دشمن نے میرے سارے لشکر کو تباہ کر کے وادیِ جبلہ کی ان گنت بستیوں کو ویران کر دیا۔ اب مجھے اس لشکر کے ساتھ نئے سرے سے اپنے کام کا آغاز کرنا ہو گا۔ رکن الدین نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ یا امیر! رقی بات نہیں اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو گا۔ ہم دشمن کو کچل دیں گے یا اپنے رب

بن کی مجھے اُمید نہ تھی جتنے میسر آگئے ہیں۔ میں انہیں بیکار رہی کے کنارے کنارے مغرب جاؤ۔ میں ابھی اور اسی وقت اپنی مہم پر روانہ ہوں گا۔ عنقریب تم سنوے کی سنہ، جوئی نے اپنی بستیوں کا انتقام لے لیا ہے۔ عمیس نے قریب ہوتے ہوئے کہا۔ میرا گھر پر۔ میں لشکر میں رہ کر آپ کا ساتھ دوں گا اور کچھ نہ کر سکوں گا تو اپنے زنجی جوانوں کی مرہم سامان تو ضرور کروں گا۔

عامر نے عمیس کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ تو پھر تم فوراً گھر جاؤ۔ مار یہ لاکو اطلاع کرو کہ ہم لشکر کو لے کر اس اشمہ سے باہر ہی باہر نکل جائیں گے تاکہ وہ نہ ہوں اور تم اس شاہراہ پر میرا انتظار کرنا جو اس اشمہ سے نکل کر دریائے عاصی کے کنارے کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف جاتی ہے۔

عمیس فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اسے اڑ لگائی اور سرپٹ شہر کی جانب چھوڑ دی۔ دیر تک رکن الدین بھی لشکر سے نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں تہہ کیا ہوا ایک خط تھا۔ نے عامر کو تھمتے ہوئے کہا۔ یہ آپ کے چچا کا خط ہے۔ عامر نے جلدی جلدی کاغذ نکولیں اور اپنے چچا کا خط پڑھنے لگا تھا۔

میرے بیٹے! میرے بچے! میں جانتا ہوں تم مجھ سے متنفر اور بیزار ہو۔ میں اسی قابل ہوں کہ میں تمہیں نفرت اور بدی کے سوا کچھ نہ دے سکا۔ میں دشمنوں اور غیروں کے اندر تیرا پناہ نہ کر رہا۔ آہ یہ کیسی بدقسمتی اور بے حمیتی تھی۔ میرے بیٹے! یہی تمنا اور کلپنا میرے رگ و عصب اور مرے دل و روح پر اندیشہ جاگوں بن کر طاری ہے کہ میں اپنے عزیز بھائی کے فرزند جلیل کے لیے کچھ نہ کر سکا۔ میں محسوس کرتا ہوں تمہارے بغیر میری زندگی میں تنہائی آگئی ہے۔ رات چھا گئی ہے۔ گویہ حالت عارضی اور اضافی ہے پھر بھی اے میرے بیٹے! تمہاری جدائی نے میری زیست پر جھٹکا اور دھند پھیلا دی ہے۔ آہ! کون ہے جو میرا نامہ بر بن کر تمہارے پاس آتا جا رہا ہے۔

کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ اب جب کہ اللہ کی راہ میں جہاد کی غرض سے اپنے گھروں سے نکل چکے ہیں ہم کوئی فیصلہ کیے بغیر نہ لوٹیں گے۔

عامر نے لشکر کے پھیلاؤ پر اطمینان بخش نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔ رکن الدین! رکن الدین! تم کس قدر لشکر اپنے ساتھ لائے ہو۔ رکن الدین نے مڑ کر لشکر کے سواروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یا امیر! میرے ساتھ اڑھائی ہزار سوار ہیں۔ ان میں سے ڈیڑھ ہزار میرے آقا جمال الدین نے دمشق سے اکٹھے کیے ہیں۔ باقی ایک ہزار مجاہد آپ کے چچا عمرو بن کعب نے بنو عبس اور زیان سے جمع کیے ہیں۔ عامر نے تعجب سے پوچھا یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ایک ہزار مجاہد میرے چچا نے بھیجے ہیں۔

اچانک رکن الدین کی نگاہ عمیس پر پڑ گئی۔ وہ فوراً آگے بڑھا اور مودبانہ ہو کر عمیس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ معاف کیجئے میری آپ پر نظر نہ پڑی۔ میں شرمندہ ہوں۔ آپ قابل تعریف ہیں کہ اس عمر میں آپ نے دمشق چھوڑ کر یہ مجاہدانہ زندگی اختیار کی ہے۔ عمیس نے رکن الدین کی پٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ خدا تم سب کا آنا مبارک اور مسعود کرے۔ عمیس سے ہٹ کر رکن الدین نے پھر عامر سے کہا۔

یا امیر! آپ کے چچا وہ پہلے والے نہیں رہے۔ وہ دمشق میں آقا جمال الدین کے پاس گئے تھے انہوں نے آپ کا پوچھا تھا لیکن جب انہیں جمال الدین سے خبر ہوئی کہ آپ واپس جا چکے ہیں تو انہوں نے جمال الدین سے کہا کہ جو اس کے لیے دمشق سے رضا کار روانہ ہوں انہیں کہیں کہ بنو عبس سے ہو کر جائیں۔ کچھ مجاہدیں بھی جمع کروں گا لہذا میں دمشق سے نکل کر بنو عبس میں آیا اور انہوں نے میرے ساتھ ایک ہزار مجاہد کر دیئے۔ ان کا تعلق بنو عبس اور بنو زیان دونوں سے ہے اور یہ امر خوش آئند ہے کہ دونوں قبیلوں میں اب اتحاد و اتفاق اور یک جہتی و یک نگریت ہے۔ اس کے علاوہ بنو عبس کے ایک جوان کے پاس آپ کے نام آپ کے چچا کا ایک خط بھی ہے۔ پھر میں آپ کو لا کر دیتا ہوں۔ رکن الدین مڑا اور لشکر کے اندر گھس گیا۔

عامر نے عمیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ عمیس! عمیس! میرے عم! اتنے

کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرے! تو ایک جیالہ اور جاں نثار مجاہد ہے۔ تو نے مذہب و گھروں سے بکا جھک بٹنے کی خدمت کا جو بیڑہ اٹھایا ہے اس میں میں گنہگار بھی شامل ہوتا ہوں۔ میں ایک ہزار مجاہد روانہ کر رہا ہوں۔ خدا کرے تم ان کی مدد سے اپنا مقصد پورا کر سکو۔ میں عدنان کو بھی تمہارے پاس بھیجتا لیکن تم جانتے ہو اب میں کام کرنے کے قابل نہیں رہا۔ عدنان ہی گھر کے اور گھیتوں کے سارے کام کرتا ہے۔ تم بستی میں اجنبیوں کی طرح آئے اور پردیسی بن کر لوٹ گئے۔ اچھا کیا، خوب، مناسب اور بروقت ٹھوکر لگائی اپنے چچا کے ضمیر پر۔ میں تمہارے ساتھ غلط سلوک کا سزاوار تھا۔ مجھے معاف کر دینا میرے بیٹے!

خط پڑھتے ہوئے عامر کی آنکھیں پھٹک گئی تھیں۔ اس نے خط کو تہہ کیا اپنے آنسو پونچھتے ہوئے سسک سسک کر کہا۔ اے عم! میں نے تمہیں معاف کیا۔ میں نے تمہیں معاف کیا میرے عم! میں تیرے بھائی کا خون اور تو میرے باپ کی نشانی کا کاش میں ایسی حالت میں ہوں کہ تیری خدمت کر سکتا۔ اے میرے عم! تو نے میرے ساتھ شکمے دھو ڈالے ہیں تو نے اپنے اجنبی رویے کی ساری چادروں کو چاک کر دیا ہے۔ تمہیں زندہ اور خوش رکھے۔

عامر خاموش ہو گیا۔ اس کے سامنے رکن الدین سر جھکائے افسردہ اور اداس تھا۔ اچانک عامر اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور رکن الدین سے کہا۔ رکن الدین بڑا اپنے گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔ میں اپنی پہلی ہم کی ابتدا کر رہا ہوں۔ دونوں بھاگ کر اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔ راس اشمرہ۔ نیکل کر عامر نے عیس کو اپنے ساتھ لیا اور پھر وہ دریائے عاصی کے کنارے کنارے اور کوہ حرمون کے متوازی شمال کی طرف بڑھنا چلا گیا تھا۔

شمال کی طرف بڑھتے ہوئے عامر اپنے لشکر کے ساتھ اس جگہ آیا جہاں ندی دریائے عاصی میں گر تھی۔ جب وہ دونوں کے شکم پر پہنچے تو فضا دل میں

نروع ہو گئی تھی۔ یہاں سے عامر بائیں طرف مڑ گیا اور ندی کے کنارے کنارے مغرب کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ زمین اب برف سے سفید ہو گئی تھی۔ عامر نے ندی کو اس چوٹی پر سے پار کیا جو وادی جبلہ سے دس میل نیچے کی طرف تھا۔ سورج غروب ہو جانے کے باعث فضاؤں میں گہری تاریکی چھا گئی تھی۔ تاہم برف باری ابھی تک شروع تھی۔ برف کے طوفان اور تاریکی کی پرواہ کیے بغیر عامر طیطوس کے علاقے میں اندر کی طرف بڑھنا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے نصرانی بستیوں پر حملہ کر کے تباہی مچادی تھی۔ وہ طیطوس کی بستیوں پر یوں برساتا تھا جیسے سنگ و کلاخ کی بارش شروع ہو گئی ہو۔ وہ برق عاظم بن کر حملہ آور ہوا تھا اور بستیوں کی بستیاں اُجاڑ کر اس نے خانہ بخانہ اور در بدر ہر چیز کوٹ لی تھی۔

طوفانی تیرکتا زکرتا ہوا عامر جنوب کی طرف بڑھا۔ اب اس کے ساتھ سامان سے لدے ہوئے آن گزرتا جانور اور اونٹ گھوڑے اور بکریوں کا ایک بہت بڑا ریڈ بھی تھا۔ جنوب کی طرف آنے کے بعد وہ کوہستانوں کے اندر اس جگہ پھپھ کر بیٹھ گیا جہاں سے لکڑی کا پل پار کر کے درے کے ذریعے وادی جبلہ میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ لشکر کو اس نے ایک بلند کوہستان کے پیچھے چھپا کر سستانے کا موقع دیا تھا اور خود بھی برفباری میں ایک پہاڑ کی بلند چوٹی پر بیٹھ کر اس راستے کی نگرانی کرنے لگا تھا جو وادی جبلہ سے نکل کر پل پار کرنے کے بعد قلعہ حارم کی طرف جاتا تھا۔



تین گھڑی رات جا چکی تھی۔ برف باری جاری تھی اور فضا میں گہری خاموشی اور سیاہ تاریکیوں سے بغلیں تھی کہ پانچ سواروں نے عامر کے پاس سے گزرتے ہوئے چوٹی پر کوہبر کیا۔ پہاڑ کی چوٹی پر عقاب کی طرح بیٹھا ہوا عامر انہیں دیکھ چکا تھا۔ پل کو پار کر کے وہ سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے درے سے گزرے اور یورا کے خمیوں کے شہر میں داخل ہوئے۔ ایک سپاہی سے انہوں نے یورا کے خمیے کا پوچھا اور دوبارہ وہ اُنکے بڑھنے لگے تھے۔

نے خود کہا تھا کہ تمہارے ماں باپ آئیں گے تو تم مجھ سے شادی کرو گی۔ اب جب کہ
نہارے ماں باپ آگئے ہیں تو تم انکار کیوں کر رہی ہو۔

راشیل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ میں نے غلط فیصلہ کیا۔ اب مجھے اس
احساس ہو گیا ہے اس لیے انکار کر دیا ہے۔ میرا فیصلہ غلط تھا میں نے اپنے آپ کو
دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی اور میں اس میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

راشیل جب خاموش ہوئی تو یوراکہ نے پھر پوچھا۔ تمہارے انکار سے کیا میں
مطلب لوں کہ تم اپنے اسی محافظ کو پسند کرتی ہو جس کے ساتھ تم یہاں آئی تھی۔ راشیل
نے مختصر سا جواب دیا۔ ایسا ہی سمجھ لو۔ یوراکہ نے قہر مانی سے کہا لیکن وہ تو مسلمان ہے۔
راشیل نے بے باکی اور جرات مندی سے کہا۔ میں بھی مسلمان ہوں۔ یوراکہ اور راشیل
کے ماں باپ راشیل کے اس جواب پر دنگ رہ گئے تھے۔

یوراکہ غصے میں بل کھا کر آگے بڑھا اور راشیل کو بالوں سے پکڑ کر ایک جھٹکے
کے ساتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ تمہیں بتانا ہوگا کہ وہ محافظ کون تھا اور تم دونوں
کس مقصد کے تحت یہاں آئے تھے۔ اس کے علاوہ تمہیں اپنے مذہب پر واپس آنا
ہوگا۔ راشیل نے سخت آواز میں کہا۔ یہ تمہاری بھول ہے۔ نہ تم یہ جان سکو گے کہ وہ
کون ہے اور نہ تم مجھے اپنے پہلے مذہب پر واپس لا سکتے ہو۔ یوراکہ نے لگاتار کئی طماچے
راشیل کے نازک کالوں پر مارتے ہوئے کہا۔ تمہیں بتانا ہوگا وہ ذلیل کتا اور کمینہ سوروں
تھا۔ راشیل بری طرح بھڑک اٹھی اور لگاتار دو طماچے اس نے یوراکہ کے منہ پر مارے
ہوئے کہا۔ ذلیل کتا اور کمینہ سورو وہ نہیں تو ہے۔ دوبارہ اُن کے متعلق ایسے الفاظ
مت استعمال کرنا ورنہ میرا ہاتھ اور کھل کر اٹھے گا۔ میں اپنی جان گنوا سکتی ہوں۔
بدان کے خلاف کچھ نہیں سن سکتی۔ وہ معصوم، باوقار اور قابلِ احترام ہیں۔

اچانک یوراکہ نے راشیل پر طمانچوں اور کتوں کی بارش کر دی تھی۔ راشیل کے
نہاد پیشانی سے نون ہبہ نکلا اور وہ بے سدھ سی ہو کر فرش پر گر گئی تھی۔ یوراکہ نے
ایک پہر دیر کو آواز دے کر بلایا۔ جب وہ قریب آیا تو یوراکہ نے راشیل کی طرف اشارہ

جی وقت یہ پانچ سوار خیموں کے اس شہر میں داخل ہوئے تھے اس وقت یوراکہ
اپنے خیمہ میں بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے خیمے میں راشیل کا باپ اور ایک راہب بھی
تھے۔ اتنے میں خیمے میں ادھیر عمر کی ایک عورت داخل ہوئی وہ راشیل کی ماں تھی یوراکہ
کے پاس آکر اس نے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ راشیل یہاں نہیں آتی۔ مجھے اس کے
رویے سے دکھ ہوا ہے۔ یوراکہ نے تلک کر کہا۔ وہ کیوں یہاں نہیں آتی۔ کیا اسے خبر نہیں
آج میری اس کی شادی کا دن ہے جب کہ رسم کی ادائیگی کے لیے مقدس اور محترم راہب
بھی آچکے ہیں۔ اب عین وقت پر اسے کیا تکلیف اور شکایت ہو گئی ہے۔

راشیل کی ماں نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ وہ تمہارے ساتھ شادی کرنے
سے انکار کرتی ہے۔ یوراکہ نے زہریلے سانپ کی طرح اپنی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے
کہا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ اسے میرے ساتھ بھی اور اسی وقت شادی کرنا ہوگی۔
میں پہلے ہی اس کی طرف سے مشکوک تھا۔ کیا شادی سے انکار کر کے وہ مجھ پر یہ ثابت
کرنا چاہتی ہے کہ جس محافظ کے ساتھ سیال آئی تھی وہ اسے پسند کرتی ہے۔ اگر
اس نے میرے ساتھ شادی نہیں کرتی تو پھر وہ میرے پاس کیا جیتے آئی تھی۔ اپنے اسی
محافظ کے ساتھ پڑی رہتی۔ ہم یہی سمجھ لیتے کہ وہ مر گئی ہے۔ اب جب کہ وہ یہاں آہی
گئی ہے تو ہماری خواہش کا احترام کرنا ہوگا۔

یوراکہ خیمے سے باہر نکلتا ہوا بولا۔ ابھی تہ چل جاتا ہے اسے کیا شکوہ ہے
اور اس نے اس شادی سے کیوں انکار کیا ہے جب کہ وہ ایک عرصہ سے میری منوبہ
چلی آرہی ہے اس وقت اس نے کیوں کوئی اعتراض نہ کیا۔

یوراکہ کے پیچھے پیچھے راشیل کے ماں باپ بھی راشیل کے کمرے میں داخل
ہوئے۔ راہب خیمے سے باہر ہی کھڑا رہا تھا۔ راشیل سر جھکائے مسہری پر بیٹھی ہوئی تھی
ان تینوں کی آمد کا اس نے کوئی اثر نہ لیا تھا۔ یوراکہ نے گرج کر راشیل سے پوچھا۔ کیا تم نے
میرے ساتھ شادی سے انکار کیا ہے۔ راشیل نے آنکھیں بغیر دم آواز میں کہا۔ ہاں۔
یوراکہ غصے میں بل کھا کر رہ گیا۔ اس نے اور زیادہ تلخ ہو کر پوچھا۔ لیکن کیوں۔ جب کہ تم

کر کے سختی سے کہا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دو تاکہ یہ بھاگنے نہ پائے۔ میں دیکھتا ہوں یہ کیسے راہِ راست پر نہیں آتی۔

پھرے دار بھاگ کر گیا۔ وہ ایک رستی اٹھا لایا اور راشیل کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے۔ یوراکہ نے اسے اٹھا کر بستر پر پھینک دیا تھا۔ یوراکہ جب پیچھے ہٹنے لگا، تو راشیل نے آنکھیں کھولیں اور یوراکہ کی طرف تھوکتے ہوئے کہا۔ یہ مار تو کچھ بھی نہیں تو اگر میرے حلقوم پر تلوار رکھ کر بھی چلا دے تو بھی تو مجھے اپنی پہلی دنیا میں واپس نہیں لاسکتا۔ انشاء اللہ تو دیکھے گا میں ثابت قدم اور مستقل مزاج رہوں گی۔

یوراکہ جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ جس پہریدار نے راشیل کے ہاتھ پاؤں باندھے تھے وہ پھر اندر آیا اور فکر مند آواز میں اس نے یوراکہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ باہر پانچ سوار آئے ہیں وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کسی مسلمان لشکر نے ہماری بستیوں میں تباہی مچا رکھی ہے۔ اگر آپ جلد اس کی سرکوبی نہ پہنچے تو وہ ہماری سینکڑوں بستیوں کو لوٹ کر ویران اور جلا کر خاکستر کر دے گا۔ یوراکہ نے فکر مند ہو کر پوچھا۔ اب مسلمانوں کا کون سا لشکر پہلے جس نے ہماری بستیوں پر چڑھائی کی ہے۔ یوراکہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا خیمے سے باہر نکلا۔

یہ خبر سن کر راشیل کے ہونٹوں پر دلفریب اور پرسکون مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور خیمے کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے آہستہ اور جہم آواز میں کہا۔ عامر! عامر! میرا دل کہتا ہے یہ آپ ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو میں یہاں پرسکون موت مر سکوں گی۔ راشیل خاموش ہو گئی اور یوراکہ کو سنبھلنے کی کوشش کرنے لگی۔ یوراکہ خیمے سے باہر کھڑے ان پانچوں سواروں کے سامنے آیا اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ تم کیسی خبر لائے ہو اور کس نے ہماری بستیوں پر حملہ کیا ہے۔ ان پانچوں میں سے ایک نے کہا حملہ آور مسلمان ہیں وہ جی بھر کر ہماری بستیوں کو لوٹ رہے ہیں۔ ان کی تعداد دو سے چار ہزار تک ہوگی اگر آپ جلد نہ پہنچے تو وہ ایسے نقصان کا باعث بنیں گے جس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔

یوراکہ نے چلاتے ہوئے اپنے ایک محافظ سے کہا جنگ کے طبل پرٹ دو۔ وہ بھاگتا ہوا اپنے خیمے میں داخل ہو گیا۔ راشیل کے مال باپ اور راہب بھی نے خیمے میں چلے گئے تھے۔ لشکر کے اندر زور زور سے جنگ کے طبل بجنے لگے تھے رے سپاہی مسلح ہو کر خیموں سے باہر ایک کھلے اور وسیع میدان میں جمع ہونے لگے۔ یوراکہ نے اپنے پندرہ ہزار کے لشکر میں سے پانچ ہزار سپاہیوں کو پیچھے چھوڑا ہزار کے لشکر کو لے کر وہ جلد ندی کے اس پار چلا گیا تھا۔

جب وہ عامر کے پاس سے گزر کر دوڑ نکلیا تو عامر نیچے اترا اور لشکر کو اس چ کا حکم دیا۔ بڑی آہستگی اور رازداری سے اس نے ندی اور دے کو پار کیا۔ ان کے شہر کے نزدیک چٹانوں کے اندر اس نے اپنے لشکر کو روک دیا لشکر جب ان کے پیچھے چھپ کر گھات میں بیٹھ گیا تو عامر نے اپنے قریب کھڑے رکن الدین کو بلا کرتے ہوئے کہا۔ رکن الدین! رکن الدین! تم تھوڑی دیر لشکر کو یہیں روکے میں پہلے دشمن کے لشکر سے اس مسلمان لڑکی کو نکال لوں جو حاضی میں ہماری رازداری رہی ہے۔ وہی لڑکی جس کا میں تم سے ذکر بھی کر چکا ہوں۔

رکن الدین نے ایک پتھر کے پیچھے بیٹھتے ہوئے کہا۔ آپ اکیلے نہ جائیں سپاہیوں۔ دقت بھی اپنے ساتھ لے جائیں جو آپ کی حفاظت کرے گا۔ عامر نے خیموں سے بڑھتے ہوئے کہا۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں انشاء اللہ بہت جلد لوٹ آ رہی زیادہ وقت نہ لوں گا کیونکہ یہ ہمارے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے ماہی ڈھال پشت پر باندھی اور اپنی تلوار لہراتا ہوا وہ خیموں سے نزدیک ہونے لگا۔

برفباری ابھی تک جاری تھی۔ یوراکہ کی روانگی کے بعد لشکر سست ہو کر سو رہا۔ پہریدار بھی آگ کے جلنے ہوئے الاؤ چھوڑ کر خیموں کے اندر چلے گئے تھے۔ راکے نزدیک جا کر عامر برف پر لیٹ گیا اور رنگ رنگ کر آگے بڑھنے لگا تھا۔ لے خیمے کے پاس جا کر اس نے دیکھا وہاں صرف ایک پہریدار کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔

ٹھاکر اپنی بیٹھ پر لا دیا۔ خیمے سے سرباز ہرنکال کراس نے دیکھا کوئی بھی نہ تھا۔ ایشیل نے فکر مند ہو کر کہا۔ عامر! اس طرح ہمارے کپڑے جانے کا خطرہ ہے۔ مجھے نیچے اتار دیتے۔ آپ فکر نہ کریں میں چل سکتی ہوں۔ یوراکہ نے مجھے مارا زور سے پر میری ہمت نے جواب نہیں دیا۔

عامر کے اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر پھر کہا۔ برف پر رنگ کر ان خیموں کا باہر نکلتا پڑے گا۔ کیا تم ایسا کر سکتی ہو۔ ریشیل خیمے سے نکل کر برف پر لیٹتی ہوئی بولی یہ چلیں مجھ میں ابھی سکت ہے۔ دونوں رنگ کر خیموں کے اس شہر سے باہر نکلنے لے تھے۔ جب وہ خیموں سے نکل کر تھوڑی دور گئے تو عامر کھڑا ہو گیا اور اپنے کپڑے جھاڑتے تھے اس نے ریشیل سے کہا۔ اب کھڑی ہو جاؤ۔ اب کوئی خطرہ نہیں وہ سامنے کی چٹان کے پیچھے میرا شکر ہے۔ دونوں پہلو پہلو چلتے اس طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ریشیل نے اسے پوچھا۔ کیا آپ کے ساتھ آنے والا شکر و شوق سے آیا ہے؟ اور اس کی انفرادی تائیدی ہے۔

عامر نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار نیام میں کرتے ہوئے کہا۔ شکر کی تعداد اڑھائی ہزار ہے اور اس کا تعلق و شوق سے ہے۔ ریشیل نے فکر مند ہو کر پوچھا لیکن اڑھائی ہزار نول کے ساتھ آپ کیسے اور کیونکر یوراکہ سے ٹکرا سکیں گے جب کہ اس کے شکر تعداد پندرہ ہزار سے کسی صورت کم نہیں ہے۔

عامر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ تم فکر مند نہ ہو میں ان اڑھائی ہزار جوانوں کے ساتھ یوراکہ کو ایسا سبق دوں گا کہ وہ اپنے سارے جنگی قاعدوں کو بھول جائے گا۔ ایسا ہی بستیوں پر حملہ بھی آپ نے ہی کیا تھا۔ ہاں وہ حملہ میں نے ہی اس نیت سے کیا تھا کہ یوراکہ اپنے لشکر کے ساتھ ان کی مدد کو جائے۔ اس طرح اس کا لشکر و حوضوں قسیم ہو جانے کی امید تھی اور تم دیکھ رہی میری امیدیں پوری ہوئی ہیں۔ یوراکہ کا دوحوضوں میں بٹ گیا ہے اور اب ان سے نمٹنا میرے لیے سہل ہو گیا ہے۔ ریشیل نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ میرا دل پہلے ہی کہتا تھا کہ عیسائی بستیوں

عامر چھپکلی کی طرح رنگینا ہوا اس پہرہ دار کی پشت پر آیا۔ پھر وہ ایک دم اٹھا اور جیسی لمبی اور غصیلی جھست لی اور پشت کی طرف سے اس نے پہرہ دار کو دبوچ لیا تھا۔ پہرہ دار نے آواز نکالنا چاہی تھی لیکن عامر نے اس کی گردن ایسے انداز میں دبوچ لی تھی کہ اس کی آواز اس کے حلقوم میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ عامر نے کلا گھونٹ کر اسے محفوظ کو ختم کر دیا اور اس کی لاش کو گھسیٹ کر اس نے دونوں کے درمیان پھینک دیے گہرے اندھیرے میں ڈال دیا پھر وہ اس خیمے میں داخل ہوا جو ریشیل کے لیے مختص تھا۔ ریشیل جاگ رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں بندھنے کی وجہ سے وہ سونہ سکی تھی اس نے عامر کو خیمے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا لیکن وہ اسے پہچان نہ سکی تھی لہذا اس نے سرگوشی کرتے ہوئے پوچھا۔ کون ہے؟ عامر بھی ریشیل کی آواز پہچان گیا تھا۔ لہذا اس نے سرگوشی کی۔ بہتہ بولور ریشیل! میں عامر ہوں۔ ریشیل نے لمبا سانس لے کر پھر سرگوشی کی۔ خدا کا شکر ہے آپ آگئے ہیں۔ مجھے امید تھی میرا رب مجھے مرنے کے لیے تنہا نہ چھوڑے گا۔

عامر سہری کے پاس آیا اور پھر ریشیل سے کہا۔ اب اٹھو نا چلیں تم لیٹی کیوں ہو۔ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ریشیل نے رقتی ہوئی آواز میں کہا۔ آج یوراکہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ میں نے انکار کر دیا جس پر اس نے آج مجھے بہت مارا ہے۔ وہ میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال گیا ہے میں اٹھ نہیں سکتی۔ عامر خاموش رہا اور اس کی سانسیں تیز ہو گئی تھیں۔ ریشیل نے پوچھا۔ آپ کہاں کھو گئے ہیں۔ عامر نے زہریلی آواز میں کہا۔ تم پر ہاتھ اٹھا کر یوراکہ نے اپنی موت کے نوشتے کو اور زیادہ بھیانک اور کڑیہ بنا لیا ہے۔ میں اس کی موت کو بھی بھیانک اور کڑیہ بنا دوں گا۔ میرے رب نے اگر مجھے قدرت دی تو میں اسے زندہ پکڑ کر تمہارے سامنے پیش کروں گا تم خود اس کا انصاف کر لینا۔

عامر نے نیچے جھک کر اپنے منہ سے ان رسیوں کو کاٹ دیا جس سے ریشیل کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ پھر اس نے ریشیل کو اپنے دونوں ہاتھوں میں

دون حملہ آور ہو گیا ہے۔ لوگ ایک جیسے سے دوسرے خیموں کی طرف بھاگے اور عامر کے لشکر میں ان کا اس طرح تعاقب کر رہے تھے جیسے کھلے میدان کے پیچھے بھوکے بھیرے بھاگتے ہیں۔ تھوڑی دیر کی بولناک جنگ کے بعد ہزار کا لشکر تریغ کو دیا گیا تھا۔ راشیل کے مل باپ بھی مارے گئے تھے۔

یوراکہ کے جنگ میں کام آنے والے لشکر کو کوہستانی گڑھوں میں ڈال کر اوپر ہی لگی تھی۔ عامر دوبارہ اس جگہ آیا جہاں سے تھوڑی دیر پہلے نکل کر وہ حملہ آور

سب سے پہلے اس نے سامان سے لے کر جانوروں اور اونٹ، گھوڑوں کے ریوڑ کو خیموں کے اندر محفوظ کر دیا تاکہ وہ برف باری اور سردی سے اس کام سے فارغ ہونے کے بعد عامر نے اپنے سارے لشکر کو ایک جگہ جمع بل، رکن الدین اور عیس بھی اس کے قریب کھڑے تھے۔ عامر نے پہلے عیس کی

نہ ہونے پوچھا۔ اے عم! میرے پاس صرف تم ہی ہو جو اس علاقے سے واقف ہو۔ کوہستان کے اوپر منجیقوں پر متعین کرنا چاہتا ہوں۔ میں یوراکہ کو اس اندر گھیر کر مارنا چاہتا ہوں۔ گو ہم اس کے پانچ ہزار کے لشکر کو ٹھکانے لگا چکے

باوجود بھی اس کے ساتھ دس ہزار کا لشکر ہے جس پر قابو پانے کے لیے میں اپنی ارست سے کام لینا ہوگا۔ تمہیں کوئی کام نہ کرنا ہوگا۔ تم صرف منجیقوں پر کام

ہو جانوں کی راہنمائی کر دو گے۔ راشیل کو بھی تم اپنے ساتھ رکھو۔ میں پانچ سو جوانوں

رہا ہوں جو پہاڑوں کے اوپر منجیقیں چلائیں گے۔ باقی لشکر دو حصوں میں تقسیم رہے۔ رکن الدین کے پاس ہوگا جو اس جگہ چھپ کر بیٹھ جائے گا۔ جہاں اس وقت

دوسرا لشکر میرے پاس ہوگا اور میں درے کے دوسری طرف گھات میں بیٹھ

لا کر اپنے لشکر کے ساتھ جب لوٹے گا تو میں اسے کسی روک ٹوک کے بغیر مل ہونے دوں گا۔ جب میں دیکھوں گا کہ لشکر پوری طرح درے میں داخل

بارت کی تاریکی میں اللہ اکبر کی صدا بلند کر دوں گا جسے سنتے ہی تم دشمن

میں لوٹ مار کرنے والا آپ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ راشیل خاموش ہو گئی۔ کیونکہ وہ اپنے لشکر میں داخل ہو گئے تھے۔ عامر نے رکن الدین کے پاس آکر راشیل سے کہا۔ راشیل! راشیل! یہ میرے لیے دشمن سے آنے والے لشکر کا سالار رکن الدین ہے۔ میں اس وادی میں داخل ہونے سے قبل ہی رکن الدین سے تمہارے متعلق گفتگو کر چکا ہوں پھر عامر نے ایک بڑے پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ راشیل! راشیل! تم اس پتھر کی اوٹ میں بیٹھ جاؤ۔ میں اب اپنے لشکر کے ساتھ دشمن پر شب خون مارتا ہوں یوراکہ کے آنے سے پہلے پہلے مجھے اس کے اس لشکر کو تریغ کو کے خیموں پر اپنا قبضہ مکمل اور مضبوط کر لینا چاہیے۔ میں عیس کو تمہارے پاس چھوڑتا ہوں۔

ایک طرف سے عیس خود ہی آگیا اور مسکراتے ہوئے کہا مجھے بلانے کی ضرورت نہیں میں خود ہی آگیا ہوں۔ میں خود اس انتظار میں تھا کہ میری بیٹی کب

لوٹتی ہے۔ راشیل بھی عیس کو دیکھ چکی تھی۔ وہ اٹھی، بھاگی اور عیس سے ملنے پہنچے

کہا۔ اے میرے عم! آپ کیسے ہیں، مان کیسی ہے۔ عیس نے راشیل کے سر کو چومتے ہوئے کہا۔ تمہارا مامل اور تمہاری ماں دونوں ٹھیک ہیں بیٹی! ہم تمہارے متعلق فکر مند تھے۔

خدا کا احسان ہے کہ تم دشمن کے چنگل سے نکل چکی ہو۔ عامر نے راشیل اور عیس سے کہا۔ تم دونوں ایک چٹان کی اوٹ میں بیٹھ رہو میں اپنے کام کی ابتدا کرتا ہوں۔

راشیل اور عیس اس چٹان کے پیچھے بیٹھ گئے تھے۔ عامر نے اپنے لشکر کو کیمپ گاہ سے نکالا۔ اوٹ سے نکلنے ہی لشکر نے اپنے گھوڑوں کو خیموں کی طرف سرپٹ دوڑا دیا

تھا۔ سب سے آگے عامر اور رکن الدین تھے۔ عامر ایک آدھی اور طوفان بن کر ان خیموں پر حملہ آور ہوا تھا۔ یوراکہ کا لشکر جو برف باری، سردی اور یوراکہ کے وہاں سے

کوچ کر جانے کے بغیر غفلت کی گہری نیند سویا ہوا تھا اس اچانک حملے سے بے خبر تھا اور عامر نے لشکر کے سپاہیوں کو خیموں سے نکال نکال کر قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ جاڑ

کی پربہول خاموشی اور ہواؤں کے دوش پر یوراکہ کے سپاہیوں کی آہ و پکار سنائی دینے لگی تھی۔ خیموں کے اندر ایک طوفان مچ گیا تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ خیموں میں

پرسنگ باری شروع کر دینا۔ میں بھی گھات سے نکل کر دشمن کی پشت سے ان پر
 اور ہوگا۔ صرف یہ دھیان رکھنا کہ جہاں جہاں تمہیں اللہ اکبر کی صلا میں سنائی دے اس
 پتھروں کی بارش نہیں ہونی چاہیے۔ میرے لشکر میں لگاتار اللہ اکبر کی صلا میں بندہ ہوتی را
 گی اور میں دشمن کو آگے آگے بھگانا مولا لاکھ گا اور درے سے نکل کر جب دشمن اس
 میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو رکن الدین بھی اپنی کمین گاہ سے نکل کر ان پر حملہ
 دے گا۔ اس طرح ہم دشمن کو کسی بڑی مزاحمت کے بغیر زیر کرنے میں کامیاب ہو جا
 گے۔ عامر اپنے لشکر کی طرف آیا۔ پانچ سو جوانوں کے ساتھ عمیس کو اس نے کوہستان
 کے اوپر بھیج دیا۔ ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ رکن الدین کو وہیں گھات میں بٹھا دیا
 جب کہ عامر اپنے ایک ہزار کے لشکر کو لے کر درے کی دوسری سمت چلا گیا تھا۔

رات گزرتی رہی برف گرتی رہی۔ کوہستان کے اوپر عمیس، درے کے ایک
 کنارے میں رکن الدین اور دوسرے کنارے پر عامر یوراکہ اور اس کے لشکر کی دالہ
 انتظار کرتے رہے۔ یوراکہ شاید اپنی بستیوں میں تباہی پھیلانے والوں کو کافی دیر تلاش
 رہا تھا۔ تبھی وہ واپس لوٹ کر نہ آیا تھا۔ حتیٰ کہ سحر کے آثار نمودار ہو گئے۔ برف بار
 گئی اور آسمان پر پھیلے ہوئے گہرے بادل جگہ جگہ سے پھٹ گئے تھے جن کے اندر سے
 ہوئے ستارے برف سے اُٹی زمین کے ساتھ تاک جھانک کرنے لگے تھے۔ پھر آ
 ۲ مہنتہ آسمان صاف ہونے لگا تھا۔ تاریکی چھٹنے لگی تھی اور سحر کے آثار اور زیادہ دا
 ہوتے چلے گئے تھے۔ ایسے میں یوراکہ اپنے لشکر کے ساتھ جبلہ ندی کے چوٹی پہلے
 نمودار ہوا تھا۔ عامر اسے دیکھ چکا تھا اور اس نے اپنے لشکر کو چوس کر دیا تھا۔
 سورج اب دُور مشرق میں سر اُٹھا کر زمین کو جھانک رہا تھا۔ زمین
 چیز واضح اور صاف دکھائی دینے لگی تھی۔ کوہستان کے اوپر عمیس نے بھی یوراکہ
 کو دیکھ لیا تھا۔ لہذا اس نے اپنے جوانوں کو منجلیقوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ جا
 کوکہ دیا تھا۔ یوراکہ اپنے لشکر کے ساتھ اب درے میں داخل ہونا شروع ہو گیا
 جب اس کا لشکر درے کے دوسرے سرے تک گھس آیا تو عامر اپنے لشکر کے

سے نکل آیا اور اس نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی جس کے جواب میں اس کے لشکر
 دور واز تکبیریں بلند کی تھیں۔ یوراکہ کا لشکر ان آوازوں پر بڑک اُٹھا تھا اور پھر
 عمیس نے ان پر ایسی سخت، شدید اور تیز سنگ باری کرائی تھی کہ یوراکہ کا لشکر ٹوٹ
 آیا۔ ان کے گھوڑے پتھروں کی بارش میں سیخ پا ہو کر سواروں کو اپنی پیٹھ سے
 ہٹ گئے تھے۔

یوراکہ اپنے لشکر کے پیچھے تھا۔ وہ لشکر کے آخری حصے کے ساتھ ابھی درے
 میں ہونے والا تھا کہ اپنے لشکر پر اس اچانک حملے سے وہ بوکھلا گیا تھا۔ وہ چلا
 اپنے لشکر کو درے کے دوسری جانب نکل جانے کا مشورہ دینے لگا تھا لیکن
 نا پریشانی اور حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ تھی جب ایک دم گھات سے نکل
 لے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ یوراکہ کا لشکر اور زیادہ چونک اُٹھا تھا۔ عامر اب دشمن
 ایک گھٹنا چلا گیا تھا۔ وہ یوراکہ سے نزدیک ہونے کی بھرپور جدوجہد کر رہا تھا۔
 ہر لشکر درے کے وسطی حصے میں تھا۔ وہ ابھی تک عمیس کی شدید سنگ باری کی زد
 اور لشکر کے جس حصے نے بھاگ کر اور درے سے نکل کر کھلے میدان میں داخل
 کوشش کی تھی ان پر رکن الدین نے حملہ کر کے ان کے بچ بچنے کی ساری امیدوں
 میں بدل دیا تھا۔ یوراکہ کے لشکر پر ہر طرف سے قہر اور عذاب کا نازل شروع

عامر جو یوراکہ سے نزدیک ہونے کی کوشش کر رہا تھا لڑتے لڑتے یوراکہ سے
 فاصلہ کر گیا۔ اب اس کے ارد گرد اس کا لشکر گھمسان کی جنگ کر رہا تھا۔ عامر
 گھوڑے سے بندھی ہوئی زین کا جائزہ لیا۔ کندہ کا ایک ہرا اس نے زین سے
 اڑنے دیا۔ گول چکر میں لپٹی ہوئی کندہ کو اس نے اپنے دائیں ہاتھ میں لیا اور خوب
 لڑا اپنے سپاہیوں سے لڑتے ہوئے یوراکہ پر پھینکی۔ جو نہی کندہ یوراکہ کے گلے میں
 اپنے گھوڑے کو فوراً موٹ کر ایک سخت ایڑ لگا دی تھی۔ کندہ اس جھٹکے کے
 یوراکہ کے گلے میں تنگ ہو گئی۔ وہ اپنے گھوڑے سے گر گیا اور پھر زین

پر گھسٹا چلا گیا تھا۔

اپنے لشکر کے اندر لے جا کر عامر نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ کنہدا ڈھیلی کر دی اور اپنے ایک لشکری سے کہا۔ یہ دشمن کے لشکر کا سالار یو اس کے گلے سے کمند نکال کر اسے اپنی گرفت میں کر لو۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دو اور اسے قتل نہ کرنا میرا اس کا ایک حساب ہے جسے اپنی قبل اس شیطاں کو ادا کرنا ہوگا۔ وہ سپاہی یوراکہ کو جکڑ کر اور اس کے دونوں پشت پر باندھ کر پیچھے لے گیا تھا۔ عامر پھر اپنے لشکر کے ساتھ طوفانی انداز میں ہو گیا تھا۔ عامر کے سپاہی اوجھنی آوازوں میں دشمن کے سپاہیوں کو پکار پکار کر مٹھتے۔ تمہارے سالار یوراکہ کو ہمارے سالار نے زندہ گرفتار کر لیا ہے۔ یوراکہ وقت ہماری حراست میں ہے کیا تم لوگ اپنے سالار کا خالی گھوڑا ادھر ادھر ہوئے نہیں دیکھ رہے ہو۔

یوراکہ کے لشکریوں نے جب دیکھا کہ ان کے سالار کا خالی گھوڑا ادھر بھاگ رہا ہے تو ان میں سے بہت نے لڑنے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اب ہر سپاہی کان میں یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ یوراکہ زندہ گرفتار ہو گیا ہے۔ لہذا نصرانی جنگجو گئے تھے۔ ایک طرف سے عامر اور دوسری طرف سے رکن الدین ان کا قتل چلے آ رہے تھے۔ یوراکہ کے بچے کچھ لشکریوں نے درے سے آزادی حاصل کی خاطر اپنی پوری قوت صرف کرتے ہوئے رکن الدین پر حملہ کر کے کھلے یہ نیکل جانا چاہا لیکن رکن الدین ان کے سامنے چٹان بن کر کھڑا رہا اور پشت کا سے عامر نے زور وار حملے کر کے ان کی تعداد کا ایک بڑا حصہ کاٹ کر رکھ دیا۔ پھر جس جگہ وہ گتھ کر جمع ہو جاتے تھے وہاں عمیس زور دار سنگ باری کر لے جس سے ان کے رہے بہتے حوصلے بھی جاتے رہے تھے اور وہ ایک دوسرے چھپ کر اپنے آپ کو بچانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ سورج کی سنہری دھوپ جب کوہستانوں سے اتر کر برف

میدانوں میں پھیل رہی تھی۔ عامر نے یوراکہ کے لشکر کا مکمل صفایا کر دیا تھا۔ پھر اس نے بلند آواز میں اپنے لشکر کو مخاطب کر کے کہا۔

میرے باجبروت بھائیو! دشمن کے اسلحہ اور گھوڑوں پر قبضہ کر لو اور ان کی نعشیں یہیں پڑی رہنے دو تاکہ اس طرف سے اگر ہم پر کوئی اور حملہ آور ہونے کا ارادہ کرے تو اس درے میں مرنے والوں کی ہڈیوں کے ڈھلچکے دیکھ کر اپنے لیے عبرت خیزی اور اندیشہ کا سامان فراہم کرے پھر عامر نے کوہستان کی چوٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ عمیس! عمیس! میرے عم! آپ بھی لشکر کو لے کر نیچے آ جائیں۔ عامر کے لشکر نے فوراً دشمن کے ہتھیار ایک جگہ جمع کر لیے تھے۔ پھر انہوں نے ادھر ادھر بھاگتے ہوئے گھوڑوں کو خیموں کی طرف ہانکنا شروع کر دیا تھا۔ دشمن کا سالار اسلحہ چند بڑے بڑے خیموں میں جمع کر دیا گیا تھا جب کہ اپنے اور دشمن کے گھوڑوں کو وادی کے اندر انہوں نے چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

یوراکہ کے خیموں سے خوراک کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ لگا تھا۔ اس کے علاوہ خوراک کی ایک بڑی مقدار عامر عیسائی بستیوں سے بھی چھین کر لایا تھا۔ سامان سے لے ہوئے ان جانوروں کو بھی خالی کر دیا گیا اور جو ریوڑ عامر ہانک کر اپنے ساتھ لایا سمجھی کوادی جبلہ کی وسیع چراگاہوں کی طرف گھاس چرنے کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔

بکریوں کی ایک بڑی تعداد یوراکہ کے خیموں سے بھی ہاتھ لگی تھی۔ ان میں سے کچھ کو ذبح کر کے لشکر کے لیے کھانا پکھنے لگا تھا۔ عامر اپنے ساتھ راشیل، رکن الدین اور عمیس کو لے کر یوراکہ کے خیمے میں آیا۔ وہ اُسی نشست پر بیٹھ گیا جس پر یوراکہ بٹھا تھا۔ پھر اس نے اپنے سپاہیوں سے یوراکہ کو اندر لانے کو کہا۔ سپاہی فوراً یوراکہ کو اندر لائے۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

یوراکہ کو جب عامر کے سامنے کھڑا کیا گیا تو یوراکہ کے چہرے پر گرہی پر چھایاں اور فرت کر گئی تھیں۔ عامر نے طنزاً پوچھا۔ کیا تو نے مجھے پہچانا ہے۔ یوراکہ نے بات میں گمراہی نہ کی۔ عامر نے پھر اس سے کہا جب میں چند یوم پہلے تم سے

اس نے پوچھا۔ تم نے گونشتہ شب راشیل کو کیوں مارا۔ کیا تمہیں خبر نہ تھی کہ یہ مسلمان
اور کوئی نہ کوئی اس کی حمایت اور مدد کو اٹھ کھڑا ہوگا۔ یورا کہنے لگا کہ تم
میں سے یہ سوال نہیں کر سکتے ہو۔ وہ میری منگیتر ہے۔ اس پر میرے حقوق ہیں۔ عامر
راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ راشیل! راشیل! کیا تم اس کی منگیتر ہو۔ راشیل
نفی میں گردن ہلا دی۔

یورا کہنے رقابت کے جذبے کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے کہا۔ تم دونوں
میں کرتے ہو۔ تم نے راشیل کو اصل راد سے ہٹا دیا ہے۔ تم دونوں نے مل کر
میں خلاف سازش کی ہے۔ راشیل نے بھی غصیلی آواز میں کہا۔ تم اکیلے کہو اس
تے ہو۔ اپنی زبان کو لگام دو۔ تم اپنے خیمے میں ضرور کھڑے ہو لیکن اس کا ماحول
لچکا ہے۔ یہاں ہمارے امیر کا ایک معمولی اشارہ تیری تنی ہوئی پر غرور گردن کو
م سے علیحدہ کر دے گا۔ یورا کہنے کی گردن جھک گئی اور اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔
راشیل نے پھر طنز کرتے ہوئے کہا۔ یورا کہ مجھ پر ہاتھ اٹھاتے وقت تم نے
مے کہا تھا تمہیں بتانا ہو گا کہ تم اپنے محافظ کے ساتھ یہاں کیا کرنے آئی تھی۔ تو
لیو! وہ محافظ تمہارے سامنے بیٹھے ہیں۔ اب وہی سوال تم ان سے پوچھو کہ
میں مناسب جواب ملے۔ یورا کہ خاموش رہا۔ اس بار عامر نے کہا۔ یورا کہ! یورا کہ!
نے راشیل سے وعدہ کیا تھا کہ میں یورا کہ کو زندہ پکڑ کر تمہارے سامنے لاؤں گا۔ سو
دیکھ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اب میں تیری سزا کا معاملہ بھی راشیل ہی کے سپرد
ناہوں۔ اب یہ تمہیں رہا کرے یا تمہارے قتل کا فیصلہ کرے۔ یہ راشیل کی مرضی
نصر ہے۔

یورا کہ اپنے قتل کا سن کر چونکا۔ اس نے جھک کر ہوا چہرہ فوراً اُپر اٹھایا اور اپنی
دل کو خوب تاتے ہوئے اس نے کہا۔ اگر تم لوگوں نے مجھے قتل کیا تو یاد رکھو میرا
مالی تم سب کی موت بن کر وارد ہوگا۔ ان وادیوں کو وہ دیران کر دے گا۔ تمہاری
بول کو اجاڑ دے گا اور حارم سے اس الشمرہ تک کسی مسلمان کو زندہ نہ چھوڑے گا۔

رحمت ہو کر گیا تھا تو تم نے میرا خاتمہ کرنے کے لیے میرے پیچھے پانچ مسلح جوان کیوں
لگائے تھے۔ یورا کہ نے کوئی جواب نہ دیا اور گردن جھکالی۔ عامر کی آواز اس بات
اور گونجتی ہوئی سنائی دی۔ یورا کہ میں نے تمہیں کہلوانہ بھیجا تھا کہ تم نے میرے ساتھ بد
عہدی اور دھوکہ کیا ہے۔ میں نے تمہیں یہ بھی کہلوا دیا تھا کہ ایسا ایک روز ضرور آئے
گا جب تو میرے سامنے بے بس اور مجبور کھڑا ہوگا بالکل یوں جیسے ایک منصف کے
سامنے ایک مجرم کھڑا ہوتا ہے۔ یورا کہ تم نے دیکھا وقت نے کیسی کروٹ لی ہے
اور آج تم بے بس ہو کر میرے سامنے کھڑے ہو۔

یورا کہ نے دانت پیستے ہوئے کہا اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ چند روز بعد تم
میرے لیے اس قدر طوفان کھڑا کر دو گے تو میں اسی روز تیری گردن کاٹ دیتا۔ تو
نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ یہاں سے جانے کے بعد تو نے ہماری بستیوں پر
حملہ کر کے میری توجہ دوسری طرف مبذول کر لی اور میری غیر حاضری میں تم نے میرے
پڑاؤ پر قبضہ کر لیا۔ عامر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ کیا میں نے درے کے اندر
تمہیں لڑنے کا موقع دے کر تمہیں واضح اور کھلی شکست نہیں دی جب کہ تمہارے
لشکر کی تعداد دس ہزار اور میرے پاس صرف اڑھائی ہزار جوان ہیں ان میں سے بھی
کچھ زخمی ہیں۔

یورا کہ چند لمحوں تک عامر کو دیکھتا رہا پھر اس نے سسکتے ہوئے لہجے میں
کہا۔ مرنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور تمہارا
نام کیا ہے۔ عامر نے اُٹا یورا کہ سے سوال کر دیا۔ جہاں تم اس وقت کھڑے ہو، یہ
وادی پہلے کس کے تصرف میں تھی۔ یورا کہ نے بلکی سی آواز میں کہا۔ عامر بن نافع
کے پاس۔ عامر نے کھل کر کہا تو پھر میں ہی عامر بن نافع ہوں۔ میری غیر موجودگی
میں تم نے مسلمان بستیوں کو دیران کیا جب کہ میں نے تمہاری موجودگی میں تم سے
اپنے بھائیوں کا انتقام لیا۔

عامر کا پھر وہ کھڑا ہوا اور پہلے سے کہیں زیادہ بھیانک اور سخت لہجے

ہیستیوں میں آکر آباد ہو جائیں۔

عمیس نے کچھ سوچا پھر اس نے ملتجی ہو کر کہا۔ اے بیٹے! کیا یہ ممکن ہیں کہ میں اور راشیل ایک رات یہاں گزاریں اور کل یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ عمار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ایک رات یہاں گزار کر تم ایک کر لو گے؟ عمیس نے سنجیدہ ججے میں کہا۔ میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی مہم سر کروں گا۔ اپنی زیست کا سب سے بڑا معرکہ ماروں گا۔ عمار نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ کیا معرکہ؟ بسی مہم؟

عمیس نے ایک گہری نگاہ راشیل پر ڈالی پھر عمار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہاری راشیل کی شادی۔ میں چاہتا ہوں آج اور ابھی تم دونوں کا نکاح جائے اور کل میں راشیل کو لے کر اس اٹھارہ کی طرف روانہ ہو جاؤں۔ کوئی حجب و برہان کھڑی نہ کرنا بیٹے! تم جانتے ہو میرا اس دنیا میں تمہارے اور راشیل کے سوا کوئی نہیں۔ یہ نکاح میں خود پڑھاؤں گا۔ عمیس کی اس گفتگو سے راشیل پر بخوابوں عطر ڈاروں اور دھنک پر بادلوں جیسی کیفیت طاری ہو گئی تھی اس کا لحنائی جیسی جھلکیاں رکھنے والا جسم کپکپا گیا تھا اور اس کے عارض نورس پر دم کی گہری سرخی بکھر گئی تھی۔ حیا۔ محبت، خوشی اور سکون میں اس کی بدلتی کیفیت کبھی شعلہ طور، کبھی کاسہ و جرح، کبھی نیتان اور کبھی برق و رعد تھی۔ کی لگا ہوں کی تار ایک گہری جھیل میں متوالے اور نیلے رنگ بکھر گئے تھے۔

عمار نے سر اٹھا کر راشیل کی طرف دیکھا۔ اس سے راشیل کے ہونٹوں پر کینٹ تبسم اور چہرے پر رومان سے لبریز آن کہی داستانیں تھیں۔ عمار نے اس سے کہا۔ اے عم! مجھے کوئی اعتراض نہیں پہلے راشیل کا عندیہ لے لو عمیس، خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

نوب جان لو! مجھے قتل کر کے تم اپنی موت کے نوشتے پر مہر ثبت کر دو گے۔ مجھے چوڑ دو اور جانے دو اسی میں تم سب کی بقا اور عافیت ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں اگر تمہارے خلاف جنگوں میں حصہ نہ لوں گا۔ میں راشیل سے بھی دست بردار ہوں۔ اسے میں بخوشی تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ میں نے بہت نرم ہو کر تم سے گفتگو کی ہے۔ اور پہلے کبھی یوں میں کسی کے سامنے جھکا نہ تھا۔

عمار نے آگے بڑھ کر یوراکہ کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ جاکر اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ تم کیسے مجھول اور محجوب انسان ہو۔ ایک طرف تم ہم سے اپنی رہائی اور آزادی کی طلب کرتے ہو دوسری طرف تم ہمیں اپنے بھائی کے ہاتھوں بربادی اور ویرانی کی دھمکی دیتے ہو۔ عمار مڑا اور راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا میں تمہیں اختیار دیتا ہوں کہ تم یوراکہ کی سزا تجویز کرو۔

راشیل نے بغیر کسی توقف کے سپاہیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے باہرے جاکر قتل کر دو۔ یوراکہ کی گردن پھر جھک گئی تھی اور دو سپاہی اسے پکڑ کر لے گئے تھے اتنے میں رکن الدین عمار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یا امیر! میں آپ کے کھانے کا بندوبست کروں۔ میں ابھی آتا ہوں۔ عمار نے اثبات میں گروا ہلا دی اور رکن الدین باہر نکل گیا تھا۔

عمار دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا اور عمیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے عم! تم راشیل کو لے کر آج کھانا کھا کر ابھی یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ راشیل اس اٹھارہ میں چھوڑ کر تم حلب کی طرف کوچ کر جانا۔ سلطان عماد الدین سے پوری داستان کہنا کہ وہ نصرانی قلعوں پر چڑھائی کر دیں۔ اس طرح طیطوس اور دوسرے نصرانی حکمرانوں کی توجہ سلطان کی طرف مبذول ہو جائے گی۔ اس صورت میں مسلمانوں کی ساری سرحدی بستیاں محفوظ ہو جائیں گی اور یہی اطمینان سے سلطان کے لشکر میں شامل ہو سکیں گا۔ اس وقت تک میں یہیں قیام کرے گا تاکہ وہ مسلمان جو اپنی بستیوں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں میری موجودگی میں دو

راشیل کی مرضی جان کر ہی میں نے یہ گفتگو کی ہے۔
عمیس کہتے کہتے رک گیا کیونکہ رکن الدین چند جوانوں کے ساتھ وہاں

کھانے آیا تھا۔ سب نے مل کر پہلے کھانا کھایا اس کے بعد عامر اور راشیل کا کھاج
پڑھا دیا گیا تھا۔ راشیل ایک رات عامر کے ساتھ اسی خیمے میں رہی جو کبھی یو را کا
تھا۔ دوسرے روز ہی عیس کے ساتھ وہ راس اشمرہ روانہ ہو گئی تھی۔



حلب کے سلطان عماد الدین کو علم تھا کہ قلعہ انارب، معرقہ النعمان اور
قلعہ حارم کے عیسائی حکمران سرحدی مسلمانوں کے لیے ایک مدام خطرہ اور مستقل غدا
بنے ہوئے تھے۔ سرحدی مسلمانوں کے گھروں کی لوٹ مار، ویرانی اور تباہی ان کا
روزمرہ کا محبوب مشغلہ اور دل پسند تفریح تھی۔ سلطان اچھلے کئی ماہ سے اپنی
جنگی تیاریوں میں مصروف تھا۔ وہ ایسے حالات کو دیکھ کر گڑھتا رہتا تھا لیکن بغیر تیاری
کے وہ میدان جنگ کی طرف کوچ نہ کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کسی ایکصرانی
قلعہ پر حملہ قسطنطنیہ، انطاکیہ، یرشلم اور اڑسیہ کی عظیم حکومتوں کے خلاف اعلان
جنگ سمجھا جائے گا اور یہ سب عیسائی حکمران اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ لہذا
وہ اپنی تیاریوں کے بعد ہی رزم گاہ میں قدم رکھنا چاہتا تھا۔

تاہم سلطان نے سرحدی مسلمانوں کو تباہی اور بربادی سے بچانے کی خاطر
اپنی جنگی تیاریوں پر زیادہ وقت نہ کیا اور برق اشاری سے اپنی قوت کو مضبوط
اور مستحکم کرنے کے بعد وہ ایک لشکر کے ساتھ حلب سے نکلا اور قلعہ انارب کی طرف
کوچ کیا۔ یہ قلعہ حلب سے صرف چار میل کے فاصلے پر انطاکیہ کی طرف جانے والی
شاہراہ پر تھا اور صلیبیوں کا سب سے بڑا گڑھ تھا۔ حلب اور اس کے نواحی علاقے
اس قلعے کے صلیبیوں کی یلغار اور ترکتا زکی وجہ سے سخت کسمپرسی اور بیچارگی کے

عالم میں تھے۔ بقول علامہ ابن اثیر قلعہ اثارب کے صلیبیوں نے گویا مسلمانوں کا گلا بکڑ رکھا تھا۔

اس قلعہ کے نصراویوں کی مسلمانوں پر ایسی وحشت چھائی نہوئی تھی کہ جب سلطان عماد الدین نے اس قلعے پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کیا تو سلطان کے اکثر امیروں نے اس حملے کی مخالفت کی تھی۔ انہوں نے دلیل پیش کی تھی کہ ایسی صورت میں مشرق کی تمام نصراوی حکومتیں ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں گی۔ جب کہ وہ اکیلے ہیں۔ ان کی پشت ننگی اور بوقت ضرورت کوئی ان کے لیے کمک بن کر نہ آئے گا لیکن سلطان کا نامور جرنیل عز الدین، امیر حاجب صلاح الدین باغسیانی اور وزیر ابو جعفر سختی اور شدت کے ساتھ اس حملے کے حق میں تھے۔

سلطان خود بھی صلیبیوں پر ایک کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کر چکا تھا لہذا اس نے اپنے امیروں کے مشورہ کو پشت ڈال کر دشمن سے ٹکرا جانے کا عزم کر لیا تھا۔ حکومت کا کام چلانے کے لیے اس نے ابو جعفر کو اپنے پیچھے چھوڑا۔ باغسیانی کو اس کا مددگار مقرر کیا اور خود وہ عز الدین کو ساتھ لے کر قلعہ اثارب کی طرف بڑھا اور اپنے لشکر کو قلعے کے چاروں طرف پھیلا کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یروشلم کے بادشاہ بالڈون کو جب یہ خبر پہنچی کہ عماد الدین نے ان کے قلعہ اثارب کا محاصرہ کر لیا ہے تو اس نے فوراً اپنی مشاورت کی مجلس خاص کو طلب کیا۔ جس کا مقصد عماد الدین سے نپٹنے کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا تھا لیکن قلعہ اثارب اس دور میں اس قدر مضبوط و مستحکم اور اس کے اندر صلیبی لشکر اس قدر جنگجو اور پرتوت تھا کہ بالڈون کے اکثر امراء نے عماد الدین کے اس حملے کو کوئی اہمیت ہی نہ دی اور بالڈون کو مشورہ دیا کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ عماد الدین خود ہی قلعہ اثارب سے اپنا سر ٹکرا کر واپس لوٹ جائے گا۔ لیکن ایک معمر اور جہاں دیدہ جرنیل نے بالڈون کو متنبہ کیا کہ عماد الدین کو نظر انداز کرنا اپنے آپ کو دھوکے اور اندھیرے میں رکھنے کے مترادف ہے وہ دوسرے مسلمان حکمرانوں سے مختلف ہے۔ وہ مذہب کا

نعتی سے پابند اور جنگی امور کا خوب شناسا ہے۔ اگر اس نے قلعہ اثارب کو فتح کر لیا تو ہمارے لیے اس کی حالت ایسے سیلاب اور ایسے طوفان جیسی ہوگی جو اپنے لمٹنے آنے والی ہر شے کو بہا اور اڑا لے جاتے ہیں۔ بالڈون اپنے اس جرنیل کی نیقت آمیز باتوں سے متاثر ہوا۔ اس نے فوراً ایک زبردست لشکر تیار کیا اور قلعہ اثارب کے صلیبیوں کے لیے روانہ کر دیا تھا۔



عماد الدین اپنے خیمے میں عز الدین کے ساتھ جنگی امور پر بات چیت کر رہے تھے۔ ان کا لشکر قلعہ اثارب کے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا کہ ایک پہریدار بے میں آیا اور عماد الدین کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ راس الشمرہ سے ایک برگ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے باہر روکا ہے لیکن اس کا کہنا ہے میں برا سلطان سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ایک بار قبل بھی حلب میں پ سے مل چکا ہے۔ وہ اپنا نام عمیس بن حران بتاتا ہے۔ عماد الدین نے کچھ دیر چارچوڑ کئے ہوئے اس نے کہا۔ ہاں ہاں اسے اندر بھیجو۔ فوراً میں اسے جانتا ہوں وہ ایک قوم پرست اور مذہب پسند انسان ہے۔ اس کی باتوں میں سرور و اطوار میں جذب ہے۔

پہریدار باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد عمیس خیمے میں داخل ہوا۔ عماد الدین نے عز الدین دونوں نے اٹھ کر عمیس سے مصافحہ کیا۔ عماد الدین نے چند لمحوں تک در سے عمیس کو دیکھا پھر کسی قدر مسکرا کر اس نے کہا۔ آج تمہارے چہرے پر وہ ہلے والی دھول نہیں۔ تمہارے عملے کے پیچ بھی ڈھیلے نہیں۔ تمہاری حالت اتنی ہے تم کوئی بڑی خبر نہیں لائے ہو۔

عماد الدین رکا اور دوبارہ عمیس کو مخاطب کر کے کہا۔ وہ تمہارا عقاب کدھر لڑا کر گیا۔ میں نے کہا تھا اسے کہنا اپنا لشکر لے کر ہمارے ساتھ آئے لیکن اس نے بائیں کیا۔ ہم نے اس کا انتظار بھی کیا۔ کیا وہ ہم سے اتحاد نہیں چاہتا اور اپنی

عالم میں تھے۔ بقول علامہ ابن اثیر قلعہ انارب کے صلیبیوں نے گویا مسلمانوں کا گلا بکڑ رکھا تھا۔

اس قلعہ کے نصرانیوں کی مسلمانوں پر ایسی وحشت چھائی ہوئی تھی کہ جب سلطان عماد الدین نے اس قلعے پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کیا تو سلطان کے اکثر امیروں نے اس حملے کی مخالفت کی تھی۔ انہوں نے دلیل پیش کی تھی کہ ایسی صورت میں مشرق کی تمام نصرانی حکومتیں ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں گی۔ جب کہ وہ کیلے ہیں۔ ان کی پشت ننگی اور بوقت ضرورت کوئی ان کے لیے کمک بن کر نہ آئے گا لیکن سلطان کا نامور جرنیل عز الدین، امیر حاجب صلاح الدین باغیسائی اور وزیر ابو جعفر سمعتی اور شدت کے ساتھ اس حملے کے حق میں تھے۔

سلطان خود بھی صلیبیوں پر ایک کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کر چکا تھا لہذا اس نے اپنے امیروں کے مشورہ کو پشت ڈال کر دشمن سے ٹکرا جانے کا عزم کر لیا تھا۔ حکومت کا کام چلانے کے لیے اس نے ابو جعفر کو اپنے پیچھے چھوڑا۔ باغیسائی کو اس کا مددگار مقرر کیا اور خود وہ عز الدین کو ساتھ لے کر قلعہ انارب کی طرف بڑھا اور اپنے لشکر کو قلعے کے چاروں طرف پھیلا کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یروشلم کے بادشاہ بالڈون کو جب یہ خبر پہنچی کہ عماد الدین نے ان کے قلعہ انارب کا محاصرہ کر لیا ہے تو اس نے فوراً اپنی مشاورت کی مجلس خاص کو طلب کیا۔ جس کا مقصد عماد الدین سے نیٹنے کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا تھا لیکن قلعہ انارب اس دور میں اس قدر مضبوط و مستحکم اور اس کے اندر صلیبی لشکر اس قدر جنگجو اور بیروت تھا کہ بالڈون کے اکثر امراء نے عماد الدین کے اس حملے کو کوئی اہمیت ہی نہ دی اور بالڈون کو مشورہ دیا کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ عماد الدین خود ہی قلعہ انارب سے اپنا سر ٹکرا ٹکرا کر واپس لوٹ جائے گا۔ لیکن ایک معمر اور جہاں نیدہ جرنیل نے بالڈون کو متنبہ کیا کہ عماد الدین کو نظر انداز کرنا اپنے آپ کو دھوکے اور اندھیرے میں رکھنے کے مترادف ہے وہ دوسرے مسلمان حکمرانوں سے مختلف ہے۔ وہ مذہب کا

تی سے پابند اور جنگی امور کا خوب شناسا ہے۔ اگر اس نے قلعہ انارب کو فتح کر نو ہمارے لیے اس کی حالت ایسے سیلاب اور ایسے طوفان جیسی ہوگی جو اپنے منے آنے والی ہر شے کو بہا اور اڑا لے جاتے ہیں۔ بالڈون اپنے اس جرنیل کی بقت آمیز باتوں سے متاثر ہوا۔ اس نے فوراً ایک زبردست لشکر تیار کیا اور قلعہ انارب کے صلیبیوں کے لیے روانہ کر دیا تھا۔



عماد الدین اپنے خیمے میں عز الدین کے ساتھ جنگی امور پر بات چیت کر رہے تھے۔ ان کا لشکر قلعہ انارب کے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا کہ ایک پہریدار یہ میں آیا اور عماد الدین کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ راس الشمرہ سے ایک بل آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے باہر روکا ہے لیکن اس کا کہنا ہے میں سلطان سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ایک بار قبل بھی حلب میں سے مل چکا ہے۔ وہ اپنا نام عمیس بن حران بتا رہے۔ عماد الدین نے کچھ چا پھر چمکتے ہوئے اس نے کہا۔ ہاں ہاں اسے اندھ بھجیو۔ فوراً میں اسے جانتا ہوں وہ ایک قوم پرست اور مذہب پسند انسان ہے۔ اس کی باتوں میں سرور اطوار میں جذب ہے۔

پہریدار باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد عمیس خیمے میں داخل ہوا۔ عماد الدین عز الدین دونوں نے اٹھ کر عمیس سے مصافحہ کیا۔ عماد الدین نے چند لمحوں تک سے عمیس کو دیکھا پھر کسی قدر مسکرا کر اس نے کہا۔ آج تمہارے چہرے پر وہ والی دھول نہیں۔ تمہارے علمے کے پیچ بھی ڈھیلے نہیں۔ تمہاری حالت آسے تم کوئی بُری خبر نہیں لائے ہو۔

عماد الدین رکا اور دوبارہ عمیس کو مخاطب کر کے کہا۔ وہ تمہارا عقب کدھر ڈکڑ گیا۔ میں نے کہا تھا اسے کہنا اپنا لشکر لے کر ہمارے ساتھ آئے لیکن اس نے نہیں کیا۔ ہم نے اس کا انتظار بھی کیا۔ کیا وہ ہم سے اتحاد نہیں چاہتا اور اپنی

الگ اور علیحدہ حیثیت برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو بھی ہم اس کی اعانت پر کمر بستہ رہیں گے۔ اگر ہم سے علیحدہ اور دور رہ کر وہ مسلم قوم کی بہتر خدمات انجام دے سکتا ہے تو ہم ہر جگہ اس کے ساتھ تعاون کا مظاہرہ کریں گے۔

عمیس نے جواب میں بولتے ہوئے کہا: یا سیدی آپ غلط سمجھے ہیں وہ آپ کے پاس آنے کو بے تاب ہے لیکن — لیکن کیا؟ جواب میں عمیس نے یوراکہ کے ہاتھوں وادی جبلہ پر گزر جانے والی داستان کہنی شروع کر دی تھی جب وہ یوراکہ کے حملے اور مسلمانوں کی تباہی کے احوال سنارہا تھا تو عماد الدین نے درد مندی سے کہا: تو کیا عامر بن نافع کا سارا لشکر جنگ میں کام آچکا ہے۔ وہ نہ تھا بے اور طیطوس کا بھائی یوراکہ جبلہ کی وادی پر قابض ہو چکا ہے۔ پھر عماد الدین نے دھک اور افسوس سے کہا: اس کا مطلب ہے اسے ہماری اعانت کی ضرورت ہے۔ ہائے حیف! ان حالات میں کیسے اور کیونکر میں اس کی مدد کر سکوں گا۔ جب کہ انارب پر میرے حملے سے ایک لشکر پر شکم سے، ایک انطاکیہ اور ایک قلعہ معرۃ النعمان اور حارم کی طرف سے ہم سے جنگ کرنے کے لیے کوچ کر رہا ہے۔ میں بمشکل تمام ان عساکر سے نمٹ سکوں گا۔ بہر حال مجھے سوچنے کی مہلت دو۔ شاید رب کریم میری رہنمائی کرے اور میں ایسی راہ نکالنے میں کامیاب ہو جاؤں کہ میں ان عساکر کو روکنے کے علاوہ عامر بن نافع کی مدد بھی کر سکوں۔

عماد الدین نے بے پناہ خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: فدا ہوں۔ فدا ہوں۔ فدا ہوں ایسے سرفروش پر جس نے صرف اڑھائی ہزار سے پندرہ ہزار کو ت و نابود کر دیا۔ سلام ایسے فرزند کو جس نے اپنا فرض خوب ادا کیا۔ احسنت فرین ایسے مجاہد کو جس نے جبلہ وادی کو دشمن کی گرفت سے نکال لیا۔ عماد الدین نے ذرا رک کر پوچھا: اب کون سی چیز عامر بن نافع کو ہمارے آنے سے مانع ہے کیا وہ ہم سے کوئی یقین دہانی چاہتا ہے۔ عمیس نے پھر اندازی کی یہ بات نہیں ہے میرے آقا! اس نے مجھے اس غرض سے آپ کی روانہ کیا تھا کہ میں آپ سے التماس کروں کہ آپ صلیبیوں کے خلاف جہاد کا کردیں اس طرح طیطوس اور دوسرے قلعوں کے عیسائی حاکم آپ کی طرف ہوجائیں گے اور مسلمانوں کو وادی جبلہ میں بسنے کا پھر موقع مل جائے گا۔ میں حذب گیا تھا وہاں سے خبر ہوئی کہ آپ انارب کی طرف کوچ کر چکے ہیں۔ لہذا دھر چلا آیا۔

عماد الدین نے کچھ سوچا پھر عمیس سے کہا: اچھا ہوا تم ادھر آگئے اب کہ ہم نے انارب پر حملہ کر دیا ہے وادی جبلہ محفوظ ہو گئی ہے کیونکہ قلعہ حارم لوس اور قلعہ معرۃ النعمان کا نصرانی حاکم ایک مشترکہ لشکر لے کر ہماری طرف سے ہیں۔ لہذا وہ وادی جبلہ کی طرف سے غافل ہیں۔ میں اس لشکر کی راہ روکتے ہیں آج ہی عز الدین کی کمانداری میں لشکر کا ایک حصہ روانہ کر رہا ہوں۔ حارم و النعمان کے متحد لشکر سے نمٹنے کے بعد عز الدین اس لشکر کی راہ بھی روکے گا لایکہ کی طرف سے آ رہا ہے۔ اس دوران میں انارب کا محاصرہ کیے رہوں گا۔

عمیس نے جواب میں بولتے ہوئے کہا: یا سیدی آپ غلط سمجھے ہیں وہ آپ کے پاس آنے کو بے تاب ہے لیکن — لیکن کیا؟ جواب میں عمیس نے یوراکہ کے ہاتھوں وادی جبلہ پر گزر جانے والی داستان کہنی شروع کر دی تھی جب وہ یوراکہ کے حملے اور مسلمانوں کی تباہی کے احوال سنارہا تھا تو عماد الدین نے درد مندی سے کہا: تو کیا عامر بن نافع کا سارا لشکر جنگ میں کام آچکا ہے۔ وہ نہ تھا بے اور طیطوس کا بھائی یوراکہ جبلہ کی وادی پر قابض ہو چکا ہے۔ پھر عماد الدین نے دھک اور افسوس سے کہا: اس کا مطلب ہے اسے ہماری اعانت کی ضرورت ہے۔ ہائے حیف! ان حالات میں کیسے اور کیونکر میں اس کی مدد کر سکوں گا۔ جب کہ انارب پر میرے حملے سے ایک لشکر پر شکم سے، ایک انطاکیہ اور ایک قلعہ معرۃ النعمان اور حارم کی طرف سے ہم سے جنگ کرنے کے لیے کوچ کر رہا ہے۔ میں بمشکل تمام ان عساکر سے نمٹ سکوں گا۔ بہر حال مجھے سوچنے کی مہلت دو۔ شاید رب کریم میری رہنمائی کرے اور میں ایسی راہ نکالنے میں کامیاب ہو جاؤں کہ میں ان عساکر کو روکنے کے علاوہ عامر بن نافع کی مدد بھی کر سکوں۔

عماد الدین جب رکا تو عمیس نے پھر بولتے ہوئے کہا: سیدی! میں نے اپنی داستان ختم نہ کی تھی۔ عماد الدین نے چونک کر پوچھا ابھی کچھ اور کہنا باقی ہے؟ ہاں سیدی! اس کے بعد عامر بن نافع نے دمشق اور قبائل بنو عبس و بنو زبان سے اڑھائی ہزار کا ایک لشکر مرتب کیا۔ اس لشکر کی مدد سے اس نے پہلے عیسائی بستیوں پر حملہ کر کے اپنی بستیوں کی تباہی اور بربادی کا خوب انتقام لیا۔ اس کے بعد اس نے یوراکہ کے لشکر کو دو حصوں میں بانٹ کر تباہ و برباد کر دیا۔ یوراکہ کے لشکر کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب تھی اور عامر بن نافع نے اس

سکا تو بھی دشمن آپ تک پہنچتے پہنچتے اپنی آخری سانس گن رہا ہوگا۔

عماد الدین نے ہمدردی اور شفقت سے کہا تم ایک رات ہمارے پاس آرام کرو اور کل یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ عمیس آگے بڑھا اور مصافحہ کے لیے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ سیدی! مجھے اجازت دیجئے۔ ایسے موقعوں پر در سکون کی نیند حرام ہے۔ میں یہاں سے روانہ ہوتا ہوں۔

عماد الدین اور عز الدین دونوں پھر کھڑے ہو گئے۔ عمیس نے دونوں سے کیا۔ پھر وہ خیمے سے باہر نکل اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنی منزل کی طرف رہا تھا۔



یروشلم سے بالڈون کے آنے والے لشکر کی طرف سے عماد الدین کچھ مطمئن ا۔ وہ جانتا تھا کہ عامر بن نافع اگر اس لشکر کو مکمل طور پر روک نہ سکا تو وہ اس بست کر نے میں کامیاب ضرور ہو جائے گا۔ اسی خیال کو مد نظر رکھتے والدین نے عز الدین کو لشکر کا حصہ دے کر انطاکیہ اور معرقہ النعمان و حارم ول کو روکنے پر لگا دیا تھا۔

رات کی تاریکی میں عز الدین اپنے حصے کے لشکر کو لے کر کوچ کر گیا تھا۔ انے اپنے لشکر کو پھیل کر انار ب کے چاروں طرف لگا دیا تھا تاکہ صبح ہوئے یہ محسوس نہ کرے کہ اس کے لشکر کا ایک حصہ کہیں روانہ ہو گیا ہے۔ اس عماد الدین نے انار ب کے قلعے پر پہلے سے بھی کہیں زیادہ تیر اندازی برآمد کر دیئے تھے۔

عز الدین بدقت رفتاری سے اپنے لشکر کے ساتھ مغرب کی طرف بڑھا تھا۔ لگی تھی کہ انطاکیہ کی طرف سے آنے والا لشکر اس خدشے کو مد نظر رکھتے ہوئے اسی کے اس پار ہی پڑاؤ کر چکے ہے کہ رات کی تاریکی میں کوہتانوں کے اندر ہوئے دشمن ان پر کوئی شب خون نہ مار سکیے لیکن عز الدین رات کی تاریکی

عمیس! عمیس! تم آج ہی واپس لوٹ جاؤ اور عامر بن نافع کو میرا پیغام دو کہ وادی جبیلہ اب محفوظ ہے۔ لہذا وہ وادی سے نکل کر اس الشمرہ کے مشرق میں اس شاہراہ پر نگاہ رکھے جو یروشلم کی طرف سے آتی ہے۔ جب یروشلم سے آنے والا لشکر اس الشمرہ سے آگے کو ہتائی سلسلے میں داخل ہو جائے تو وہ اس پر شب خون مارنے کا عمل شروع کر دے۔

عماد الدین نے غور سے عمیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جانتے ہو پھر کیا ہوگا۔ یروشلم سے آنے والے لشکر کی رفتار سست پڑ جائے گی۔ اس وقت تک میں کسی رات وقت نکال کر اچانک یروشلم سے آنے والے اس لشکر پر حملہ آور ہو جاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یروشلم کی طرف سے آنے والے لشکر میں سے کوئی ایک بھی زندہ بچ کر نہ جائے۔ میں بالڈون کو سبق دوں گا کہ ہم ایسا شیریں نوالہ نہیں ہیں جسے وہ جب چاہے چالے جب چاہے اگل دے۔ وہ قلعہ انار ب کو ناقابل تسخیر سمجھتے ہیں اور میں نے ان پر ثابت کرنا ہے کہ یہ قلعہ تو کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہمارے ایمانی جذبے کے سامنے سمندر اور کوہتائی چٹانوں تک کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں۔

تم کب تک میرا یہ پیغام لے کر عامر بن نافع کی طرف روانہ ہو سکتے ہو اسے کہنا بد سے بدتر حالات میں مایوس نہ ہونا۔ ہمارے رب کی رحمت و اعانت میرے ساتھ ہے۔ وہ ہمیں ہر امتحان اور ہم سے فز مند اور مسرخر و بنا کر نکالے گا۔ اس کی رحمت سے مایوسی گناہ ہے۔

بورٹھے عمیس نے چھاتی نکالتے ہوئے پرجوش لہجے میں کہا۔ یاسیدی! میں ابھی اور اسی وقت عامر بن نافع کی طرف روانہ ہوتا ہوں۔ انشاء اللہ عنقریب آپ تسلیں گے کہ یروشلم کی طرف سے آنے والے لشکر کے لیے ہم نے قلعہ انار ب کی طرف آنے والی شاہراہ پر خطر اور خاردار بنادی ہے۔ آپ اطمینان رکھیے۔ عامر بن نافع کھلے میدان میں یروشلم سے آنے والے لشکر کو اگر واضح شکست نہ

تہ بدل کر انارب کی طرف جا رہا ہے۔ جاسوسوں نے یہ بھی خبر دی کہ وہ
ہاں سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر ہے اور اگر کوہستانوں کے اندر ایک مختصر
فاصلہ کاٹا جائے تو طیطوس اور معرۃ النعمان کے متحدہ لشکر کو روکا جاسکتا ہے۔
دین نے اپنے لشکر کو وہیں روک دیا اور اپنے جاسوسوں کی راہنمائی میں اب
ہستانی سلسلے کے اندر ہی اندر شمال مشرق کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

برق کے کوندے کی سی تیزی کے ساتھ عزالدین نے کوہستانوں کے اندر
بل کا ایک چکر کاٹا اور دھوپ جب خوب تیز ہو کر نشیب و فراز پر ایک
پیل گئی تھی۔ عزالدین، طیطوس اور معرۃ النعمان کے لشکر کی راہ روک کر
ہو گیا تھا۔ طیطوس اور معرۃ النعمان کا ایک جرنیل اپنے لشکر کے آگے آگے
جب عزالدین نے ان کی راہ روکی تو طیطوس کے پاؤں تلے سے زمین نکل
۔ وہ سوچ بچی نہ سکتا تھا کہ کوہستانوں کے اندر مسلمانوں کا کوئی لشکر ایسی
ک صورت میں ان کی راہ بھی روک سکتا ہے۔

عزالدین کا اور دم لیے بغیر طیطوس کے اس متحدہ لشکر پر حملہ آور
طیطوس نے اپنے لشکر کو خوب جھاکر استقامت اور استقلال سے لڑانا چاہا
وہ کامیاب نہ ہوا کیونکہ عزالدین نے اس کے لشکر کے اندر گھس کر سارے
طام کو یوں درہم برہم کر دیا تھا جیسے کوئی بھوکا بھڑیا بکریوں کے باڑے
سے ایک پہل، بھگدڑ، کھلبلی اور افتاری برپا کر دے۔

عزالدین نے اس متحدہ لشکر کو یوں درہم برہم کر دیا تھا جیسے کوئی کرکشی
فی میں بھرا ہوا جنگلی سانڈ بھر بھری زمین کے کسی ٹیلے کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔
ان نے لاکھ کوشش کی کہ کسی طرح اپنے لشکر کے ساتھ جم کر لڑ سکے لیکن شیر
زالدین نے اس کی ہر تدبیر کو بے کار اور اس کے ہر حربے کو ناکام بنا دیا تھا۔
ایک ساعت کی جنگ کے بعد طیطوس اپنے لشکر کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔
دین نے تھوڑی دُور تک اس کا تعاقب کر کے اس کے لشکر پر مزید تباہی اور

میں اس درندے کی طرح انطاکیہ کے لشکر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جو تیز چلنے والا
ہواؤں سے گھاٹ پر پانی پینے والی ہرنوں کی بوسونگھ لیتا ہے۔

آدھی رات کے قریب عزالدین نے دریائے عاصی کو پار کر کے انطاکیہ
کے لشکر پر ایسا ہولناک شب خون مارا کہ دشمن کی آہ و فغان سے فضا میں
اُٹھی تھیں۔ ایک شور کا طوفان تھا جو اس وادی میں اُٹھ کھڑا ہوا تھا جس کے اندر
لشکر نے پڑاؤ کر رکھا تھا۔ عزالدین نے لمحوں کے اندر اس لشکر کو تہ تیغ کر کے
دیا اور لشکر کے بہت کم سپاہی اپنی جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو سکے تھے
عزالدین نے دشمن کے رسد اور خوراک کے ذخیرے اور ہتھیاروں پر قبضہ
لیا۔ دشمن کے ادھر ادھر بھاگتے ہوئے سینکڑوں گھوڑے عزالدین نے پکڑ لیا
ان پر رسد و خوراک اور ہتھیار لاد کر اپنے تین سپاہیوں کی حفاظت میں سلاط
کے پاس قلعہ انارب کی طرف روانہ کر دیے تھے۔

عزالدین نے دم نہ لیا۔ انطاکیہ کے لشکر کو برباد کرنے کے بعد وہ
کی طرف بڑھا۔ اب اس کا رخ طیطوس اور معرۃ النعمان کے متحدہ لشکر کی طرف
تھا۔ شاید رات ہی رات میں وہ ہر اس خطرے کا قلع قمع کر دینا چاہتا تھا جو
چل کر عمارت الدین اور اس کے لیے تکلیف اور پریشانی کا باعث بن سکتا تھا
انطاکیہ کے لشکر پر عذاب بن کر ٹوٹنے سے قبل ہی اس نے اپنے جاسوسوں
طیطوس کے لشکر کا کھوج لگانے کے لیے روانہ کر دیا تھا۔ رات بھر
جنوب کی طرف بڑی تیزی سے سفر کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ جیلہ ندی اور دریائے
کے سنگم پر پہنچ گیا۔ اب وہ ندی کے کنارے کنارے مغرب کی طرف قلعہ
کے رخ پر بڑھا تھا۔

دوسرے روز کا سورج جب طلوع ہوا تو عزالدین کے تین جاسوس
طرف کے پہاڑوں کے اندر سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے نمودار ہوئے اور انہوں
عزالدین کو اطلاع کی کہ طیطوس کو ہمارے اس لشکر کے کوچ کی اطلاع ہو چکی ہے

نت کہاں ہے۔ آنے والے جاسوس نے کہا۔ یوراکہ کو عامر بن نافع نے جنگ کے دوران زندہ گرفتار کر لیا تھا اور بعد میں اس نے یوراکہ کو قتل کر دیا تھا۔ طیطوس نے چہرے پر مرنی اور موت کی پرچھائیاں بکھر گئی تھیں۔ وہ خاموش رہا اور کوئی بات نہ دے سکا۔ اتنے میں معرۃ النعمان کے جرنیل نے طیطوس کو مخاطب کر کے کہا کیا ہمیں عامر بن نافع سے یوراکہ کا انتقام نہ لینا چاہیے۔ طیطوس نے بکتے ہوئے کہا۔ گو میرا بھائی قتل ہو گیا ہے اور مجھے اس کا انتقام لینا چاہیے۔

ن کے باوجود تمہارا مشورہ مجھوں اور غیر معقول ہے

یاد رکھو! عماد الدین نے انارب کا محاصرہ کر رکھا ہے اور انارب سے رخ ہوتے ہی وہ معرۃ النعمان یا حارم پر حملہ آور ہوگا۔ اگر ہم عامر بن نافع کے لاف الجھکے تو ہمارے اپنے قلعے غیر محفوظ ہو جائیں گے اور عماد الدین انارب پر اٹھ کر بغیر کسی مزاحمت کے ہمارے قلعوں میں داخل ہو جائے گا اس لیے عامر بن نافع کی طرف جانے کے بجائے اپنے اپنے قلعوں میں جا کر عماد الدین کے خلاف اپنے دفاع کو اور زیادہ مضبوط اور استوار کرنا چاہیے۔ گو قلعہ انارب اپنی مضبوطی لاثانی ہے اس کے باوجود یہ بھی یاد رکھو، عماد الدین بھی جنگی مہارت میں لاثانی ہے۔ قلعہ انارب کے محافظ زیادہ دیر تک اس کے سامنے نہ ٹھہر سکیں گے اور انارب کو زیر کرنے کے بعد عماد الدین کا رخ ہماری طرف ہوگا اور قبل اس کے کہ عماد الدین ہمارے قلعوں کے سامنے پڑاؤ کرے، ہماری فسیلوں پر کمندیں بھینکیں رہماری شہر پناہ کے دروازوں کو توڑنے کی کوشش کرے ہمیں اپنے اپنے دفاع مضبوط کر لینا چاہیے۔ بصورت دیگر عماد الدین کے سامنے ہماری حالت ایسی ہوگی جیسے طوفان کے سامنے پت جھڑکے مارے خشک اور آوارہ پتے۔ طوس اور اس جرنیل نے جو ہڑکے کنارے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا اور بعد ہو کر وہ اپنی اپنی منزلوں کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔



دیرانی طاری کی۔ اس کے بعد وہ جس برق رفتاری سے آیا تھا اسی برق رفتاری ساتھ وہ قلعہ انارب کی طرف کوچ کر گیا تھا۔ ایک لحاظ سے اس نے شمال اور انارب کی سمتوں کو محفوظ کر دیا تھا۔

طیطوس جب اپنے تباہ حال لشکر کو لے کر کوہتانوں کے اندر ایک جوہڑ کنارے رکھا تو ایک سوار اپنے سیاہ رنگ کے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا جنوب کی طرف آیا۔ طیطوس کے پاس اگر وہ اپنے گھوڑے سے اترتا اور ڈرتے ہوئے اس نے طیطوس سے کہا۔ میں آپ کے لیے ایک بُری خبر لایا ہوں۔ طیطوس نے سخت بیزاری کا کرتے ہوئے کہا۔ اس سے بڑھ کر اور بُری خبر کیا ہو سکتی ہے کہ ہمیں بدترین شکست ہوئی ہے۔ نہ جانے یہ کون مسلمان جرنیل تھا جس نے لمحوں کے اندر ہمیں اٹھارے اس بار آنے والے نے پریشان آواز میں کہا۔ میں یہ بُری خبر آپ کے کی طرف سے لایا ہوں۔ طیطوس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ تو یوراکہ کی طرف سے خبر لایا ہے۔ آنے والے نے غمزدہ آواز میں کہا۔ یوراکہ پر عامر بن نافع نے صرد اڑھائی ہزار کے لشکر کو لے کر حملہ کیا اور اس کے پندرہ ہزار کے لشکر کو موت گھاٹ اُتار دیا۔ طیطوس نے حیرت اور پریشانی میں کہا۔ یہ عامر بن نافع دوبارہ کیسے جی اٹھا۔ یوراکہ نے تو مجھے اطلاع بھیجوائی تھی کہ عامر بن نافع اس سے بڑھ کر تے ہوئے مارا گیا ہے۔ اس نے تو یہ بھی کہا تھا اس نے مسلمانوں کے لشکر تہ تیغ کر کے ان کی بستیوں کو ویران کر دیا ہے۔

نوار نے غمزدہ آواز میں کہا جس وقت یوراکہ نے وادی جبلہ پر چھا تھا عامر بن نافع وہاں نہ تھا۔ گو اس کا لشکر یوراکہ نے فلیٹ ونا بود کر دیا اس کے باوجود عامر بن نافع نے کہیں سے اڑھائی ہزار جوان جمع کر کے یوراکہ حملہ کیا اور اس کے لشکر کو تباہ کر دیا اور وادی جبلہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اب دوبارہ بڑی تیزی سے اپنی بستیوں کو آباد کر رہا ہے۔

طیطوس نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا اور میرا بھائی یوراکہ

لشکر کی رفتار ضرور سست کر دے گا۔ اس دوران عماد الدین کسی رات وقت نکال خود بھی آپ سے آملیں گے اور اس طرح یروشلم سے آنے والے اس لشکر کو عبرت خیز ست دی جاسکے گی۔ عماد الدین عز الدین کو اس کی مہم پر روانہ کر چکا ہوگا اور امید اب تک عز الدین اپنے ہدف پر ضرب لگا چکا ہوگا۔

عامر نے رکن الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ رکن الدین لشکر کو کوچ کی ری کراؤ۔ سارے خیمے ان چوروں پر لا دیے جائیں جو یوکر سے یہیں ملے ہیں۔ پانچ ایسے جوان مقرر کرو جو صرف سامان رسد اور خوراک سے لدے جانوروں کی اظت کرتے ہوئے لشکر کے پیچھے پیچھے آئیں گے۔ اس میدان سے اپنی ہر چیز الی جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم آدھی رات تک راس الشمرہ پہنچ جائیں۔ وہاں چند آدمیوں کو جنوب کی طرف روانہ کریں گے جو یروشلم سے روانہ ہونے والے لشکر قتل و حرکت کی اطلاع کرے گا۔

رکن الدین پیچھے ہٹ گیا اور لشکر کے کوچ کی تیاری کرنے لگا۔ عامر نے ہمیں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں بھی تمہیں ایک اچھی خبر دیتا ہوں۔ ہمارے رکی تعداد و کثرت سے بھی زیادہ ہو گئی۔ تمہارے بعد ہم ساری مسلمان بستیوں ٹھوم گھوم کر اذانیں دیتے رہے جن کی وجہ سے یوکر کے حملے میں بھاگے ہوئے مان اپنی اپنی بستیوں میں لوٹ آئے ہیں۔ میں نے ان میں خود اک کا ایک بڑا ذخیرہ جانور تقسیم کر دیئے ہیں اور انہوں نے دوبارہ اپنی بستیوں کو آباد کرنے کا کام رع کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے اپنے لشکر کے تین ہزار جوان بھی مل گئے۔ یہ ہمارے وہ لشکر ہیں جو یوکر سے جنگ کرتے ہوئے اس وقت بھاگ تھے جب نقیب اور سعد جنگ میں کام آگئے تھے۔ اب ہمارے لشکر کی دپانچ ہزار سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔

عامر خاموش ہو گیا کیونکہ کچھ پاپسی اس کا خیمہ اکھڑنے لگے تھے۔ عامر اور ان بھی ان کی مدد کرتے ہوئے کام میں لگ گئے تھے۔ سہ پہر کے قریب عامر اپنے

عمیس اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا وادی جبلہ میں خیموں کے شہر میں داخل ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی بستیاں جو پہلے مکمل طور پر تباہ حال اور خالی پڑی تھیں اب کچھ کچھ آباد ہو گئی تھیں حتیٰ کہ اس نے اسفیرہ کے باہر بھی کئی مرد عورتوں کو کام کاج میں مصروف۔ اس کے علاوہ بستی کے گھروں سے دھواں اٹھتا ہوا بھی دکھائی دے رہا تھا۔ عامر اور رکن الدین اسے اپنے خیمے سے باہر ہی مل گئے تھے۔

وہ دونوں دھوپ میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ عمیس کو دیکھتے ہی انہوں نے آپس میں گفتگو ترک کر دی اور عمیس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ عمیس ان کے قریب آکر گھوڑے سے اُترا۔ عامر اور رکن الدین نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا۔ عامر کے کچھ پوچھنے سے قبل ہی عمیس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ آپ اب وادی جبلہ کی طرف سے مطمئن ہو جائیے۔ اس کی طرف کسی کو اب دھیان دینے کا وقت ہی نہ ملے گا۔ میرے حلب پہنچنے سے قبل ہی عماد الدین قلعہ انارب پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ اب انطاکیہ، معرۃ النعمان اور حارم کے لشکر بھی انارب کے نصرانیوں کی مدد کے لیے انارب کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔ ان لشکروں کو روکنے کے لیے عماد الدین نے اپنے نامود جرنیل عز الدین کو روانہ کر دیا ہوگا۔ اب اور لشکر یروشلم کے بالڈون کی طرف سے انارب کی طرف آ رہے ہیں۔ اس لشکر کو روکنے اور اس کی رفتار سست کرنے پر عماد الدین نے آپ کو مقرر کیا ہے۔

عمیس رکا پھر وہ کہہ رہا تھا۔ یہ لشکر اس شاہراہ پر آئے گا جو راس الشمرہ سے دس میل مشرق میں یروشلم سے شمال بلاد کی طرف جاتی ہے۔ عماد الدین نے کہا ہے عامر بن نافع سے کہنا کہ وہ اس لشکر پر نگاہ رکھے۔ جب یہ لشکر راس الشمرہ سے آگے نکلے گا تو بتانی سبیلے میں داخل ہو تو اس پر شب خون کا عمل فرمادے کر دیا جائے۔ عماد الدین کا کہنا تھا کہ عامر اگر اس لشکر کی راہ قطعی طور پر روک نہ سکا تو کم از کم وہ

شکر کے ساتھ وادی جلد سے راس الشمرہ کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

گی۔ شکر ہے تمہ نے میرا حال تو پوچھ لیا۔ راشیل نے اور زیادہ شرماتے ہوئے کہا۔ آپ کا نہیں پوچھوں گی تو اور کس کا پوچھوں گی۔ عامر نے اصطبل کی طرف منہ کر کے کہا۔ عیس عم! اب ابھی جاؤ۔ یہاں کئی لوگ کھڑے تمہارا انتظار کر رہے ہیں اور آتی دفعہ میرے گھوڑے کی خرچین بھی لیتے آنا۔

تھوڑی دیر بعد عیس اصطبل سے نکلا اس کے ہاتھ میں عامر کے گھوڑے کی چرمی خرچین تھی۔ عیس نے نزدیک آ کر کہا۔ بیٹے! میں تمہارے گھوڑوں کو چاہہ ڈالنے لگ گیا تھا۔ راشیل نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ گھوڑا یا گھوڑے۔ عامر نے مسکرا کر کہا۔ عیس نے ٹھیک کہا ہے۔ میں اپنے ساتھ اپنے گھوڑے کے علاوہ دو گھوڑے اور لایا ہوں۔ یہ مالی غنیمت میں سے میرے حصے بن آئے ہیں۔ ہر سپاہی کے حصے میں دو گھوڑے آئے ہیں۔ نقدی اور دو ہراساں اس کے علاوہ ہے۔ اس کے علاوہ سلطان عماد الدین کے لیے میں نے عمدہ نسل کے پانچو گھوڑے بھی رکھے ہیں۔ اس طرح میرے ہاتھ جو خیمے لگے ہیں وہ بھی سلطان کے حوالے کر دیں گا۔ یوراک کو شکست دینے سے میرے ہر سپاہی کو اس قدر نقد ورجس کی صورت میں ملا ہے کہ وہ اس کے اور اس کے اہل خانہ کے لیے دو سال کا خرچ چلانے کے لیے کافی ہوگا۔ اس کے علاوہ کچھ سامان میں ان مسلمان بستیوں میں انٹ آیا ہوں جنہیں یوراک نے ویراں کیا تھا۔

میں نے اپنے شکر کے سپاہیوں سے کہہ دیا ہے کہ ان میں سے جو کوئی اپنے گھوڑے یا سامان بیچ کر اپنا بوجھ ہلکا کرنا چاہے تو کل راس الشمرہ کے بازار میں بیچ سکتا ہے۔ عامر سپاہیوں کی طرح میرے حصے میں بھی دو گھوڑے۔ کچھ نقدی اور خوراک کا سامان اور خوراک کا سامان گھوڑوں پر لدا ہے اور عیس کے ہاتھ میں اپنے گھوڑے کی خرچین کا طرف اشارہ کرتے ہوئے عامر نے کہا۔ اور نقدی میری اس خرچین میں ہے۔ اب اچاروں یہ فیصلہ کر دو کہ یہ نقدی مجھے کیسے دینا چاہیے۔

ماریہ فوراً بول پڑی۔ ہر چیز جو تم لائے ہو بیٹے! راشیل کو دو اب یہی اس

آدھی رات قریب راشیل کی آنکھ کھل گئی اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اسے ایسا لگا تھا جیسے سوہلی کے بیرونی دروازے پر کسی نے دستک دی ہو۔ کمرے میں چربی سے جلتے ہوئے دیے کی روشنی میں اس نے دیکھا اس کے کمرے میں ماریہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ اتنے میں دروازے پر تیز دستک ہوئی۔ اس بار ماریہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی اور راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ یوں لگا ہے بیٹی! جیسے سوہلی کے بیرونی دروازے پر کوئی دستک دے رہا ہے، آدھی رات کے وقت یہ عامر کے سوا کون ہو سکتا ہے۔

راشیل نے فوراً جوتا پہنتے ہوئے کہا۔ تم بیٹھی رہو ماں! میں خود دروازہ کھولتی ہوں اور دیکھتی ہوں کون ہے۔ ماریہ نے بھی جوتا پہنتے ہوئے کہا۔ نہیں بیٹی! رکو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ دونوں کمرے سے نکل کر جب برآمدے میں آئیں تو انہوں نے دیکھا آسما صحن میں کھڑا کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ دونوں پہچان نہ سکیں کہ کون ہے۔

راشیل سے رہا نہ گیا اور اس نے آسا کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ماموں کون ہے؟ آسانے خوشی کے اظہار میں کہا۔ عامر ہے بیٹی! میں اور عیس دستک سن کر دونوں اکٹھے دروازہ کھولنے آ گئے تھے۔ عیس عامر کے گھوڑے کو اصطبل میں باندھنے گیا ہے اور دونوں اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ آئے تو انکھے سوہلی کے اندر چلے گئے۔ ماریہ اور راشیل جھگڑا کر صحن میں آئیں۔ ماریہ نے عامر کو اپنے ساتھ لپٹا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ تیرا اللہ نگہبان بیٹے! راشیل نے عامر کے پہلو میں کھڑے ہوتے ہوئے اور کسی قدر شرارتی آواز میں پوچھا۔ آپ کیسے ہیں؟

عامر نے راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت آمیز انداز میں کہا۔ تم مجھ سے بات کرتے ہوئے یوں بچپن رہی تھیں کہ مجھے شک ہو رہا تھا تم مجھ سے بات ہی نہ کر

مہر سے آہنی خود آتار کر رکھتے ہوئے کہا۔ میرا لشکر اس اشرم سے پانچ میل شمال میں کوہستانوں سے گھری ہوئی ایک وادی کے اندر پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ اپنے لشکر میں ہی رہوں۔ میں کسی کے ذہن میں یہ وہم پیدا ہونے کا موقع نہ دینا چاہتا تھا کہ ہمیں جنگل میں پڑاؤ کرانے کے بعد سالار اپنے گھر چلا گیا ہے لیکن رکن الدین اور پھوٹے سالاروں کے مجبور کرنے پر میں گھر آ گیا ہوں۔ میں نے اپنے کچھ جوان یروشلم کی طرف جانے والی شاہراہ پر جنوب کی طرف روانہ کیے ہیں وہ مجھے اس لشکر کی اطلاع دیں گے جو قلعہ انارک کی طرف جانے کے لیے یروشلم سے روانہ ہوا ہے۔ کیوں کہ سلطان عماد الدین نے قلعہ انارک کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ یروشلم کا یہ لشکر سلطان کے خلاف حرکت میں آیا ہے اور سلطان عماد الدین نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس لشکر پر شب و دن مار کر اس کی رفتار سست کر دوں۔ جب میرے آدمی یروشلم کے لشکر کے متعلق مجھے اطلاع دیں گے میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔

راشیل عامر کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی اور جب اس نے عامر کے جوتے اتارنا بلایے تو عامر نے اپنے پاؤں اُپر کھینچتے ہوئے کہا۔ نہیں راشیل! تم ایسے تکلفات نہ کرو دھوڑ دو میں اپنے جوتے خود اتاروں گا۔ راشیل بچاری عامر کی ٹانگوں سے لپٹ گئی اور انتہائی پیار سے اس نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے لیے یہ امر اہلِ فخر نہیں کہ میں اس مجاہد کے جوتے اتاروں جس نے مذہب اور قوم کی خدمت میں اپنے دن رات ایک کر دیئے ہیں اور پھر یہ خیال میرے لیے اور زیادہ خوشی اور سرت کُن ہے کہ آپ میرے شوہر ہیں۔ آپ کی خدمت میرے لیے نیکی، سعادت و خوشحالی ہے۔

عامر خاموش رہا۔ راشیل نے اس کے جوتے اتار کر چمڑے کے موزے علیحدہ کیے فوٹی دیروہ اس کے پاؤں پر اپنے ہاتھ اور اس کے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان اپنی رب صورت انگلیاں پھیرتی رہی۔ پھر اس نے عامر کی زندہ اور تلوار کا چمڑے کا منطقہ تروایا اور ایک طرف رکھ دیا۔

گھر کی مالک ہے۔ راشیل نے فوراً عیس کے ہاتھ سے گھوڑے کی خرچین لے لی اس میں سے نقدی کی تین تھیلیاں اس نے نکال لیں اور خالی خرچین عیس کو تھمانے کے بعد اس نے نقدی کی تینوں تھیلیاں زبردستی ماریہ کو تھماتے ہوئے کہا۔ ماں! تم اس گھر کی بڑی ہو۔ ماں زندہ ہو تو بیٹی کو کاہے کی فکر ہے۔ عامر سے پوچھئے کہ یوراکہ کے لشکر میں میرے سگے ماں باپ مارے گئے تھے لیکن میں نے ان کی موت پر ایک آنسو نہ بہایا تھا۔ اس لیے کہ باپ سے تو مجھے پہلے ہی نفرت ہو گئی تھی ماں نے میرے مذہب کے خلاف ایسی غلط اور بے بنیاد باتیں کیں کہ میں اس سے بھی دور ہو گئی۔ اب تم ہی میری ماں ہو۔ لہذا عامر کی لائی ہوئی ہر چیز پر مجھ سے پہلے آپ کا حق ہے۔

عامر کے چہرے پر سکون پھیل گیا تھا۔ اس نے راشیل کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ راشیل! راشیل! تم نے اپنے رویے سے میرا سر بلند کر دیا ہے۔ اب تم دونوں ماں بیٹی اندر جاؤ۔ ہم تینوں گھوڑوں پر لے کر ہوئے خوراک کے سامان کو آتار کر اندر لاتے ہیں۔ ماریہ نزدیک آئی اور راشیل کے کان میں کچھ کہا جسے سن کر راشیل کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا تھا پھر ماریہ نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

عامر بیٹے! میں نے راشیل کو سمجھا دیا ہے۔ تم دونوں اندر جا کر آرام کرو۔ میں، آسا اور عیس تینوں بہن بھائی وہ سامان گھوڑوں سے آتار کر سنبھال لیتے ہیں۔ آسانے بھی زور دیتے ہوئے کہا۔ تم دونوں جاؤ میرے بچو! ہم سارے سامان کو سنبھال لیتے ہیں۔ عامر نے آسا کو مخاطب کر کے کہا۔ ماموں! اگر تم چاہو تو بیٹے گھوڑا اپنے پاس رکھ لو۔ اگر تم ان کی ضرورت محسوس نہ کرو تو بازار لے جا کر بیچ آنا۔ ماریہ، عیس اور آسا اصطبل کی طرف چلے گئے۔ راشیل نے عامر کا ہاتھ اپنے خوب صورت نرم اور گداز ہاتھ میں لے لیا تھا اور پھر وہ اسے اپنے کمرے کی طرف لے جا رہی تھی۔

اپنے کمرے میں لا کر راشیل نے عامر کو مسہری پر بٹھایا اور بڑے پیار سے پوچھا۔ اب کتنے روز گھر رہیں گے اور آپ کا لشکر اس وقت کہاں ہے۔ عامر نے اپنے

دل کا ایک جوڑا نکال کر اس نے عامر کی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ آپ یہ کپڑے بدل
، اتنی دیر تک میں آپ کے لیے کھانا لاتی ہوں۔

راشیل کے باہر جانے پر عامر اٹھا کپڑے بدلے اور پھر لحاف میں گھس کر
راشیل کا انتظار کرنے لگا تھا۔ راشیل پھر لوٹی اس بار اس نے پتیل کے طشت میں کھانے
، برتن لگا رکھے تھے۔ اس نے وہ طشت مسہری پر رکھتے ہوئے عامر سے کہا۔
نہ کھانا کھائیے۔

عامر نے کھانے کے برتنوں کی طرف دیکھا۔ برے کا بھنا ہوا گوشت، پنیر
تیاں، دودھ اور کھجوریں مختلف برتنوں میں سجا کر رکھی گئی تھیں۔ کھانے کے
اں کی ستھرائی اور سجاوٹ دیکھ کر عامر کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ وہ
دستی سے کھانا کھانے لگا۔ اور راشیل اس کے سامنے بیٹھ کر اسے میٹھی میٹھی
دل سے دیکھ رہی تھی۔



راشیل دوبارہ عامر کے پاس آئی اور پیار سے اس کے دونوں کندھے دباتے
ہوئے کہا۔ آپ نے شام کا کھانا کھایا تھا یا نہیں؟ عامر نے راشیل کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے
ہوئے کہا۔ کھانا کھایا تو نہ تھا پر تم رہنے دو۔ تکلیف نہ کرنا۔ رکن الدین بھی شکر
کے لیے کھانے کا انتظام کرنے لگا تھا۔ اس نے مجھے کہا بھی تھا کھانا کھا کر جائیں پر میں
کھلے بغیر ہی چلا آیا۔ راشیل نے بڑے پیار سے کہا آپ یہ کیوں سوچ رہے ہیں کہ آپ
کے کھانے کا انتظام کرتے ہوئے مجھے تکلیف ہوگی۔ کیا آپ کی خوشنودی آپ کی دیکھ
بھال میرے اڈل فرائض میں سے نہیں ہے۔ میں کیسے اور کیونکر برداشت کر سکتی ہوں۔
کہ آپ بھوک کی حالت میں رات بسر کریں۔ راشیل باہر نکلتی ہوئی بولی۔ میں ابھی آتی
ہوں۔ جاتے جاتے وہ عامر کے اڈپر لحاف ڈال گئی اور خود باہر نکل گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد راشیل دوبارہ واپس آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا
تھال اور مٹی کا ایک کوزہ تھا۔ تھال اس نے عامر کے پاؤں کے پاس رکھتے ہوئے کہا۔
میں پانی گرم کر کے لائی ہوں پہلے ہاتھ دھولیں۔ اس کے بعد میں آپ کے لیے کھانا
لاتی ہوں۔

راشیل نے خود نیم گرم پانی سے عامر کے ہاتھ پاؤں دھوئے اور جب وہ
انگوچھے سے عامر کا منہ اور ہاتھ پونچھنے کے بعد اس کے پاؤں خشک کر رہی تھی کمرے
کے باہر سے ماریہ کی آواز سنائی دی۔ راشیل! راشیل! ذرا باہر آؤ بیٹی! راشیل جب
باہر آئی تو اس نے دیکھا۔ دروازے سے ذرا پیچھے ہٹ کر ماریہ کھڑی تھی۔ اس
کے ہاتھ میں چمڑے کی خرچین تھی جسے اس نے راشیل کو تھماتے ہوئے کہا۔ یہ رکھ لو اس
میں عامر کے کپڑے ہیں۔ ان میں سے جو دھونے والے تھے وہ میں نے نکال لیے ہیں
اس کے گھوڑے سے میں نے اس کا بستر بھی اتار لیا ہے۔ وہ بھی میلا ہو رہا ہے آج
بھی صبح دھو ڈالوں گی۔

پھر ماریہ نے راشیل کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اب تم جاؤ جا کر آرام کرو
ماریہ آگے بڑھی اور ساتھ کے کمرے میں چلی گئی۔ راشیل دوبارہ اندر آئی اور خرچین سے

نکر یقیناً راس اشترہ سے گزر کر آگے بڑھ جائے گا۔ عامر نے بیتابی کا اظہار کرتے ہوئے
 با۔ تم تینوں لشکر میں پہنچو رکن الدین کو میرا پیغام دو کہ لشکر کو کھانا کھلا کر تیار رکھے اسے
 ناخیمے اکھاڑ کر چروں پر لاد دیے جائیں۔ میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔ اب
 فرداً لشکر میں پہنچو اور رکن الدین کو خبر کرو کہ اپنا کوچ مکمل کرے۔

وہ تینوں سوار اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ عامر مڑا
 نے دیکھا صحن میں راشیل کے ساتھ ماریہ، عیمیس اور آسا کھڑے تھے۔ عامر نے ان
 طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں جا رہا ہوں میرے امتحان کی ابتدا ہونے والی ہے۔ عیمیس
 آگے بڑھتے ہوئے کہا بیٹے! ہم سپاہیوں کے ساتھ تمہاری پوری گفتگو سن چکے ہیں ہم
 الباس تبدیل کرو۔ میں تمہارے گھوڑے پر زین ڈالتا ہوں۔

عامر بھاگ کر اندر آیا۔ راشیل بھی اس کے ساتھ تھی اور وہ اسے اس کا جنگی
 س پہننے لگی تھی۔ ماریہ بھی اندرائی اور عامر کا بستر لپیٹ کر باہر لے گئی عیمیس اور
 مادونوں اصطبل کی طرف چلے گئے تھے۔ عامر اور راشیل جب باہر آئے تو عیمیس
 رُسے کو تیار کر کے صحن میں کھڑا تھا۔ زین کے دونوں جانب خرچینوں کے علاوہ
 نا کھارا، کمان، تیروں سے بھرا ترکش، کند، بتر، ڈھال اور پانی کی جھاگل لٹک
 ے تھے۔ گھوڑے کے قریب ہی ماریہ اور آسا کھڑے تھے۔ عامر نے قریب آ کر عیمیس
 آسا سے مصافحہ کیا۔ ماریہ اور راشیل دونوں پر اس نے ایک الوداعی نگاہ ڈالی پھر
 اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور حویلی سے باہر نکل گیا تھا۔

عامر جب راس اشترہ سے پانچ میل شمال میں کوہستان سے گھری ہوئی اس
 میں آیا جس کے اندر اس کے لشکر نے پڑاؤ کر رکھا تھا تو اس نے دیکھا رکن الدین نے
 ر کو کوچ کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ خیمے اکھاڑ کر خچروں پر لاد دیے گئے تھے۔
 اور خوراک کا سامان بھی جانوروں پر لادا جا چکا تھا۔ لشکر کے اندر رکن الدین کے
 آکر عامر اپنے گھوڑے سے اُترا۔ رکن الدین نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے
 کہا۔ یا امیر! لشکر کوچ کے لیے تیار ہے۔ عامر نے رکن الدین کے کندھے پر



راس اشترہ میں راشیل کے پاس ٹھہرے ہوئے عامر کو تیسرا روز تھا۔ سہ پہر کے
 جب کہ سورج دن بھر اپنی غار نگاہ سے زمین پر سود و سحر کا نزول کرتا ہوا غروب ہو
 کو تھا۔ فضاؤں میں غم تھا نہ انبساط اور کائنات کی ہر شے کا جلوہ ادنیٰ حسن و شباب
 تاریکی سے بنگیر ہونے کو تھا۔ اپنے کمرے میں راشیل عامر کو کھانا کھلانے کے بعد اس
 کے ہاتھ دھلا رہی تھی۔ تین دنوں کی یہ وصالت راشیل کے لیے عامر کے ہمراہ دل دار
 ساتھیوں اور گلزار گھڑیاں تھیں۔

ہاتھ دھو کر عامر انگوچھے سے خشک کر رہا تھا کہ حویلی کے دروازے پر
 دتک ہوئی۔ عامر چونکا اور راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے ساتھیوں کے
 علاوہ ہمارے دروازے پر کون دتک دے سکتا ہے۔ یقیناً۔ یقیناً راشیل! وہ
 گھڑی آن پہنچی ہے جس کا میں تمہارے پاس ٹھہر کر انتظار کر رہا تھا۔ عامر بھاگ کر باہر
 آیا۔ اور جب اس نے دروازہ کھولا تو باہر اس کے وہی تین سوار کھڑے تھے جنہیں اس
 نے یروشلم کے لشکر پر نگاہ رکھنے کو روانہ کیا تھا۔ سواروں کو دیکھتے ہی اس نے پوچھ لیا۔
 میرے ساتھیو! تم میرے لیے کیا خبر لائے ہو؟ ان میں سے ایک نے کہا۔
 امیر! یروشلم کا لشکر اس وقت راس اشترہ سے پانچ میل جنوب کی طرف ہو گا۔ ہم
 ماریہ راس اشترہ کے آگے آئے ہیں۔ سورج غروب ہونے کے تھوڑی دیر بعد یہ

اتھا۔

ان حالات میں یروشلم سے آنے والے لشکر کے سالار پرمیس کو کس سے خطرہ اور ہو سکتا تھا۔ لہذا وہ بے دھڑک دبے خوف شمال کی طرف بڑھتا رہا۔ جب وہ راس سے آگے پانچ میل شمال میں کوہستانی سلسلے میں داخل ہوا تو عامر اپنے لشکر کے ساتھ رہنگاہ رکھتے ہوئے کوہستانوں کے اندر ہی اندر اس طرح اس کے متوازی چلنے لگا تھا۔ راج کوئی سانپ کسی مسافر کو اچانک دس لینے کی خاطر راستے کے کنارے کی جھاڑیوں سے چھپ کر اس کا تعاقب کرتا ہے۔ ایسی ہی حالت پرمیس اور عامر کے درمیان۔ عامر کو امید تھی کہ پرمیس اپنے لشکر کے ساتھ کہیں پڑاؤ کرے گا لیکن ایسا نہ ہوا، شاید دن کے وقت ہی قیام کر کے اپنے لشکر کی خوراک کا بندوبست کر چکا، لہذا وہ کہیں بھی رکنے کا نام نہ لے رہا تھا اور شمال کی طرف بڑھتے ہوئے اب اس کی رفتار پہلے کی نسبت تیز کر دی تھی۔

راس اشمرہ سے دس میل شمال میں جبکہ پرمیس کا لشکر پہاڑوں سے گھرے ایک کھلے میدان میں داخل ہو رہا تھا۔ عامر اپنے پانچ ہزار کے لشکر کو لے کر کہیں گاہ کر پرمیس کے لشکر کی پشت پر آیا۔ پرمیس اپنے لشکر کے آگے آگے تھا۔ رات اور خاموش تھی اور اس تاریکی اور خاموشی میں عامر نے ہولناک شب خون مارا وہ کے لشکر کے اس حصے پر حملہ آور ہوا تھا۔ جو ابھی کھلے میدان میں داخل ہو

اس اچانک اور زوردار شب خون نے رات کے سردنائے میں ایک کہل نہ کھڑا کر دیا تھا۔ عامر نے پرمیس کے ہزاروں سپاہیوں کو کاٹ کر میدانِ سرخ پر پرمیس کے لشکر پر خوف و ہراس کی ایک لہر اور خطرات و ہلاکت کی موج کی قبل اس کے پرمیس پلٹ کر عامر کے خلاف اپنے لشکر کو حرکت میں لاتا عامر بولے کہ بائیں طرف کے کوہستانی سلسلے کے اندر روپوش ہو گیا تھا۔ پرمیس کی نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد عامر نے شمال کی طرف بڑی برق

باتھ رکھتے ہوئے کہا۔

رکن الدین! پانچ سو جوانوں کو علیحدہ کر دیا اور انہیں کہو کہ فالتو گھوڑے، بکریوں کا ریوڑ اور سرد و خوراک سے لدی خچروں کو لے کر کوہستانوں کے اندر دیر سے عاصی کے متوازی شمال کی طرف بڑھتے رہیں۔ ہم بوقت ضرورت وقتاً فوقتاً ان سے ربط و تانسب پیدا کر لیا کریں گے۔ رکن الدین نے فوراً پانچ سو آدمیوں کو علیحدہ کیا اور انہیں فالتو گھوڑوں، بکریوں کے ریوڑ اور سامان سے لدی خچروں کے ساتھ شمال کی طرف کوچ کر دیا تھا۔ خود عامر تقریباً پانچ ہزار کے لشکر کو لے کر مشرق کی طرف بڑھا۔ دریائے عاصی کو عبور کیا اور ہر لمحہ گری اور بھانک ہوتی تاریکی میں وہ اس سیاہ کوہستانی سلسلے میں داخل ہو گیا تھا جس میں سے ہو کر یروشلم کی طرف سے آنے والی شاہراہ دور شمال میں انطاکیہ کی طرف چلی گئی تھی۔

یروشلم کے عیسائی حکمران بالٹون کا لشکر جس کا سالار ایک نامور نائٹ پرمیس تھا اپنے لشکر کو لے کر بے فکری کے عالم میں راس اشمرہ کے مشرق میں دس میل کے فاصلے پر شمال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ راستے میں پڑنے والے کسی بھی شہر کے مسلمان حکمران میں اتنی قوت نہیں کہ وہ کھلے میدان میں اس کی راہ روکنے کی جرات کرے۔ راس اشمرہ کی فوجی قوت نہ ہونے کے برابر تھی۔ دمشق کے حکمران تاج الملوک بوری کے پاس ایسا لشکر کہ وہ یروشلم کے عیسائی حکمران سے تعلق بگاڑ سکے۔

عالم اسلام پر بگاڑ اور انتشار کا عالم تھا۔ ایک عماد الدین ہی تھا جس نے کفار کے سامنے اپنی چھاتی تان کر مذہب و ملت کی خاطر لبیک پکارتا تھا۔ بغداد کا خلیفہ مترشد باللہ قوت رکھنے کے باوجود خاموش تھا۔ خراسان کا طاقتور سلجوقی ترک سلطان سنجر اپنی خانگی سازشوں کا شکار تھا جب کہ مہدان اور اس کے نواح کا متقی اور شیر دل مسلمان سلطان جسٹون سلطان محمد مہدان میں بیمار پڑا ہوا تھا۔ بہر حال عالم اسلام پر ایک ناگوار سی خاموشی اور ہولناک سکوت چھایا ہوا تھا۔ اس خاموشی اور سکوت میں اکیلا عماد الدین جو کبھی صرف موصل کا گورنر تھا طبل کی آواز اور قرنا کی ہولناک صدا بن کر

نے بڑھے تھے اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اپنی جانیں بچانے کی خاطر واپس
ماگے تھے۔ عامر ایک بار پھر اپنا آپ بچا کر اور اپنے سارے لشکر کو سمیٹ کر نکل گیا
۱۔ پریمیس نے ان حالات کے پیش نظر اپنے لشکر کو روک کر پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا
تھا۔ شاید وہ ایسے ہی کسی اور شیب خون کا سامنا نہ کرنا چاہتا تھا۔

پریمیس نے وہ رات خوب چوق و چو بندرہ کر دیں گزاری۔ دوسرے روز
نے پھر کوچ کیا اور شمال کی طرف بڑھنا شروع کیا لیکن اب اس کی رفتار پہلے سے
ہلکتی تھی۔ دوپہر کے قریب جب کہ عامر اور پریمیس دونوں ایک دوسرے کی
ہوں سے اوجھل اور متوازی شمال کی طرف بڑھ رہے تھے سامنے سے سلطان علاء الدین
لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور بغیر کسی توقف کے وہ یروشلم کے لشکر پر حملہ آور ہو
تھا۔ عامر بھی اپنے لشکر کے ساتھ گھات سے نکل کر دشمن پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اسے خبر ہو
تھی کہ سلطان خود حملہ آور ہو گیا ہے۔

علاء الدین نے جہاں روشن کر دینے والے فیض نور شید اور عالم تاب کا سماں
دینے والے نیر درخشاں کی طرح دشمن پر نزول کیا تھا۔ گھپ اندھیرے اور
سان مسافت میں سنگین موت اور مہلک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ علاء الدین اپنے
کا قہر و غلاب بن کر ٹوٹا تھا اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ اپنے زندہ عزم اور معجز
ی میں وفا کے نئے مضمون، خلوص کی نئی وہ تائیں، سرفروشی کی دلچسپ مہمیں اور
عت کی بے مثل حقیقتوں کو جنم دے رہے تھے اور اس کی اللہ اکبر کی صدائیں صور
فیل کی آواز کی طرح دشمن پر گری تھیں۔

دوسری طرف عامر بھی ایسی خود فراموشی اور التہاب و جنون کے ساتھ حملہ آور
تھا کہ اپنی سرمستی و فائز ناک میں وہ دشمن کے سپاہیوں کو موم کے بہروں کی طرح
ماچلا گیا تھا۔ دوسری طرف پریمیس نے بھی اپنی پوری سازش و ترغیب کے
تہ حملہ کیا تھا لیکن برق تمثال مسلمان مجاہدوں نے اس کی اصنام خیالی اس کے خمیر
زور و فریب اس کی سرشت کے دغا و فریب اس کے گستاخ و اندھے ضمیر

رفتاری سے سفر کیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ پریمیس کے پانچ میل آگے شمال کی طرف چلا گیا۔
تھا۔ یہاں وہ اپنے دوسرے شیب خون کی تیاری کر چکا تھا۔ شاہراہ کے کنارے ایک
بلند پہاڑ کے اوپر اس نے اپنے دو ہزار تیر اندازوں کو خوب مسلح کر کے گھات میں بٹھادیا
تھا۔ اور خود ایک پہاڑ کی اوٹ میں ہو کر وہ پریمیس کی آمد کا انتظار کرنے لگا تھا۔

پریمیس نے اب اپنے لشکر کی رفتار سست کر لی تھی۔ جہاں پہلے وہ بیابان
بے خطر ہو کر آگے بڑھ رہا تھا وہاں اب وہ بھیڑیے کی طرح سونگھ سونگھ کر قدم اٹھا رہا
تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ شاہراہ ایسی ویران نہ تھی جتنی اس نے سمجھی تھی اور یہ کہ
مسلمان اس کے کوچ اور آمد سے مطلع ہیں۔

اپنی ساری قوتوں اور حواس خمسہ کو بیدار رکھتے ہوئے پریمیس جب پانچ میل
اور شمال کی طرف بڑھا تو اس بار عامر گھات سے نکل کر لشکر کے ہراول دستوں پر حملہ آور ہوا۔
گو پریمیس نے اپنے لشکر کو مقابلے کے لیے فوراً سنبھال لیا تھا پھر بھی عامر نے اپنے تین
ہزار ساتھیوں کے ساتھ پریمیس کا خاصا نقصان کر دیا تھا۔ مسلمان مجاہد عامر کی سرکردگی
میں لگاتار تکبیریں بلند کرتے ہوئے دام بہرنگ زمین بن کر ٹوٹ پڑے تھے۔ پریمیس کے
ہراول دستوں میں ورد آشامی، جگر آشوبی اور مرغ پرند کی سی کیفیت چھا گئی تھی۔

عامر نے جب دیکھا کہ یروشلم کا پورا لشکر سمٹ کر اس پر ٹوٹ پڑنے کو ہے
تو اس نے لشکر کو پسپا ہونے کا حکم دے دیا۔ پریمیس اپنے لشکر کے وسط میں چلا چلا کر
شب خون مارنے والوں کا تعاقب کرنے کو کہہ رہا تھا۔ پریمیس کا لشکر تعاقب کرنے کے
لیے جب ٹوٹ کر آگے بڑھا تو کوہتان کے اوپر گھات میں بیٹھے ہوئے عامر کے دو ہزار
سپاہیوں نے اللہ اکبر کی صدائوں سے یہ اندازہ لگاتے ہوئے کہ ان کا لشکر کہاں تک ہے
دشمن پر تیز زوں کی تیز اور انتہائی خطرناک باڑھیں ماننا شروع کر دی تھیں۔

پریمیس کا حلق و تھل میں دیا ہوا تعاقب کرنے کا حکم اس کے لیے آتش ناک
اور جزونی اور حقیقتی ثابت ہوا تھا۔ تیز زوں کی تیز بارش نے اس کے لشکر میں حشر کے طغیانی
و غروب کا سماں پیدا کر دیا تھا۔ یروشلم کے لشکر کی جس تیزی سے تعاقب کرنے کے لیے

اسلحہ کے ذخیروں کا جائزہ لیں پھر یہاں سے کوچ کریں۔ میرے ایک جرنیل زالدین نے آثارب کا محاصرہ جاری رکھا ہے اور میں بہت جلد واپس پہنچا چاہتا ہوں۔ عمادالدین نے تھوڑی دیر اس میدان میں قیام کیا۔ دشمن کے گھوڑوں اور بہگاہ کو اس نے سمیٹ لیا۔ اتنی دیر تک عمار کے وہ پانچ لشکر بھی پہنچ گئے جو امان کی حفاظت کر رہے تھے اس کے بعد عمادالدین عمار کو اپنے ساتھ لے کر انارک طرف برق رفتاری سے کوچ کر گیا تھا۔



رات گری ہو گئی تھی جب عمادالدین اور عمار انارک پہنچے تھے۔ عزالدین جن سختی سے قلعہ انارک کا محاصرہ کر رکھا تھا خود عمادالدین کے استقبال کو آگے بڑھا اور عمار کے لشکر جب اپنے خیمے نصب کر رہے تھے۔ عزالدین ان دونوں پاس آ کر اپنے گھوڑے سے اتر کر عمار نے دیکھا وہ ایک بلند قامت عظیم المرتبہ اعلیٰ شخصیت کا انسان تھا۔ عزالدین نے جب آگے بڑھ کر اور اپنے سر کو جھکاتے ہوئے عمادالدین سے مصافحہ کیا تو عمار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عمادالدین نے کہا۔

الدین! جانتے ہو، یہ کون ہے؟

عزالدین سیدھا کھڑا ہوا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ سرحدی عقاب عمار بن ع کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ عمادالدین سے مصافحہ کرنے کے بعد عزالدین آگے ما اور عمار کو لگے لگاتے ہوئے بولا۔ میں آپ کے آثارب کے اس محاصرے میں مل ہونے پر مبارک دیتا ہوں۔ عمادالدین بھی آگے بڑھا اور ان دونوں کے شانوا اتر رکھتے ہوئے۔ لشکر کو آج کی رات آرام کرنے دو۔ کل سے ہم قلعہ انارک پر ملکہ حملہ شروع کریں گے۔ ایسے قلعوں کے محاصرہ کو طول دینے کے لیے ہمارے وقت نہیں ہے۔ میں صرف ایک دو یوم کے اندر اس قلعے کو اپنی گرفت میں لے لے قلعہ حارم کی طرف بڑھنا چاہتا ہوں۔

عزالدین! تم عمار کے قیام کا انتظام کرو۔ ہم نے یرشلیم کی طرف سے

اور شیطانی ارادوں پر ایسی کاری ضرب لگائی تھی کہ اپنے لشکر کے لیے حملوں اور گونجوں تکبیروں میں انہوں نے رزم گاہ میں یرشلیم کے لشکر کو پراگندہ و فرومایہ کر دیا تھا۔ پرمیں زیادہ دیر تک جہم نہ سکا ایک طرف سے عمادالدین نے اور دوسری طرف سے عمار بن نافع نے اس کے لشکر کی ایسی کاٹ پھانٹ اور ترانہ غراش کی تھی کہ ان کو ہتھانوں کے اندر پرمیں اور اس کا پورا لشکر قتل کر دیا گیا تھا۔ میدان دشمن کی لاشوں سے اٹ گیا اور بقول علامہ ابن خلدون ستر برس بعد تک وہاں انسانی ہڈیوں کے ڈھیر دکھائی دیتے رہے تھے۔

جنگ جب ختم ہوئی تو عمار سلطان عمادالدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عمادالدین چند لمحوں تک اسے بغور دیکھتا رہا۔ عمار کے کپڑے بڑی طرح نکل آ رہے تھے اس کی تلوار سے ابھی تک نکل نکلی رہا تھا اور اس کے چہرے پر فتح کی شادمانی اور بھروسہ انتہا کا جلال تھا۔ عمادالدین کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ سیدی! میں غاسک و کمترین عمار بن نافع آپ کو فتح کی مبارک باد دیتا ہوں۔

عمادالدین کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اپنی تلوار اس نے نیام میں کر لیا آگے بڑھ کر عمار کو اس کے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ اے فرزند بلند! تو نے دشمن ایسی ضربیں لگائیں جن کی میں نے توقع کی تھی۔ میں دیکھتا ہوں جیسا کہ عمار بن نافع نے کہا تیرے لشکر کی تعداد مجھے بتائے ہوئے ہندسوں سے زیادہ لگتی ہے۔ عمار نے بڑی انکساری سے کہا۔ سیدی! اس وقت میرے پاس ساڑھے پانچ ہزار کاٹ ہے۔ میرے پاس آپ کے لیے پانچ سو عمدہ گھوڑوں کے علاوہ خوراک، رسد اور ہتھیار سے لدی ہوئی آن گنت چھریں ہیں۔ یہ سارا سامان میں نے دشمن سے چھینا ہے۔ اس کے علاوہ میرے پاس بکریوں کا ایک بڑا ریوڑ بھی ہے۔ میرے پانچ سپاہی اس سامان کو بحفاظت لا رہے ہیں۔ میں نے اپنے چند ساتھیوں کو انہیں نفع خبر دے کر بھیجا ہے۔ تھوڑی دیر تک وہ ہیں ہم سے آن ملیں گے۔ عمادالدین عمار کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ آؤ پہلے دشمن کے آواہ گھومتے گھوڑوں۔ اس کے خوا

نے دیکھا کہ تھوڑی دیر تک دروازہ ٹوٹ کر گرنے والا ہے تو انہوں نے خود دروازہ
درقلعے سے باہر نکل کر اسلامی لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ انہیں اُمید تھی کہ وہ مسلمانوں
کو ہٹا کر نیا دروازہ نصب کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن انہیں مایوسی
کھلے میدان میں مسلمانوں نے چند ہی لمحوں میں انہیں عبرت ناک شکست دی۔
مدین اپنے لشکر کے ساتھ فتح کا پرچم بلند کرتا ہوا قلعے میں داخل ہوا۔ تمام باغیوں
شوں کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی اور قلعہ آثارب پر اس نے قبضہ

آثارب میں چند روز قیام کر کے یہاں کے حالات احوال درست کرنے کے
والدین، عامر اور عمار الدین کے ساتھ قلعہ حارم کی طرف بڑھا۔ طیطوس کو پہلے ہی
کہ عمار الدین آثارب کو زیر کرنے کے بعد اس کی طرف بڑھے گا۔ لہذا اس نے قلعے
پرہ کر مقابلہ کرنے کے بجائے کھلے میدان میں جنگ کرنے کو ترجیح دی۔ آثارب کے
ت خودہ سپاہی بھی اس کے پاس پہنچ گئے تھے۔ اس کے علاوہ معرۃ النعمان اور
برکی طرف سے بھی اسے کمک مل چکی تھی لہذا وہ شیر ہو گیا تھا۔

عمار الدین اپنے لشکر کے ساتھ فجر سے تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچا اور طیطوس
ماننے خیمہ زن ہوا۔ طیطوس نے مسلمانوں کو آرام کرنے اور ستانے کا موقع نہ دیا
ن کے آتے ہی اس نے اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دیں۔ عمار الدین کا لشکر پہلے
راچانک حملے کے لیے تیار تھا لہذا انہیں اپنی صفیں درست کرنے میں کوئی دیر نہ
ملی۔ عمار الدین نے قلب اپنے پاس رکھا۔ میسرہ پر عمار الدین اور خیمہ پر عامر کو رکھا
اپنے لشکر کو تین حصوں میں بانٹنے کے بعد عمار الدین جنگ کے لیے تیار ہو گیا تھا۔
اکے لشکر میں ابھی تک برابر پبل، نقارے اور ذہیں بج رہی تھیں۔

اس شور و غل کے طوفان میں اچانک عامر اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے اپنے قلب
ادالدین کے پاس آیا۔ چند ثانیوں تک وہ بڑی رازداری سے سرگوشی کی حالت میں
الدین سے گفتگو کرتا رہا۔ پھر شاید ان دونوں میں کوئی معاملہ طے پا گیا تھا۔ کیونکہ

آنے والے لشکر کا مکمل صفایا کر دیا ہے۔ اس جنگ میں ہمارے ہاتھ کافی سامان لگا ہے
اسے بھی سنبھالنے کے انتظامات کرو۔ عمار الدین اپنے خیمے میں چلا گیا تھا جب کہ
عمار الدین عامر کا ہاتھ پکڑ کر اس طرف جا رہا تھا جہاں عمار الدین اور عامر کا متحدہ لشکر
خیمہ زن ہو رہا تھا۔

دوسرے روز عمار الدین نے جنگ کا ایک نیا طریقہ وضع کرتے ہوئے چھوٹی
چھوٹی منجلیقیں بنوائیں اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر اس نے لوگ کھڑے
بڑے الاؤ روشن کر دیئے تھے۔ قلعہ آثارب میں محصور صلیبی عمار الدین کی ان حرکات
کو تحسین اور جستجو کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ انہیں یہ خبر بھی ہو گئی تھی کہ
عمار الدین نے انطاکیہ، حارم، معرۃ النعمان اور یرشلیم کی طرف سے ان کی مدد کے لیے
آنے والے لشکروں کا صفایا کر دیا ہے۔ لہذا ان میں بددلی پھیل گئی تھی۔ پھر بھی
وہ اپنے قلعہ کی مضبوطی اور اس کے اندر ایک بھرپور فوجی قوت کی وجہ سے ہر حملے کا
مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ وہ جانتے تھے کہ انہوں نے سرحدی مسلمانوں سے
ناروا سلوک کیا ہے لہذا عمار الدین سے انہیں بہتر سلوک کی اُمید نہ تھی۔ انہوں نے
قلعہ کے برجوں میں اپنے لشکریوں کی تعداد بڑھا کر عمار الدین پر گہری نگاہ رکھنی شروع
کر دی تھی۔

جب لوہے کے پترے چڑھی ہوئی چھوٹی منجلیقیں تیار ہو گئیں تو عمار الدین
اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا۔ اس نے اپنے پورے لشکر کو شہر کے جنوبی دروازے
کے سامنے جمع کیا۔ لشکر کے اس نے تین حصے کیے۔ ایک حصے کو عمار الدین کی طرف
میں دروازے کے دائیں طرف اور دوسرے کو عامر کی سرکردگی میں بائیں طرف رکھا۔
لشکر کا تیسرا حصہ عمار الدین نے اپنے پاس رکھا اور اس لشکر کی مدد سے اس نے بھڑک
الاؤ کی آگ چھوٹی منجلیقوں کے ذریعے قلعے کے دروازے پر پھینکنا شروع کی۔ اس کا
خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور دروازے کو آگ لگ گئی۔

محصورین نے آگ پر قابو پانے کی انتہائی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ جب

دشخت کی سی سختی ایک ساحرانہ وحشی پن، دل گشتگی حسرت خیزی اور موت لہرے دبیز سائے عامر کے چہرے پر چھا گئے تھے۔ طیطوس کے خیالات کا شیرازہ کیا تھا۔ لڑنے کا یہ انداز اس کے لیے نیا اور ناخوشگوار تھا۔

طیطوس نے کوئی فیصلہ کیا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ عامر پر حملہ آور۔ عامر نے اس کے حملے کو روک لیا اور دوبارہ وہ اپنے گھوڑے کو گول چکر میں اپنے لگا تھا۔ طیطوس اپنی ناکامی پر فرار مرقہ جیسا اُداس ہو گیا تھا۔ اس موقع پر گھوڑے کو بھگاتا ہوا عامر اسے اپنی مرگ مہم لگ رہا تھا۔ اپنا گھوڑا بھگاتے بھگاتے عامر نے چلا کر کہا۔

سُن طیطوس! اس میدان میں آج تجھے اپنے جدال و قتال کا حساب اور سارے مکر و فریب کی گنتی دینا ہوگی۔ طیطوس! اس تماشہ کا وہ عالم میں آج ہیں رگ میں دوسو سول کی آماجگاہ اور تیرے بیمار دل کو پرگندہ و فرومایہ کردوں گا۔ کے ساتھ ہی عامر نے کسی آوارہ امبرا در بھلی کی سی بے قراری کے ساتھ اپنے گھوڑے بڑا اور طیطوس پر حملہ آور ہوا۔ طیطوس بھی فوراً پناہ دفاع کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ عامر نے ایک خطرناک اور دشخت خیز وار اپنی تلوار کا کیا تھا۔ طیطوس نے فی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس وار کو اپنی ڈھال پر لیا تھا۔ اس کے ساتھ عامر نے طیطوس پر اپنی ڈھال دے ماری۔ طیطوس نے فوراً عامر کی تلوار سے اپنی علیحدہ کر لی اور عامر کی ڈھال کو اس نے اپنی ڈھال پر روک لیا تھا۔ یہی طیطوس کی ن تھی کہ عامر کی تلوار فارغ ہو گئی تھی۔ گو صرف یہ مہلت دلو لمحہ تھی لیکن اس مہلت عامر تقدیر کے ترکش کا تیر بن کر دوبارہ طیطوس پر گرا۔ اس نے اپنی تلوار لہرا کر حملہ لیا تھا۔ طیطوس کی ڈھال مصروف تھی اس نے اپنی تلوار پر عامر کی تلوار کو روکنا چاہا۔ ناکام رہا۔ عامر کی تلوار ترچھی ہو کر برسی اور طیطوس کی زہ کاٹ کر اس کے دل پر تلی چلی گئی تھی۔ طیطوس اپنے گھوڑے سے گر کر دم توڑ گیا تھا۔

جونہی عامر لوٹ کر اپنے لشکر میں آیا عمار الدین نے عامر کو روک دیا تھا۔

عمار الدین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ جیسے وہ عامر کی گفتگو پر مطمئن ہو گیا ہو۔

عمار الدین سے ہٹ کر عامر اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا دونوں لشکر کے درمیان آیا۔ اپنے دونوں ہاتھوں میں اپنی تلوار اور ڈھال فضا میں بلند کر کے اپنے زور دار آواز میں کہا۔ اے قلعہ حارم کے لشکر یو! اپنے حاکم طیطوس کو خبر کرو میں طوطی جیلہ کا عامر بن نافع ہوں۔ میں نے اس کے لشکر کو کئی بار شکست دی اسے کہو میں ہی وہ عامر بن نافع ہوں جس نے اس کے بھائی یوراک کو قتل کیا اور اس کی منگیتر راکشیل اب میری بیوی ہے۔ اسے کہو میدان میں اترے اور اپنے بھائی یوراک کا انتقام مجھ سے لے۔ اگر وہ بے حمیت نہیں ہے تو وہ میرے سامنے میدان میں ضرور اترے گا۔ اسے کہو اگر وہ بزدل اور بے حمیت ہے تو پھر یہ جنگ کیا اسے باہر میدان میں نکالو کہ میں اس کے بھائی کا قاتل اسے پکارتا ہوں۔

عمار کے اس اشتعال پر طیطوس کے لشکر میں شور مچ گیا تھا۔ کچھ بلند آوازوں میں طیطوس کو میدان میں اترنے کو کہہ رہے تھے۔ عامر کی اس پختہ خاطر خواہ اثر ہوا اور طیطوس اپنے سیاہ رنگ کے گھوڑے کو بھگاتا ہوا میدان میں اتر رہا تھا۔ عامر کے قریب آ کر طیطوس نے حیرت کے اظہار میں پوچھا۔ کیا یہ سچ ہے کہ تو عامر بن نافع ہے۔ عامر نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا کر اپنی تلوار لہراتے ہوئے کہا۔ میں کیا شک ہے کہ میں عامر بن نافع ہوں۔ طیطوس نے اپنے گھوڑے کی کھچی ہو لگام کو بل دیتے ہوئے کہا۔ تو پھر سُن! یہ میدان تیری موت کا میدان ہوگا۔

عمار نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے کہا۔ وقت کے بے رحم ہاتھ ازل سے اب تک زندہ و بیدار قدرت یہ فیصلہ کرے گی کہ یہ میدان کس کی موت کا مینا بنا ہے۔ عامر اپنے گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ لگا رہا تھا اور اس کا گھوڑا وحشیانہ انداز ہنسناتا اور بھگاتا ہوا طیطوس کے گرد گول چکر لگانے لگا تھا۔ طیطوس لڑنے کے انداز پر پریشان اور خوفزدہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ اس موت

مقی ہیں۔

عامر نے عیسٰی کو ایک نشست پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ تم اچھے وقت پر آئے۔ میں گھر جانے کے لیے پہلے ہی سلطان عماد الدین سے چند یوم کی رخصت لے ہوں۔ سلطان یہاں سے کوچ کر کے موصل کی طرف روانہ ہوں گے۔ کچھ عرصہ وہ جنگی تیاریوں میں گزاریں گے اس کے بعد وہ نصرانیوں کے دوسرے قلعوں پر آدر ہوں گے۔ عامر کہتے کہتے رک گیا۔ کیونکہ ایک سپاہی ان کے کھانا لے آیا تھا۔ دونوں نے مل کر کھانا کھایا اس کے بعد وہ حارم سے راس الشمرہ طرف کوچ کر گئے تھے۔

شام کے قریب عامر اور عیسٰی راس الشمرہ میں اپنے گھر داخل ہوئے۔ صبح آگ کا چھوٹا سا الاؤشن تھا جس کے پاس ماریہ بیٹھی ہوئی تھی۔ عیسٰی دونوں دڑوں کو صطبل کی طرف لے گیا۔ انہیں دیکھتے ہی ماریہ اٹھی اور آگے بڑھ کر اس عامر کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ اے بیٹے! تیری ماں اس گھر میں تجھے خوش رہنے دیتی ہے۔ سلطان عماد الدین کے ساتھ تیری ساری کارگزاری کی نمبریں ہیں آتی ہیں خدا تجھے اور توفیق دے کہ تو عماد الدین کے ساتھ مل کر ملک و قوم کی خرابی سے بکے۔ خدا جو ہر سو خطا سے لاریب ہے تجھے اپنی قوم کا حصہ محکم اور ت کے لیے ابدیت کی گمراہی بنا کر رکھے۔

عامر نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ راشیل کہاں ہے ماں! ماریہ عامر کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی شفقت میں کہا۔ ہم دونوں تھوڑی دیر قبل تک الاؤ کے پاس بیٹھ کر تم دونوں کا انتظار کر رہی تھیں۔ ہمیں امید تھی عیسٰی آج تمہیں کمرہ در آئے گا۔ راشیل آج کچھ سست سست تھی۔ سرمدی محسوس کر رہی تھی۔ اپنے کمرے میں چلی گئی ہے۔ میں ابھی ابھی اس کے کمرے میں شعل روشن کر کے ہوں۔ تم جاؤ بیٹے! اسے وہیں مل لو۔ تمہارے آنے کے انتظار میں ہم دونوں ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا۔ میں تھوڑی دیر تک وہیں کھانا لاتی ہوں۔

طیوس کا لشکر جو اس کی موت پر پہلے ہی بد دل ہو چکا تھا عماد الدین کی اس ضرب آفات خیز کے سامنے زیادہ دیر تک جم کر نہ لڑ سکا۔ سامنے کی طرف سے عماد الدین دھمکیاں دیتے ہوئے عین الدین اور عامر نے ایک مشتر اور روزِ مکافات کھڑا کر دیا تھا۔ ام جنگ سے طیوس کا آدھے سے زیادہ لشکر مارا گیا باقی نے میدانِ جنگ سے بھاگ کر جان بچائی اور قلعہ میں محصور ہو کر اپنا دفاع کرتے لگے۔

عماد الدین نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ باہر سے خوراک اور رسد و کمک کے سارے سلسلے اس نے منقطع کر دیے۔ قلعہ حارم کے نصرانی ہمت ہار بیٹھے۔ معزز شہر کا ایک وفد عماد الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور صلح کی درخواست کر کے اہل حارم کے لیے امان طلب کی۔ عماد الدین نے صلح کر لی اور اس شرط پر امان دی کہ اہل حارم ہر سال اسے شہر کے کل محاصل کا نصف خراج کے طور پر ادا کیا کریں گے۔ اہل حارم نے پلا تامل اسے قبول کر کے عماد الدین کا مطیع رہنا پسند کر لیا اور عماد الدین نے حارم سے محاصرہ اٹھالیا تھا۔



عماد الدین کا لشکر ابھی قلعہ حارم سے باہر ہی خیمہ زن تھا۔ قلعے کے چاروں طرف فصیل سے لے کر دور دور تک پھیلے ہوئے کوہستانوں کے دامن تکر عماد الدین کا لشکر پھیلا ہوا تھا۔ قلعہ حارم سے جو شاہراہ انطاکیہ کی طرف جاتی تھی اس پر عماد الدین اپنے قلب کے ساتھ پٹاؤ کیے ہوئے تھا۔ شہر کے جنوب کی طرف عز الدین اور مغرب کی طرف عامر اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ پڑے ہوئے تھے۔ ایک روز عامر فجر کی نماز کے بعد جب اپنے خیمے میں داخل ہو تو وہ اپنے خیمے میں عیسٰی کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور عیسٰی کو گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔ تم خیریت سے تو آئے ہو، عیسٰی نے دلگیر سی آواز میں کہا۔ میں کوئی اچھی خبر نہیں لایا ہوں۔ راشیل کا مامول آسا چند یوم بیمار رہ کر فوت ہو گیا ہے۔ اگر آپ پاس وقت ہو تو آپ چند یوم کے لیے گھر سے ہو آئیے۔ راشیل اور ماریہ آپ کو بہ

ماریہ کے پاس سے ہٹ کر عامر جوہلی کے اندر اس کمرے میں آیا جس کے اندر راشیل تھی۔ اس نے دیکھا کمرے میں دیوار کے ساتھ ایک شعل روشن تھی اور شاہ اس بستر میں جس میں عامر سویا کرتا تھا لحاف اڑھتے لیتی ہوئی تھی۔ عامر نے کمرے کے اندر آ کر راشیل کو پکارا۔ راشیل! راشیل!

راشیل نے اپنے چہرے سے لحاف ہٹایا اور عامر کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر صبح کی روشنی جیسی پرتانی۔ اُجالے کی دودھیا لہروں اور پھلے سونے کی تصندہ موجوں جیسا تغیر دکھایا تھا۔ وہ فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ عامر کی آمد پر اس کے رخ گلا پر آفرینش کی ساری مشاطگی۔ لب میگون پر ملکوتی مسکراہٹ اور نیکم کی جھلک رکھنے والی آنکھوں میں جادو و جرس کی سی دل کشی اور شعلہ پیمپاں کی سی بے تابی دکھائی تھی۔ زیر لب تبسم میں وہ اُٹھتی۔ جوتے پہنے پھر بھاگ کر وہ بے ساختہ و برجستہ اور خود سپردانہ عالم میں عامر سے لپٹ گئی تھی۔ تھکے ماندے اس مسافر کی طرح مسرت و مگن جیسے صحرا میں مہٹک جانے کے بعد اچانک منزل مل گئی ہو۔ عامر نے پیار سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

راشیل! راشیل! مجھے تمہارے ماموں کے مرنے کا دکھ ہے۔ کاش وہ کچھ دن اور زندہ رہتا اور ہم دونوں اس کی خدمت کر سکتے۔ راشیل کے چہرے پر جہاں پہلے ویرانوں کو گلشنال کر دینے والی مسکراہٹ تھی وہاں اب بے ایام جیسی ویرانی پھیل گئی تھی۔ وہ شام کی تاریکی کی طرح اُداس اور کسی کاروانِ رفتہ کی غمگین داستان جیسی افسردہ ہو گئی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور وہ ہسک پڑی تھی۔ عامر اسے تسلی دے رہا تھا۔ باہر برآمدے میں آہٹ سنائی دی تھی لہذا راشیل فوراً سنبھل کر علیحدہ ہو گئی تھی۔ ماریہ اور عمیدیں کھانے کے برتن اُٹھائے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ فرش پر انہوں نے چٹائی بچھائی اور چاروں مل کر کھانا کھانے لگے تھے۔

عامر ایک ماہ راشیل کے ساتھ راس الشمرہ میں رہا۔ پھر وہ واپس موصل ہو گیا تھا کیونکہ عماد الدین کا مرکزی شہر موصل ہی تھا۔ حلب میں عارضی طور پر قیام کر رکھا تھا۔ عامر اور عبد الدین کے ساتھ مل کر عماد الدین اپنی جنگی تیاریوں صروت ہو گیا تھا۔ دراصل وہ چاہتا تھا کہ پہلی سلیبی جنگ میں نصرانیوں نے نذر شہر مسلمانوں کے چھین لیے تھے وہ انہیں دوبارہ حاصل کر لے۔ وہ اب نذر النعمان اور کفر تاب پر حملہ آور ہونے کو پُر تول رہا تھا کہ اس کے پڑوس کے ن ایسے بدلے کہ اس نیک کام میں ایک لمبی تاخیر ہو گئی۔

اصل میں ان دنوں ہمدان کا سلطان محمود وفات پا گیا اور اس کے اراکین امت نے متفقہ طور پر اس کے بیٹے داؤد کو اپنا سلطان بنالیا لیکن مرحوم سلطان نے مسعود تخت کا دعویٰ دار بن کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں نے خلیفہ بغداد و مترشد باللہ اپنے لیے تخت کا جائز وارث ہونے کا اجازت نامہ حاصل کرنا چاہا لیکن بغداد مذہب قائم رکھنے کی خاطر کسی کے حق میں فیصلہ نہ دے سکا۔ جس کی بنا پر سلطان و خلیفہ کے خلاف ہو گیا۔

دوسری طرف خراسان کا طاقتور حکمران سلطان سنجر جو مرحوم سلطان محمود سلطان مسعود کا چچا تھا اس نے عماد الدین کو اپنے ساتھ بلا کر اس خانہ جنگی کو ختم پایا۔ لہذا مسلمانوں کے درمیان باہمی جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو دیکھی سال تک جاری رہا۔ سنجر سلطان سنجر اور سلطان عماد الدین خلیفہ بغداد اطاعت کے علاوہ امن قائم کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے لیکن اس باہمی اور نہ وہ تنازعہ میں مسلمانوں کا کافی مالی اور جانی نقصان ہوا۔ سب سے بڑا ن یہ ہوا کہ عماد الدین کا رخ صلیبیوں سے ہٹ کر باہمی جھپٹش کی طرف آیا اور نصرانیوں کو اس کے خلاف تیاری کرنے کا خوب موقع مل گیا۔

اس عرصے کے دوران عامر کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ کا نام نافع اور لڑکی کا نام نانرہ رکھا تھا۔ بڑھی ماریہ فوت ہو گئی تھی اور

گھر پر نائمہ اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے عمیس اکیلا رہ گیا تھا۔

جس دوران عماد الدین خراسان کے سلطان سجر کے ساتھ مل کر خلیفہ کی خط میں اندرونی جنگوں میں مصروف تھا یورپ نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ قیصر روم فرانس کا بادشاہ بغیر نفیس اپنے لاکھوں کی تعداد پر مشتمل لشکروں کو لے کر مشرق کی طرف روانہ ہو گئے۔ ماضی میں عماد الدین کی فتوحات نے انہیں چونکا دیا تھا۔ انہیں خطہ تھا کہ عماد الدین ایک ایک کر کے ایشیا میں ان کی تمام حکومتوں کو ختم کر کے ان کے سب مقدس شہروں پر قبضہ کر لے گا۔ لہذا وہ اس کے خاتمہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس یورپی طوفان نے ایشیا میں داخل ہو کر مسلمانوں کے شہر براعظم کا محاصرہ کر لیا اور چند ہی یوم میں انہوں نے شہر کو فتح کر کے سب مردوں کو بے دردی سے قتل کر دیا اور عورتوں بچوں کو وہ کپڑے کر لے گئے تھے۔

اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو خاک و خاکستر کرتا ہوا یہ صلیبی سپاہ آگے بڑھتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے مسلمانوں کے ایک عظیم شہر اور مضبوط قلعہ شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ شہر ایک سرحدی حکمران ابن عساکر کی عملداری میں شامل تھا وہ جان گیا تھا کہ وہ اکیلا اس طوفان اور سیلاب کے آگے کوئی حصار بند نہ باندھ سکے گا۔ لہذا اس نے فوراً عماد الدین کو اپنی مدد کے لیے پکار لیا تھا۔ خود اس نے شہر میں مقیم مسلمانوں کو پیغام بھجوایا کہ وہ محصور ہو کر مقابلہ کرتے رہیں اور شہر نصرا نیوں کے حوالے نہ کریں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ شہر کے مسلمانوں کو رسد و خوراک پہنچانے کے علاوہ دشمن پر شب خون بھی مارنے لگا تھا۔



موصول میں ایک ادھیڑ عمر محترم و بزرگ صورت بوڑھا سلطان عماد الدین کے قصر کے سامنے اپنے تین ساتھیوں کو وہیں کھڑے رہنے کا اشارہ کر کے وہ اس کمرے کے پریدار کے پاس گیا جس کے اندر عماد الدین تھا۔ دھم آواز میں اس نے پریدار سے سرگوشی کی اور وہ اس بوڑھے کو وہیں کھڑا کر کے اندر چلا گیا

تھوڑی دیر تک وہ پریدار باہر آیا اور اس بوڑھے کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ بوڑھا اپنے سادے سے عمامے کو درست کرتا ہوا اس کمرے میں داخل ہوا۔

کمرے کے سامنے جھٹے میں ایک اونچی شہر نشین پر سلطان عماد الدین بیٹھا تھا جب کہ اس کے دائیں بائیں دو رویہ قاضی القضاۃ بہاؤ الدین ابو حسن علی شہر زوری، محافظ قلعہ نصیر الدین درواز، امیر مجلس شوری ابو جعفر محمد الجواد۔ امیر حاجب صلاح الدین محمد اور لشکر کے جرنیل عز الدین اور عامر بن نافع بیٹھے ہوئے تھے۔ نو وارد بوڑھے نے پہلے وہاں بیٹھے سب اشخاص کا جائزہ لیا پھر عماد الدین کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

اے سلطان! میں ابو عساکر کے سرحدی شہر شیزر کا قاضی نصیر الدین ہوں۔ مجھے ابو عساکر نے مدد کی التجا کے ساتھ روانہ کیا ہے۔ یاد رکھیے! میرے پاس کوئی تحریری دستاویز نہیں جو میں آپ کے سامنے پیش کر سکوں لیکن میں اپنے بے ربط الفاظ میں اس قدر ضرور کہوں گا کہ قیصر روم اور فرانس کے شہنشاہ نے اپنے لاکھوں کے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے شہر شیزر کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اس سے پہلے وہ مسلمانوں کے شہر براعظم کے ان گنت لوگوں کو قتل کرنے کے بعد ان کی عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ بکریوں اور مہینوں کی طرح ہانک کر لے گئے ہیں۔ جان رکھیے! صلیبی طوفان کے آگے اگر کوئی بند نہ باندھا گیا تو مسلمانوں کا کوئی بھی شہر آگ کے اس طوفان اور خون کے اس سیلاب کے سامنے محفوظ نہ رہ سکے گا۔

بوڑھا نصرت الدین رکا۔ اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے اس نے کوئی تنک مشروب پی لیا ہو پھر شدت وجد میں وہ دوبارہ عماد الدین سے کہہ رہا تھا۔ اے سلطان! اپنے رب کے فیضانِ ازل کے صدقے میں اٹھیے اور ابو عساکر کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی حفاظت کیجیے۔ اگر آپ اسلام کی تڑپ اور مسلمانوں کے لیے اخوت کا جذبہ لے کر اٹھیں تو میرا رب حی القیوم ہے وہ دشمن کو آپ کے اندرون متراک اور زیرِ کند رکھے گا۔

قاضی نصرت الدین کے خطاب و تکلم میں اندیشہ و تامل بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے نیم سوز شعلے کی طرح جھڑکتے ہوئے کہا۔ قبل اس کے دشمن مسلمانوں کی سرزمین میں اسقاط و اضافات، وسوسہ و اضطراب اور انتہائی کمزورتِ بشریت کا کھیل شروع کرے میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اپنے آباء کی عظمتِ رفتہ کے چمن کی آرائش و حفاظت کے لیے اُٹھیے۔ خداوندِ جلیل اپنے فضلِ ربی میں ہمارے لیے سروسامان ضیاء اور خدمتِ و غنماری کا سامان فراہم کرے گا۔ اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق و دستگیر بن کر متحد ہو جائیں تو ہم انتہائی آسانی سے پھلتے پھرتے دشمن کو لمحوں کے اندر پراگندہ نصب کر سکتے ہیں۔

قاضی نصرت الدین خاموش ہو گیا۔ اس نے دیکھا عماد الدین و رطلہ غم میں ڈوب گیا تھا۔ اس کے چہرے کے طلسمات جہاں میں غمزہ نقوش کی ایک جھلک تھی جو ایک آدمی کی بساطِ ادراک سے باہر تھی۔ وہ طلوعِ سحر کی شگفتگی کی طرح چُپ اور سبزہٴ خوابیدہ کی طرح خاموش بیٹھا تھا۔ نصرت الدین پھر عماد الدین سے کہہ رہا تھا۔ میں ابن عساکر کو آپ کی طرف سے جا کر کیا جواب دوں، عماد الدین فوراً کھڑا ہو گیا اور عظمتِ حرم میں ڈوٹی گونج دار آواز میں اس نے کہا۔

میرے محترم! میرے بزرگ! خدا بہر انسان کو مانات بقدر توفیق میں مبتلا کرتا ہے۔ آپ کو میری طرف سے ابن عساکر کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہیں آپ کے ساتھ اپنے لشکر کو لے کر کوچ کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ ہم ابن عساکر کے ساتھ مل کر ان بدسی حملہ آوروں کو پابوسِ زمین اور نگوںسار کر دیں گے۔ عماد الدین رکھا پھر عز الدین اور عامر کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ میرے ہمرکابو! اٹھو اور لشکر کے کوچ کا انتظام کرو۔ ہم ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کریں گے۔ عامر اور عز الدین دونوں اٹھ کر باہر نکل گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد عماد الدین اپنے لشکر کے ساتھ موصل سے شیزر کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ قاضی نصرت الدین اور ان کے ساتھی عماد الدین کے لشکر کی راہنمائی

کر رہے تھے۔ ابھی وہ شیزر شہر سے پندرہ میل دور ایک کوہستانی سلسلے کے درتھے کہ کچھ مسلح جوانوں نے لشکر کا راستہ روکا۔ عماد الدین نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ راستہ روکنے والے مسلح جوان قریب آئے اور ایک شخص نے اپنے ٹھوڑے سے اتر کر عماد الدین کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اے ننگسار و محرم سلطان! بن ابن عساکر ہوں اور اس سرزمین پر دل و جان سے آپ کا استقبال کرتا ہوں۔ عماد الدین فوراً گھوڑے سے کود گیا۔ عامر اور عز الدین بھی نیچے اتر گئے۔ عماد الدین نے آگے بڑھ کر ابن عساکر کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

آفت و انتشار کے ان ایام میں ہم اپنے بھائی کو اکیلا اور تنہا کیونکر بھڑکتے تھے۔ علیحدہ ہو کر عماد الدین نے عامر اور عز الدین کا تعارف کرایا۔ ابن عساکر نے آگے بڑھ کر ان دونوں سے مصافحہ کیا۔ ابن عساکر مچھوڑی اڑھی، دراز قد اور کڑیل جسم و درمیانی عمر کا بڑھاپہ کا مالک انسان تھا۔

عامر اور عز الدین سے مصافحہ کرنے کے بعد ابن عساکر نے پھر عماد الدین سے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے انکساری میں کہا۔ سیدی! شیزر شہر یہاں سے ۱۵ مل آگے ہے۔ کچھ شب میں دشمن پر ایک سخت اور کارگر شبِ خون مار چکا۔ اہل شیزر کے پاس ابھی تک ایک ماہ کے لیے خوراک اور اسلحہ کا ذخیرہ ہے۔ میرا لشکر اس وقت اس دائیں طرف کے کوہستانی سلسلے کے دوسری جانب مہلک ہے۔ پہاڑوں سے گھرا ہوا یہ ایک کھلا میدان ہے۔ وہاں آپ کے لشکر کے لیے کھانے کا انتظام ہو چکا ہے۔ میں اپنے سارے حقوق اور زمینداروں آپ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔ اس جنگ میں آپ کا ہر فیصلہ اور رائے ہم سب کے لیے آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

عماد الدین نے آگے بڑھ کر ابن عساکر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مطمئن رہتے انشاء اللہ ہم دشمن سے ایسا آہن شکن انتقام لیں گے کہ زنا کامی کے اسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ دشمن کو ہمارے شہر بزداعہ کی کوٹ کھسٹوٹ

کا انتہائی ہنگامہ اور عبرت آموز حساب دینا ہوگا۔ قسطنطنیہ اور فرانس کے منشا ہوں
کو ان ہی راستوں سے واپس بھاگنا ہوگا جنہیں روندتے ہوئے وہ ہماری سرزمین
میں داخل ہوئے ہیں۔

ابن عساکر! آپ کی شجاعت اور بہت قابلِ تحسین ہے کہ آپ نے
لاکھوں صلیبیوں کے اس طوفان کو ابھی تک شیرِ شہر سے باہر روک رکھا ہے جبکہ
انفس اور آدب آموز ہیں وہ جوانانِ صفت شکن جو اس مقدس جنگ میں آپ کے
ہم رکاب ہیں۔ اب یہاں سے کوچ کیجئے تاکہ ہم سب مل کر دشمن پر حملہ آور
ہونے کی تیاری کریں۔

سب اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور عماد الدین لشکرِ ابن عساکر کی
راہنمائی میں دائیں جانب کے کوہِ ثانی سلسلے کے اس طرف جا رہا تھا جہاں ابن عساکر
کا لشکر پہلے سے پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔



کوہستانوں سے گھری ہوئی اس وادی میں ابن عساکر کے پڑاؤ میں عماد الدین
نے شام کا کھانا کھایا اور عشاء کے بعد تک وہ اپنے سالاروں کے ساتھ پیش آئے
الی جنگ کے طریقہ کار پر گفتگو کرتا رہا تھا۔ وہاں سے روانہ ہونے سے قبل
عماد الدین نے اپنے لشکر کو چار برابر کے حصوں میں تقسیم کیا۔ ابن عساکر کے لشکر
وہاں نے ہراول دستوں کے طور پر استعمال کیا۔ قلب اس نے اپنے پاس، مینہ عام کو اور
برہ عز الدین کے سپرد کرنے کے بعد وہ اس وادی سے مغرب کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

فرانس اور قسطنطنیہ کے بادشاہوں نے اپنے لشکر کو جس کی گنتی تک آسان نہ
تھی۔ شیرِ شہر کے چاروں طرف پھیلا رکھا تھا۔ پہلے وہ شہر پر تیر اندازی پر اکتفا کرتے
ہے تھے۔ اب انہوں نے قریبی جنگل سے لکڑی کاٹ کر منجنیقیں بنالی تھیں اور شہر پر
بل نے سنگ باری بھی شروع کرادی تھی۔ شیرِ شہر کے محصور مسلمانوں نے بھی قلعے کے برجوں
پر چھوٹی منجنیقیں نصب کر رکھی تھیں جن کی مدد سے وہ دشمن پر پتھر، آگ اور کھوتا ہوا
ناپھینکے جس کے باعث وہ دشمن کو اپنی فضا کے قریب نہ آنے دے رہے تھے۔

آدھی رات کے قریب جبکہ شہر کے محصور مسلمانوں اور حملہ آوروں کے درمیان
سُر کی ہوئی تھی۔ صلیبی لشکر کا ایک بڑا حصہ چاک و چونہ حالت میں جاگ رہا تھا
کا لشکر گہری نیند سو رہا تھا۔ قلعے کے مسلمان بھی اپنے برجوں میں چوکس تھے۔



مضطرب ہو کر رہ گئے تھے کہ عماد الدین کے حملوں سے دکن کا نپ اور زمین لرز اٹھی تھی۔
 قلعے کے اندر محصور مسلمانوں کو جب خبر ہوئی کہ ابن عساکر کے علاوہ سلطان
 عماد الدین بھی ان کے دشمن پر حملہ آور ہو گیا ہے تو انہوں نے بڑی جرات اور بے جگری
 کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے بڑی رازداری سے شہر کے دروازے کھولے اور قلعے کے
 اندر سے مسلح لشکر باہر نکل کر دشمن پر ٹوٹ پڑا تھا۔ صلیبی جنونیہ جو مسلمانوں کے قتل
 غارت اور لوٹ کھسوٹ کے ارادے سے ارض مشرق میں وارد ہوئے تھے اپنے انتہائی
 ہیچ روز مکانات کا سامنا کر رہے تھے اپنے ساتھ لاکھوں کی حمیت رکھنے والے
 فرانسیسی اور رومن حکمرانوں کے پاؤں تلے سے زمین ٹرک گئی تھی۔ وہ اپنے سارے
 ادرش اور مقاصد کو بھول گئے تھے اور صبح ہونے سے کچھ دیر قبل جب انہوں نے غموں
 لیا کہ ان کے لشکروں کا زیادہ حصہ کٹ کر زمین بوس ہو گیا ہے اور باقی بچنے والے ان
 بے جنگوں مسلمان مجاہدوں کا سامنا کرنے ہوئے جی چرانے لگتے ہیں تو وہ اپنی مرگ پر اپنی
 نکست کو ترجیح دیتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

بچا کچھا صلیبی لشکر مغرب سے لائی ہوئی اپنی ہر چیز کو وہیں چھوڑ کر ان غلیظ
 میٹروں کی طرح بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ جس کے پیچھے گڈریے اور چوپان اپنی تلواریں منوت
 رنگ گئی ہوں۔

عماد الدین نے ایک والہانہ جذبے اور معجز اثری میں دشمن کو میدان جنگ
 سے پسپا کرنے کے بعد دور تک ان کا تعاقب کیا۔ وہ دشمن کی سپاہ کو یوں کاٹتا رہا
 یہ کوئی متبانی خیال اور رنگ و بو کے صنم توڑتا ہے۔ ایک عجیب جذبہ جہاد اور
 بانوکھا شوق رزم نوردی تھا جس سے مسلمانوں نے اپنے سے کہی گئی زیادہ لشکر کو
 رُول سے اکھاڑ کر رکھ دیا تھا۔

اندھیرے اور تاریکی میں عماد الدین دشمن کو اپنی ضربوں سے کم کرتا ہے۔ جب
 نجات کو نور سحر عطا ہو رہا تھا تو اس نے تعاقب ترک کر کے واپسی کا رخ کیا فرانس اور
 طنطنیہ کے بادشاہ بڑی شکل سے اپنی جانیں بچا کر بھاگے تھے۔ عماد الدین کے ہاتھ

نصرانیوں کو ابن عساکر کی طرف سے شب خون کا خدشہ تھا۔ لہذا انہوں نے شہر کے چاروں طرف
 اپنے کچھ دستانے حملہ آوروں کی نگرانی پر مقرر کر رکھے تھے۔ اچانک آدھی رات کے قریب
 جبکہ شیر رکے آسمان تلے کائنات کی ہر شے محو استراحت تھی۔ عماد الدین اپنے لشکر کے
 ساتھ دشمن کے قریب پہنچ گیا۔ نصرانیوں کے اس لشکر نے جو جاگ کر پہرہ دے رہا تھا۔
 عماد الدین کے لشکر کی ٹاپوں کی آواز رات کے خاموش سناٹے میں سن لی تھی لہذا انہوں
 نے اپنے سوتے ہوئے لشکر کو جگانا شروع کر دیا تھا۔ فرانس اور طنطنیہ کے شہنشاہ
 فوراً جاگ گئے اور اپنے لشکر کو درست کرنے لگے۔ دوسری طرف قلعے کے مسلمان بھی دشمن
 کی اس نقل و حرکت پر چونکس ہو گئے تھے۔

دفعۃً ابن عساکر اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانوں کے اندر سے نکلا اور دشمن
 کے شمالی حصے پر حملہ آور ہوا۔ دشمن نے اسے ایک شب خون ہی جانا اور ان کا سارا لشکر
 شہر کے چاروں طرف سے سمٹ کر شمال کی طرف ابن عساکر کی سرکوبی کو بڑھا۔ وہ ابن عساکر
 کو گھیر کر ختم کر دینا چاہتے تھے۔ ابن عساکر کا یہ حملہ ایسا غضب ناک تھا کہ وہ اپنے سانسے
 آنے والے نصرانیوں کو تہ تیغ کرتا ہوا اندر تک گھسنا جلا گیا تھا۔

عین اس وقت جب کہ دشمن ابن عساکر کو گھیرنے کے عمل میں تھا جنوب کی طرف
 سے عماد الدین نے حملہ کر دیا۔ اب ایک افراتفری کا عالم اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور دشمن کے
 کچھ حصے شہر کے مغرب اور مشرق سے ہوتے ہوئے جنوب کی طرف بھاگنے لگے تھے لیکن
 اسی لمحہ دو طوفان اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ عامر اپنے حصے کے لشکر کو لے کر مغرب میں
 اور عز الدین مشرق میں ٹوٹ پڑے تھے۔ ایک انتشار ایک طوفان اور ایک انقلاب
 تھا جو اندھیری رات میں شیرز کے چاروں طرف اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

عماد الدین کا لشکر بلند آوازوں میں اللہ اکبر پکارتا ہوا۔ دشمن کو ادھیڑنے اور
 جھنجھوڑنے لگا تھا۔ فرانس اور طنطنیہ کے بادشاہ جو نیزان شبستان کے اندر جلو
 روت اور رویے جمیل کے عادی تھے عماد الدین کے سامنے اپنی ساری عظمت و برتری
 کو بھول کر بدحواس ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ اپنے جنگی جنوں کی ساری تقلید و توارث کے باوجود

اس قدر مال غنیمت لگا کہ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہو گیا۔

دشمن اپنی ہر چیز نصب شدہ خمیوں کے اندر ہی چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔
عماد الدین نے مال غنیمت کا نصف ابن عساکر کے حوالے کر دیا۔ باقی نصف کو اس نے پھر دو برابر حصوں میں بانٹا ایک حصہ اس نے اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا اور دوسرا حصہ اپنے مرکزی شہر موصل روانہ کر دیا۔ شیرز میں عماد الدین نے چند ہفتوں تک قیام کیا اور قلعے کی دیوار کو درست کر کے وہ اسے اور زیادہ مضبوط اور استوار کرنے لگا تھا۔



مغرب کی طرف بھاگتے ہوئے فرانس اور قسطنطنیہ کو بادشاہوں کو ان کے جاسوس نے اطلاع دی کہ دو اور مضبوط اور عظیم لشکر ان کی مدد کے لیے آرہے ہیں ایک لشکر خود یروشلم کا بادشاہ لے کر آیا تھا اور دوسرا لشکر جرمنی کی طرف سے آیا تھا دونوں بادشاہ رُک گئے وہیں وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ فرانس کا بادشاہ جو کی طرف مڑ کر نصرانیوں کے ایک قلعے بعین کے مضافات میں یروشلم کے بادشاہ کے جا ملا۔ جب کہ قسطنطنیہ کے بادشاہ نے وہیں رُک کر انتظار کیا۔ یہاں تک کہ جرمنی لشکر بھی اس کے ساتھ آ ملا تھا۔ اس طرح عماد الدین سے ٹھٹھنے کے لیے انہوں نے دو محاذ کھولے۔ ایک محاذ پر فرانس اور یروشلم کے بادشاہ تھے اور دوسری طرف جرمن اور رومن کا متحدہ لشکر تھا۔ دو گدیھوں اور گدیھوں کے درمیان ایک شاہین دو تپچھوں کے درمیان ایک تینبند واگھڑتا دکھائی دینے لگا تھا۔

پورا یورپ عماد الدین کے خلاف اُٹھ آیا تھا۔ خراسان سے طنجہ اور کوہتا قفقار سے حضرموت اور دمشق لوط تک پھیلا ہوا عالم اسلام تکلیف دہ خاموش چپقلش میں مبتلا تھا۔ عالم اسلام کا یہ رجل رشید کسی کو اپنی مدد کے لیے پکارنے کے بجائے اپنے رب کا نام لے کر اکیلا ہی دشمن کے سامنے آہنی حصار بن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

عماد الدین کو بھی دشمن کے اس دو جگہ جمع ہونے کی اطلاع مل گئی تھی۔ جو مال غنیمت اس کے ہاتھ لگا تھا وہ اس نے فوراً موصل کی طرف روانہ کر دیا۔ شیرز شہر سے اس نے فوراً کوچ کیا۔ ابن عساکر کو اس نے شیرز میں ہی قیام کر کے رومہ اور جرمنی کے متحدہ لشکر پر نگاہ رکھنے کو کہا۔ خود وہ عامر اور عز الدین کے ساتھ رات کی گھمبیر تاریکی میں تیز بڑھی اور تند طوفان کی طرح یروشلم اور فرانس کے متحدہ لشکر کی طرف بڑھا۔ دشمن کو اس نے اچانک جا لیا اور قلعہ بعین کے مضافات میں اس نے دشمن پر تین اطراف سے حملہ کیا۔ سامنے سے عماد الدین خود عذاب بن کر نازل ہوا تھا۔ دائیں بائیں سے عامر اور عز الدین رعد اور برق بن کر ٹوٹے تھے۔ شب کے گھپ اندھیرے میں رزم گاہ میں رست خیزی کا ایک عالم پیدا ہو گیا تھا۔

صبح ہونے سے قبل ہی عماد الدین، عامر اور عز الدین نے فرانس اور یروشلم کے بادشاہوں کو ذلت آمیز اور عبرت آموز شکست دی تھی۔ عماد الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ دور دور تک دشمن کا تعاقب کیا اور بھاگتے دشمن کے زیادہ تر حصے کو اس نے کھیرے لگڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

فرانس کا بادشاہ اس شکست کے بعد فرانس بھاگ گیا اور یروشلم کے بادشاہ نے یروشلم جا کر اپنی جان بچ جانے پر شکرا دا کیا۔ دوسری طرف رومہ کے شہنشاہ اور جرمن لشکر کو اس جنگ کے انجام کی خبر ہوئی تو جرمن فوراً وہاں سے کوچ کر کے جرمنی روانہ ہو گئے۔ اور رومن شہنشاہ قسطنطنیہ چلا گیا تھا۔ ان کا اس طرح میدان جنگ اور رزم گاہ سے منہ موڑ کر بھاگ جانا اس امر کا غماز تھا کہ وہ سب مل کر بھی اکیلے عماد الدین کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

یورپ کے اُڑتے طوفان کا رخ موڑنے کے بعد عماد الدین نصرانیوں کے قلعہ بعین کی طرف بڑھا اور اس سختی اور سنگینی سے اس نے اس قلعے پر حملہ کیا کہ وہاں کی محافظ فوج اس کا مقابلہ نہ کر سکی اور اس شہر کو زور و شمشیر فتح کرتا ہوا عماد الدین معرۃ النعمان اور قلعہ کفر تاب کی طرف بڑھا۔ عماد الدین نے پہلے معرۃ النعمان کو فتح کر لیا۔

پھر اس نے کفر تاب کا محاصرہ کر لیا۔

عماد الدین کو بری طرح مصروف دیکھ کر نصرانیوں نے ایک گہری سازش تیار کی۔ شیراز اور بحرین میں عماد الدین کے ہاتھوں جن لشکروں کو شکست ہوئی تھی ان کے بکھرے ہوئے جنگجو جمع ہو گئے اور انہوں نے مل کر حلب شہر پر حملہ کر دیا۔ ان کا مقصد تھا کہ عماد الدین کی غیر موجودگی میں حلب فتح کر کے عماد الدین سے اپنی من مانی شرائط منوانے میں وہ کامیاب ہو جائیں گے لیکن ان کی بد قسمتی کہ عماد الدین کو اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے فوراً عامر اور عز الدین کو حلب کی طرف بڑھنے والوں کی سرکوبی پر روانہ کیا اور خود اس نے کفر تاب کے محاصرے میں اور زیادہ سختی پیدا کر دی تھی۔

عامر اور عز الدین دونوں نے مل کر حلب کی طرف بڑھنے والے لشکر کو حلب سے کافی دور ایک کھلے میدان میں فاش اور ذلت آمیز شکست دی اور اس لشکر کا آدھے سے زیادہ حصہ مولیٰ گاجر کی طرح کاٹ کر کھ دیا۔ بقیہ لشکر بھاگ کر اڑیسہ شہر کی طرف چلا گیا جہاں قسطنطنیہ اور انطاکیہ کے بعد صلیبیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اتنی دیر تک عماد الدین نے بھی تلوع کفر تاب کی محصور فوج کو شکست دینے کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔ دشمن کو شکست دینے کے بعد عامر اور عز الدین جب حلب شہر میں واپس آئے تو اس کے دوسرے روز عماد الدین بھی وہاں پہنچ گیا۔ شہر سے باہر ایک کھلے اور وسیع میدان میں عز الدین اور عامر نے اپنے سلطان کا استقبال کیا۔

اپنے گھوڑے سے اتر کر عماد الدین بڑے تپاک کے ساتھ عامر اور عز الدین سے ملا۔ دونوں کو گلے لگا کر اس نے ان کی پیشانیاں چوم لیں اور کھلے میدان میں بے مہار صلیبیوں کو عبرت خیز شکست دینے پر ان دونوں کو مبارک باد دی۔ عامر سے اس کے گلے لگا کر علیحدہ ہونے کے بعد عماد الدین پیچھے ہٹا۔ پھر فوراً عامر کی طرف مڑا جیسے کوئی بھولی بھری بات اسے یاد آگئی ہو۔

عامر کے قریب ہو کر اس نے بڑی شفقت اور محبت میں پوچھا۔ اسے

دزد! تیرے اہل خانہ کہاں رہتے ہیں۔ عامر نے گردن کو خم دیتے ہوئے کہا۔ سیدی! میری بیوی اور دو بچے عمیس کی نگرانی میں راس الشمرہ میں رہتے ہیں۔ عماد الدین نے دلچسپی سے پوچھا۔ تمہارے بچے کتنے بڑے ہیں۔

عامر نے اپنے سر پر اپنے عمامے کے بیچ درست کرتے ہوئے کہا۔ لڑکے کی عمر پانچ برس ہے اور اس کا نام نافع ہے۔ لڑکی تین سال کی ہے اس کا نام نائزہ ہے عماد الدین نے عامر کا شانہ ہلکے سے دباتے ہوئے کہا۔ آج ہی یہاں سے کسی کو عمیس کی طرف راس الشمرہ روانہ کر کے پیغام بھجوادو کہ وہ تمہاری بیوی اور بچوں کو لے کر موصل آ جائے۔ ہم بھی صرف چند روز یہاں قیام کریں گے اس کے بعد موصل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ میں وہاں پہنچتے ہی تمہارے لیے ایک عمدہ مکان کا بندوبست کر دوں گا۔ میں چاہتا ہوں تم اپنے بچوں کو ساتھ رکھ کر اپنے فراموش انجام دو۔ اس طرح ان کی پرورش اور نگہداشت بھی درست ہو سکے گی۔ موصل میں اپنے لشکر کو چند یوم آرام کرنے کا موقع دوں گا اس کے بعد میرا حدف نصرانیوں کا شہر اڑیسہ ہوگا۔ اب تم جاؤ اور کسی کو عمیس کی طرف روانہ نہ کرو کہ وہ موصل پہنچ جائے۔ عامر پیچھے ہٹا اور خمیوں کے اندر چلا گیا۔ عماد الدین، عز الدین کے ساتھ اپنے لشکر کو پڑاؤ کرتے دیکھ رہا تھا۔



موصل شہر سے باہر صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک بہت بڑا چوک تھا جہاں سے بیک وقت چھ شاہراہیں مختلف سمتوں کو جاتی تھیں۔ ایک دریائے فرات کو پار کر کے کر بلا، کوفہ، چروہ اور قادسیہ سے ہوتی ہوئی مدینہ النبیؐ، دوسری موصل سے بعلبک وہاں سے راس الشمرہ، پھر دمشق اور یرموک ہوتی ہوئی یرموک کی طرف نکل گئی تھی۔ تیسری شاہراہ رقد سے حلب، چوتھی دریائے دجلہ کو پار کر کے تبریز وہاں سے آذربائیجان اور کوہستان قفقاز کو چلی گئی تھی۔ پانچویں سڑک رے اور جرجان ہوتی ہوئی دریائے جیحون کی طرف اور چھٹی شاہراہ ہمدان، اصفہان اور یزد کے پاس سے گزر کر دشت لوط کو جاتی تھی۔

نیچے اتر بیٹھی! دیکھو تو عامر میں لینے آیا ہے۔ عامر کا نام سن کر نفع اور نائزہ فوراً
بگھی سے گود گئے۔ دونوں بہن بھائی بھاگتے ہوئے آگے بڑھے اور عامر کی ٹانگوں سے
لپٹ گئے۔ عامر وہیں زمین پر بیٹھ گیا اور اپنے بیٹے اور بیٹی کو اپنے ساتھ لپٹا کر اس
نے پیار کرتے ہوئے پوچھا۔ تم کیسے ہو میرے بچو!

نائزہ نے شکوہ کرتے ہوئے پوچھا۔ آپ گھر کیوں نہیں آتے بابا! عامر
کے جواب دہنے سے قبل ہی نفع نے کہا۔ یا ابی! میں ہر روز شہر سے باہر نکل
کر آپ کی راہ دیکھا کرتا تھا۔ لیکن آپ نہیں آتے تھے۔

عامر نے دونوں کو چومتے ہوئے کہا۔ میں جلدی جلدی وہاں نہ آ سکتا تھا۔
اسی لیے تم لوگوں کو اپنے پاس بلا لیا ہے۔ اتنی دیر تک راشیل بھی کبھی سے اتر کر
عامر کے قریب آئی۔ عامر کھڑا ہو گیا اور راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے دبی دبی
سکراہٹ میں پوچھا۔ راشیل! راشیل کیسی ہو تم۔

راشیل نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ یہی تو میں بھی آپ
سے پوچھنے والی تھی۔ ہم تو اس اشمہ میں آپ کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے
تھے۔ آپ نے اچھا کیا یہاں بلا لیا۔ ورنہ نفع اور نائزہ تو اب روز میرے ساتھ
جھگڑا کرنے لگے تھے کہ ابی کے پاس چلیں۔

عامر نے مغرب کی طرف غروب ہونے والے سورج کی طرف دیکھتے ہوئے
کہا۔ اب تم تینوں بگھی میں بیٹھو اور چلیں سورج غروب ہونے والا ہے۔ نفع نے
مچلتے ہوئے کہا۔ ابی! میں آپ کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھوں گا۔ نائزہ نے بھی عامر
کی عیاں پکڑ کر راشیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں بھی ابی کے ساتھ بیٹھوں گی۔
راشیل بگھی میں بیٹھ گئی۔ عمیس نے بھی سوار ہو کر بگھی کے گھوڑوں کو ہانک دیا۔
عامر نے اپنے گھوڑے پر نائزہ کو اپنے آگے اور نفع کو پیچھے بٹھالیا تھا اور یوں
وہ موصل کی طرف چل دیئے تھے۔

جب سورج غروب ہو رہا تھا تو عامر انہیں لے کر اپنی حویلی میں داخل ہوا۔

عامر ہر روز موصل سے نکل کر اس چوک پر آتا اور گھڑیوں وہاں ایک پتھر
پر بیٹھ کر اس شاہراہ کی طرف دیکھتا رہتا جو اس اشمہ کی طرف سے آتی تھی اسے راہیل
اور پتھوں کا انتظار تھا۔ عماد الدین نے موصل میں اسے ایک عمدہ اور خاصی بڑی حویلی
بہتیا کر دی اور یہ ان میں سے ایک تھی جو سلطان کے قصر کے ارد گرد تھیں اور
ان میں سلطنت کے معزز ارکان رہتے تھے۔

ایک روز شام سے تھوڑی دیر پہلے عامر اسی چوک میں ایک پتھر پر بیٹھا
تھا کہ اس نے دیکھا اس اشمہ کی طرف سے آنے والی شاہراہ پر ہلکی ہلکی گرد مڑتی
دکھائی دی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی دونوں آنکھوں پر اپنے ہاتھوں کا چھجور بنا کر
اس نے دیکھا تو دور شاہراہ پر اسے دو گھوڑوں کی ایک بگھی اپنی طرف آتی دکھائی
دی۔ اس بگھی کے آگے آگے دو گھوڑے سوار بھی تھے۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ بھاگ کر اس نے اپنے گھوڑے
کو پکڑا جو دائیں جانب ہری ہری گھاس چر رہا تھا۔ اس نے جلدی جلدی گھوڑے
کو دھانہ چڑھایا۔ پھر وہ اس پر سوار ہوا اور اسے بگھی کی طرف سرپٹ دوڑا دیا تھا۔
قریب جا کر اس نے دیکھا بگھی کے گھوڑوں کو عمیس ہانک رہا تھا اور بگھی کے آگے
آگے آنے والے سپاہی عامر سے قریب ہوئے اور ان میں سے ایک نے عامر سے پوچھا۔
یا امیر! کیا ہمیں اب اجازت ہے کہ ہم جاویں۔ عامر نے مسکراتے ہوئے
کہا۔ ہاں تم اب جاؤ۔ میں تم دونوں کا شکریہ گزار ہوں۔ ان دونوں نے اپنے گھوڑوں
کو ایڑ لگائی اور انہیں موصل کی طرف سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

عمیس بگھی سے اتر آتی دیر تک عامر بھی گھوڑے سے کود چکا تھا۔ عمیس
نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔ اتنی دیر میں بگھی کے اندر سے راشیل کی
آواز سنائی دی۔ اے عم! اس دیر نے میں تم نے بگھی کیوں روک دی۔ جلدی چلو شام
ہونے والی ہے۔ اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے ہمیں موصل پہنچ جانا چاہیے۔
عمیس نے عامر سے علیحدہ ہوتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ راشیل! راشیل!

یہ ایک کافی بڑی حویلی تھی جس کے دائیں طرف اصطبل اور بائیں ہاتھ چھوٹا سا ایک باغ تھا۔ راشیل جب نیچے اتر گئی تو عمیس بھی کو اصطبل کی طرف ہانک کر لے گیا۔ ماہ کا گھوڑا خود ہی اصطبل کی طرف چلا گیا تھا۔

راشیل بڑے غور سے حویلی کو دیکھ رہی تھی۔ عامر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ کیسی ہے؟ راشیل نے خوشی اور اطمینان میں کہا۔ یہ تو ایک بہت ہی اچھی اور عمدہ حویلی ہے آپ ہمیں سرکنڈول کی کسی جھونپڑی میں منگاتے تو اس میں بھی ہمارا سکون اور فرحت ہوتی۔ عامر نے پہلے راشیل، نافع، نائرہ اور عمیس کو ساری حویلی دکھائی۔ پھر انہوں نے مغرب کی نماز ادا کی اس کے بعد سب مل کر کھانے کا انتظام کرنے لگے تھے۔

○

۳۹ھ میں عماد الدین اپنے پورے سر و سامان کے ساتھ موصل سے اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوا۔ اس بار لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر اول دستوں کا سالار عامر تھا۔ قلب عماد الدین کے اپنے پاس، عز الدین کے پاس میرہ اور عامر کے نائب رکن الدین کو مہینہ سونپا گیا تھا۔

اڑیسہ ارض مشرق میں پہلی صلیبی جنگ کے بعد قائم ہونے والی صلیبی ریاست کا مرکزی شہر تھا۔ مذہبی تقدس کے لحاظ سے عیسائی دنیا میں اس شہر کا پانچواں نمبر تھا۔ پہلا یروشلم، دوسرا انطاکیہ، تیسرا روم اور چوتھا قسطنطنیہ تھا۔

یروشلم کا موجودہ بادشاہ بالڈون پہلے اڑیسہ کا ہی حکمران تھا۔ جب کہ یروشلم پر اس کے بھائی گاڈفرے کی حکومت تھی۔ گاڈفرے کی موت پر بالڈون کو یروشلم کا بادشاہ بنا دیا گیا اور اڑیسہ کی ریاست کا حکمران اب ایک متعصب اور انتہا کاٹالام و بے رحم صلیبی جو سلن ثانی تھا۔ اڑیسہ پہلے ہی اپنی مضبوطی اور فوجی قوت کی بنا پر مشہور تھا اور اسے میسوپوٹیمیا (عراق) کی آنکھ کہا جاتا تھا اور اب تو اس کی فوجی قوت میں کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ مختلف قلعوں اور شہروں میں عماد الدین

کے ہاتھوں شکست کھانے والے سب لشکر اڑیسہ میں ہی آ جمع ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ یروشلم کے بادشاہ بالڈون نے اڑیسہ شہر کی حفاظت کے لیے اپنے لشکر کا ایک حصہ پہلے ہی وہاں روانہ کر چکا تھا۔ عماد الدین جانتا تھا کہ اڑیسہ کی عیسائی ریاست مسلمانوں کے شہر حلب۔ موصل۔ دیار بکر اور دیگر کئی شہروں کے لیے ایک مستقل خطرہ تھی۔ اس کے علاوہ عماد الدین اس شہر کی جنگی اہمیت سے بھی پوری طرح آگاہ تھا کیونکہ اس شہر پر قبضہ کرنے کے بعد رمنی اور گر جتانی نصرانیوں کو قابو کیا جاسکتا تھا جو مسلمان علاقوں میں ترکانازی اور قزاقی کا پیشہ کرتے تھے۔

عماد الدین صحرا کے خطرناک گراؤز اور بیابان میں گریا میں اٹھنے والے بگولوں کی تیزی اور تندی کے ساتھ اس نصرانی ریاست کے چھوٹے بڑے قلعوں اور شہروں کو رفتاً مہوا اس کے مرکزی شہر اڑیسہ جا پہنچا۔ ۳۹ھ اور نومبر ۱۱۹ھ کو عماد الدین اڑیسہ پہنچا اور شہر کی تفصیل کے قریب وہ خیمہ زن ہوا۔

سب سے پہلے اس نے اڑیسہ کے نصرانی حکمران جو سلن ثانی کو پیغام بھجوایا پیغام نے کر جانے والا ایک دیوتا مرت سلجوقی ترک تھا۔ وہ اپنے سرخ گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے ہاتھ میں سفارت کا سفید جھنڈا تھا اور اس کے دائیں بائیں اسکی حفاظت کے لیے دو اور سوار بھی تھے۔ شہر کی تفصیل اور برجوں میں کھڑا نصرانی لشکر اس دیوتا سلجوقی ترک اور اس کے دونوں ساتھیوں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے تفصیل کے قریب جا کر سفید علم پکڑے اس سلجوقی ترک نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور تفصیل کے ایک برج کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بلند آواز میں کہا۔

اڑیسہ کے مکینو! میں مشرق کے عظیم سلطان عماد الدین کی طرف سے سفارت کار بن کر آیا ہوں۔ اپنے بادشاہ جو سلن کو اطلاع کرو کہ میں اس سے گفتگو کروں۔ برج کے اندر سے بھی ایک بلند آواز سنائی دی۔ یہیں رُک کر تھوڑی دیر انتظار کرو۔ وہ سوار خاموش رہ کر انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ایک دروازہ قامت اور بھاری جُستے کا آدمی جو خوب چمکتا ہوا

ہوگا۔

جوسلن نے برہم ہو کر کہا۔ واپس لوٹ جاؤ ہمیں کسی امان اور سچ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے عہد کر رکھا ہے نہیں بلکہ ہم نے کلیسا میں کھڑے ہو کر قسم کھا بھی ہے کہ ہم عماد الدین کو عبرت ناک سبق دیں گے۔ وہ آج تک ہمارے چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قبضہ کرتا رہا ہے۔ اڑتیسہ کی جنگ اس کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو گی۔ اس ترک نے اپنے گھوڑے کو واپس موڑتے ہوئے کہا۔

میں جاتا ہوں لیکن تم نے یہ غلط کہا کہ ہمارے سلطان کا واسطہ آج تک چھوٹے چھوٹے قلعوں سے پڑتا رہا ہے۔ کیا اس نے کھلے میدان میں یروشلم، روم اور فرانس کے بادشاہوں کو شکست نہیں دی۔ اس ترک نے گھوڑے کو موڑ کر ایڑ لگائی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ اپنے لشکر کی طرف چلا گیا تھا۔

جوسلن کے اس جواب پر عماد الدین نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ صدر دروازے کے سامنے ہراول دستوں کے ساتھ عامر کو رکھا تھا۔ جنوبی دروازے پر خود عماد الدین شمال اور مغرب کی طرف عز الدین اور رکن الدین تھے۔

چاروں طرف سے شہر پر تباہ توڑ حملے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن شہر کی فیصل اس قدر مضبوط اور شہر کی فوجی قوت اس قدر مستحکم تھی کہ محاصرہ کو ستائیس روز گزر گئے اور شہر فتح ہونے پر نہ آ رہا تھا۔ ستائیسویں روز عماد الدین نے مغرب کی نازکے بعد اپنے نیچے میں عامر، عز الدین، رکن الدین اور کچھ دیگر چھوٹے سالاروں کو طلب کیا۔ وہ ایک معمولی نوعیت کا لیکن کافی بڑا خیمہ تھا جس کے اندر کھجور کی ایک بڑی سی چٹائی بچھا دی گئی تھی۔ اس چٹائی پر عماد الدین اور اس کے سامنے اس کے سب سالار بیٹھ گئے تھے

عماد الدین نے ایک بار اپنے سالاروں کا جائزہ لیا پھر اس نے عامر اور عز الدین دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ میرے شیر دل صاحبو! کیا تم بتا سکتے ہو اس شہر کے محاصرے پر کتنے یوم گزر گئے ہیں۔ عامر اور عز الدین دونوں

جنگی لباس پہنے ہوئے تھا اس برج میں نمودار ہوا اور ترک کی طرف نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں جوسلن ہوں کیوں کیا کہنا چاہتے ہو۔ اس ترک سوار نے پھر بلند آواز میں بولتے ہوئے کہا۔ میں سلطان عماد الدین کا سفیر ہوں اور تمہارے لیے ان کا پیغام لایا ہوں۔ کہ اگر تم ہتھیار ڈال دو اور شہر ہمارے حوالے کر دو تو ہم شہر کے کسی فرد سے تعرض نہ کریں گے۔

یاد رکھو! یہ شہر ہمارا تھا جس پر تم لوگوں نے قبضہ کر کے یہاں کے سب مسلمانوں کو تریغ کر دیا۔ تمہارے ان مظالم کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم تمہیں صلح اور امن کی نوید دیتے ہیں۔ جوسلن نے بڑی رعونت اور گھمنڈ میں کہا۔ جاؤ اپنے سلطان سے جا کر کہہ دو کہ ہم اس کی اس پیش کش کو پائے استحقاق سے ٹھکراتے ہیں۔

اس ترک سفارت کار نے کسی قدر برہم ہو کر کہا۔ تمہارا یہ فیصلہ مضطرب و مستعجل ذہن کی تخلیق ہے۔ یاد رکھو! عماد الدین کمکشاں کا فرزند اور اجل کا نوحہ جگر ہے۔ وہ جب اپنے پورے قہر و غذاب کے ساتھ تم پر نازل کرے گا تو تمہارا یہ طعن و تشنیع کا انداز تمنا اور سبک سارا التجا بن جائے گا اور تم دحم کے دیوڑھ گر بن کر ہمارے سلطان کے سامنے کھڑے ہو گے۔

جان رکھو! یہ فیصلہ کرتے وقت تم نے دانش اور حکمت سے کام نہیں لیا۔ اب بھی وقت ہے اب بھی تمہارے لیے وقت دے رہا ہے اپنی فکر و نظر کو بدل لو ورنہ اے ساکنانِ اڑتیسہ! جب ہمارا سلطان طاقت و شہزوری کا ہیولہ بن کر تمہاری طرف بڑھے گا تو تمہارے پاس کوئی چارہ غم نہ ہوگا۔ وہ تمہارے پنجہ سرکش کو توڑ دے گا۔ تمہارے بدست حواس کو درست کر دے گا۔

یاد رکھو! اس کے گھوڑے کے آگے زمین سمیٹتی ہے اور گنبدِ افلاک ایک خیمے کی طرح اس پر ٹھکتا ہے۔ وہ سحر فن ہے تمہاری نرس نس میں شکست کا زہر گھول کر وہ تمہاری حالت کسی کاروانِ رفتہ کی آداس اور پُر ہول داستان جیسی کر دے گا۔ اس روز تمہاری زندگی صرف سامنے رونما ہونے والے حالات سے سمجھوتہ کرنے کا نام

میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ان دونوں کی گزریں جھک گئی تھیں۔

عماد الدین نے بڑی شفقت اور ہمدردی میں کہا۔ تم دونوں نے خفت محسوس کرتے ہوئے اپنی گزریں کیوں جھکالی ہیں۔ بھلا میرے اس سوال کا مطلب تمہاری کارکردگی پر طنز کرنا ہرگز نہ تھا۔ تم دونوں میرے بازو ہو۔ اگر ہم ابھی تک شہر فتح کرنے میں ناکام رہے ہیں تو اس میں خود میں بھی شامل ہوں۔ تم سب کا یہاں طلب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس امر پر بحث کی جائے کہ ہم میں کیا کمی رہ گئی ہے جو ہم دُور کر سکیں کون سی رکاوٹ ہے جو شہر کو فتح کرنے میں مانع ہو رہی ہے؟ تم دونوں میرے بازو، میری آنکھیں، میری ڈھال اور میرے تہمو۔ بناؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

عامر نے اپنا سر آہستہ آہستہ اُپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ یاسیدی! آنے والا فجر کی نماز معمول سے کچھ سویرے پڑھ لی جائے اور سورج طلوع ہونے سے قبل شہر پر چاروں طرف بھرپور حملہ کر دیا جائے۔ میں اپنے حملوں میں ذرا تاخیر اور نرمی کا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صدر دروازہ جہاں میں مقیم ہوں وہاں سے دشمن اپنے لشکر ہٹا کر دوسری طرف لے جائے گا۔ وہاں وہ اس تدریپاہ رکھے گا کہ جو ہم پر صرف بگڑ سکے۔ میں اس موقع اور افراتفری سے فائدہ اٹھا کر اپنے کچھ جوانوں کے ساتھ سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھنے کے بعد شہر کے صدر دروازہ پر جو سہل کے لہراتے علم کو اٹھا کر اپنا علم نصب کرنے کی کوشش کروں گا۔

اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ایک بار صدر دروازے پر صلیبی کی جگہ ہمارا علم لہرا گیا تو شہر کے مکین ہی نہیں جو سہل کا لشکر بھی بدول ہو کر جی جھوٹ دے گا اور جنگ سے مٹہ مٹھ لے گا۔ اسی دوران اگر ہم شہر کا صدر دروازہ کھولنے پر کامیاب ہو گئے تو دشمن کی ہزار مزاحمت کے باوجود بھی ہم صرف چند ساعتوں میں شہر کی اینٹ سے اینٹ بجاکر رکھ دیں گے۔

عماد الدین نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں

تو کل تک انشاء اللہ شہر ہمارا ہوگا۔

عماد الدین نے چند ثانیوں تک خاموش رہ کر سوچا پھر اس نے مطمئن انداز میں کہا۔ کل صبح ایسا ہی ہوگا۔ اب تم لوگ اپنے اپنے لشکر میں جا کر اپنی تیاری کر لو سب سالار اٹھے اور عماد الدین کے نیچے سے باہر نکل گئے تھے۔



دوسرے روز لشکر نے باری باری فجر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد شہر کے تین اطراف میں عماد الدین، عزالدین اور رکن الدین نے شہر پر بھرپور حملے شروع کر دیئے تھے۔ عامر نے رات ہی رات شہر کے صدر دروازے کے قریب گڑھے کھدوا کر اپنے سارے لشکر کو ان میں محفوظ کر لیا تھا۔ یوں لگتا تھا صدر دروازے کے سامنے عماد الدین کا کوئی لشکر نہ ہو۔

چونکہ قلعہ کے دوسرے اطراف میں عماد الدین نے ٹوٹ کر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا اس کے علاوہ کچھ مسلمان مجاہد ڈھالوں کی آڑ میں فصیل پر کمندیں پھینکنے کی کوشش بھی کرنے لگے تھے۔ لہذا اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور جو سہل نے صدر دروازے کی طرف اپنے لشکر کی تعداد کم کر کے دوسری اطراف زیادہ دھیان دینا شروع کر دیا تھا۔ سورج اب طلوع ہونے کے قریب تھا۔ عامر نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ وہ باہر نکلا اور فصیل پر کمندیں پھینک کر اُپر بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اس موقع پر فصیل کے اُپر دشمن کے جو پانی کھڑے تھے انہوں نے تیر برساکر اُپر چڑھنے والوں کو روکنا چاہا لیکن عامر کے لشکر کا وہ حصہ جو ابھی تک گڑھوں کے اندر گھات میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے تیز اور مسلسل تیر اندازی کر کے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔

عامر اپنے ساتھیوں کے ساتھ صدر دروازے کے قریبی برج کے پاس سے فصیل پر چڑھ گیا۔ گو اس کے تیر اندازوں نے دشمن کو پیچھے ہٹ کر آڑ میں مہر جا

پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے باوجود جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ فصیل پر چڑھا، تو دشمن اپنی تلواریں سونت کر اُن پر ٹوٹ پڑے تھے۔

عامر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کر کے اپنے قدم جمانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ اپنے پہلے ہی لمبے میں دشمن کو دھکیل کر وہ پیچھے گیا اور صدر دروازے کے ساتھ والے برج کے اندر گھس گیا۔ عامر کا بقیہ لشکر بھی گھنٹے سے نکل کر کمندوں کے ذریعے فصیل پر چڑھنے لگا تھا۔

صدر دروازے کے محافظوں نے جب دیکھا کہ بے شمار مسلمان مجاہد گھروں سے نکل کر فصیل پر چڑھنا شروع ہو گئے ہیں تو انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کئی سپاہی بھاگ کر فصیل کے دوسری جانب گئے اور وادیا کرتے ہوئے اونچی وادیا میں وہ دشمن کے برج میں گھس آنے کی اطلاع کرنے لگے تھے۔

جوسلن کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمان یوں آسانی کے ساتھ اس کے کسی مضبوط برج پر گھس آئیں گے۔ اس نے لگاتار کئی دستے صدر دروازے کی طرف روانہ کر دیئے لیکن اس وقت تک عامر نے دشمن کو برج سے باہر دھکیل کر پورے برج پر قبضہ کر لیا تھا اور پھر اب تو اس کا پورا لشکر فصیل کے اوپر چڑھ آیا تھا اور اس نے دباؤ ڈال کر دھڑ کو خوب پیچھے دھکیل دیا تھا۔ جوسلن نے جو نئے دستے صدر دروازے کے برج کی طرف روانہ کیے تھے اُن کے پہنچنے سے قبل ہی عامر نے برج کے اندر اپنے تیر انداز بڑھ کر اپنی حالت کو استوار کر لیا تھا۔

جوسلن نے جب دیکھا کہ مسلمانوں نے جس برج پر قبضہ کر لیا ہے وہ اس پر سے باہر نہیں نکل رہے تو اس نے اپنے لشکر کا ایک بڑا حصہ صدر دروازے کی طرف روانہ کر دیا لیکن پھر بھی انہیں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ جب وہ نزدیک جانے کی کوشش کرتے تھے تو مسلمان مجاہد اڑ میں رہ کر اُن پر تیردول کی ایسی تیز بارشیں بارتے تھے کہ انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔ بہر حال برج پر عامر نے اپنا قبضہ محکم کر لیا

عماد الدین کو جب خبر ہوئی کہ عامر نے صدر دروازے کے ایک برج پر ریا ہے تو لڑتے لڑتے وہ اپنے لشکر کے ساتھ صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگا اس کی تقلید میں عز الدین اور رکن الدین میسرہ اور مہینہ کو لے کر صدر دروازے پر خنجر کر رہے تھے۔ جب پورا اسلامی لشکر صدر دروازے کے سامنے آ گیا۔ تو رکن الدین نے رکن الدین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنے مہینہ کے ساتھ فصیل پر چڑھ جائے ل کے ساتھ کمندیں پہلے ہی لٹک رہی تھیں رکن الدین فوراً حرکت میں آیا اور کولے کر فصیل پر چڑھ گیا تھا۔

جوسلن نے اب اپنے پورے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح وہ برج واپس لے لے جسے عامر چھین چکا تھا لیکن ناکامی ہوئی۔ عامر نے دشمن کو برج کے نزدیک تک نہ آنے دیا تھا۔ اس کے ہاں اب رکن الدین لشکر کے مہینہ کو لے کر بھی اُدھر چڑھ آیا تھا۔ اور اس نے دشمن کو پے دھکیل کر ایک اور برج پر قبضہ کر لیا تھا۔

عماد الدین فصیل کے نیچے عز الدین کے ساتھ کھڑا بڑی دلچسپی سے جنگ کا مگر دیکھ رہا تھا۔ اچانک عامر برج سے باہر نکلا اور عماد الدین کو مخاطب کر کے بے کہا۔ سیدی! میں شہر کا صدر دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ شہر مام حملہ کرنے کے لیے تیار رہیے۔

عامر پیچھے ہٹ گیا۔ عماد الدین نے اپنے لشکر کو فوراً شہر میں داخل ہونے کے لیے تیار اور مستعد کر دیا تھا فصیل کے اُدھر تلواروں کے ٹکرائے، تیردول کے نئے اور دشمن کے مرنے والے سپاہیوں کی چیخوں سے ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اچانک عامر نے اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ باہر نکلنے کی کوشش کی اور دھڑ کو کھینچ کر فصیل کے اندر کی طرف پھینک دیں اور اُن کی مدد سے وہ شہر کے راتر گئے۔ جوسلن بھی مینظر دیکھ چکا تھا اس نے بھی فوراً کچھ دستے عامر کا مقابلہ کرنے کے لیے نیچے اُتار دیئے تھے لیکن عامر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس تیزی سے

گیا اور عماد الدین دشمن کو پھر دھکیلتا ہوا دُور تک لے گیا تھا۔ دوسری طرف عامر جو سلیں کے ان دستوں و دستوں پر تباہ توڑ حملے شروع کر دیئے تھے جو شہر کے دروازے کے اوپر دونوں طرف کے برجوں کی حفاظت پر متعین تھے۔

عامر کے دائیں ہاتھ میں اس کی تلوار اور بائیں ہاتھ میں ڈھال اور علم اور وہ اپنے دستوں کے ساتھ دشمن کے سپاہیوں کو کاٹتا ہوا دروازے پر نصب سلیں کے علم کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صدر دروازے کے اوپر گھمسان کی جنگ روع ہو گئی تھی۔ دوسری طرف عماد الدین، عز الدین اور رکن الدین دشمن کو اپنے لے آگے بھاگنے پر مجبور کر چکے تھے۔

جوسلیں کے سپاہی اب ادھر ادھر گلیوں کو چوں میں بھاگ کر اپنی جان انے کی کوشش کر رہے تھے اور مسلمان مجاہدین ان کے تعاقب میں تھے۔ عامر تے لڑتے دروازے کے وسط میں پہنچ گیا۔ جوسلیں کا علم اس نے اٹھا کر پھینک دیا اور وہاں اس نے اپنا علم گاڑ دیا تھا۔ علم گاڑنے کے بعد جونہی عامر پھاہٹا بائیں طرف سے دشمن کے چند سپاہیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ عامر نے دو سپاہیوں کے وار کو اپنی تلوار اور ڈھال پر لیا۔ تیسرے سپاہی نے اپنی تلوار عامر کی اس پر مارنا چاہی۔ عامر ہوا میں اچھل کر اپنی ٹانگ بچا گیا۔ اس سپاہی کی تلوار لاما ہو کر عامر کے پاؤں پر گری اور عامر کا بایاں پاؤں انگلیوں کی طرف سے آدھے قریب کٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ خون کی ایک تیز و ہار بہہ نکلی تھی لیکن اسی شمشک عامر نے ان تینوں حملہ آوروں کو قتل کر دیا تھا۔ ایک مسلمان مجاہد نے عامر کا ہوا پاؤں اٹھا لیا تھا جب کہ عامر زخمی ہونے کے باوجود دشمن کے ان سپاہیوں وٹ پڑا تھا جو ابھی تک جھے ہوئے تھے۔

اپنے لشکر کے وسط میں عماد الدین عامر کو اپنا علم گاڑتے دیکھ چکا تھا۔ صدر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے لشکر کے آسٹوں میں وہ کہہ رہا تھا۔ اے تو روئید بکھتے لے آہن شکن مجاہد تیری شجاعت، تیری بے خوفی کو سلام۔ اے میرے لعل و گہرا

نیچے اُترا تھا کہ جوسلن کے دستوں کی آمد سے قبل ہی اس نے شہر کے محافظوں پر حملہ کر دیا اور ان کی آن میں انہیں تہ تیغ کر کے اس نے شہر کا صدر دروازہ کھول دیا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی عماد الدین کسی انتہائی خوفناک سیلاب کے ریلے کی طرح شہر میں داخل ہوا۔ عامر کے پاس سے گزرتے ہوئے عماد الدین نے چلا کر کہا۔ اے فرزند ولند! میں نے تجھے اس شہر کا حاکم مقرر کیا۔

جوسلن نے بھی اپنے لشکر کے کافی حصے کو نیچے اُتار لیا تھا۔ اس کے علاوہ شہر کے عام لوگ بھی مسلح ہو کر باہر نکل آئے تھے۔ لیکن عماد الدین اور عز الدین کا یہ حملہ ایسا سخت اور بے روک تھا کہ وہ جوسلن کے لشکر کے علاوہ شہر کے مسلح لوگوں کا قتل عام کرتے ہوئے دُور تک پیچھے دھکیلتے چلے گئے تھے۔

جوسلیں کا وہ لشکر جو ابھی تک محفوظ دستوں کی حیثیت سے شہر کے ایک کونے میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا وہ بھی جنگ میں کود گیا۔ اس کے علاوہ چند مختصر دستوں کو چھوڑ کر فصیل کے اوپر بھی اس کا لشکر نیچے اُتر آیا تھا۔ اس طرح شہر کے مسلح جوانوں اور جوسلیں کے دو طرفہ لشکروں نے ایک بار عماد الدین اور عز الدین کی پیش قدمی کو روک کر انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔

شہر کا دروازہ کھولنے کے بعد عامر بھاگ کر دوبارہ فصیل پر چڑھا تھا اور نے رکن الدین کو فوراً نیچے اُتر کر جنگ میں حصہ لینے کو کہا اور اپنے ہراول دستوں کا آدھا سے زیادہ حصہ ابھی اس کے ساتھ کر دیا۔ خود عامر اپنے بقیہ لشکر کے ساتھ دشمن کے ان دستوں پر حملہ آور ہوا جو صدر دروازے پر نصب جوسلیں کے علم کی حفاظت کر رہے تھے۔

عامر نے اپنے ہراول دستوں کے علم بردار سے عماد الدین کا علم لے کر اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ کر آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ شاید وہ شہر کے صدر دروازے پر جوسلیں کا علم اُتار کر عماد الدین کا علم نصب کر دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اپنے مینہ اور ہراول کے چند دستوں کے ساتھ نیچے اُترنے پر جنگ کا نقشہ ایک بار پھر

کا لشکر بھی شہر کی نصرانی رعایا کا قتل عام کرنا چاہتا تھا لیکن عماد الدین نے کمال عفو و تحمل سے کام لیا اور مسلح آبادی کو تہ تیغ کرنے کے بعد اس نے عام رعایا کے لیے سلامتی و امان کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ شہر کے اہرے اپنا پڑاؤ سمیٹ کر شہر کے اندر قیام کیا جائے۔

عز الدین اور رکن الدین کے ساتھ جب صدر دروازے کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے دیکھا کچھ سپاہی عامر کو اٹھا کر فصیل سے نیچے لارہے تھے۔ عماد الدین نے عز الدین کی طرف دیکھتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔ اسے کیا ہوا؟ تھوڑی دیر قبل بن نے خود اسے پورے جوش اور دلولے سے جنگ کرتے دیکھا تھا۔ پریشانی کی حالت میں عز الدین کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس کی زبان لڑکھڑا کر رہ گئی تھی۔ جب وہ نزدیک پہنچے تو سپاہیوں نے نیچے اتر کر عامر کو زمین پر لٹا دیا۔

اگے بڑھ کر عماد الدین نے پریشانی کی حالت میں عامر کی نبض پر ہاتھ رکھا پھر اپنے طبیبوں کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے عامر کی زہر آتار کر اس کے زخموں کا جائزہ لینے کا حکم دیا۔ دو طبیب فوراً عامر کا خود آور زہر آتار کر اس کے زخموں کا جائزہ لینے لگے تھے۔ عماد الدین کی نگاہ جب عامر کے کٹے ہوئے خون آلود پاؤں پر پڑی، تو اس کا رنگ پیلا ہو گیا اور روتی بکھرتی آواز میں اس نے کہا۔

اے فرزند! یہ میرے ساتھ کیا ہوا؟ دشمن کی تلواریں تجھ پر کیسے برس گئیں؟ عز الدین اور رکن الدین وہاں زمین پر بیٹھ گئے تھے۔ جنگ میں حصہ لینے والے بنو عباس کے کچھ جوان بھی وہاں آکر جمع ہو گئے تھے اور زخمی عامر کی طرف وہ تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔

طیبیوں نے جب عامر کی زہر آتاری تو انہوں نے دیکھا پاؤں کٹ جانے کے علاوہ عامر کے شانے پر دو گہرے زخم آئے تھے۔ اگر وہ زندہ نہ پہنچے ہوتا تو جس طرح من کی دو تلواریں اس پر برسی تھیں اس کا شانہ کٹ کر علیحدہ ہو گیا ہوتا۔ عماد الدین اس وقت غڑا تھا، عز الدین اور رکن الدین افسردہ بیٹھے تھے۔ طبیب عامر کے زخموں کو دیکھا

تیری جوان بہتی، تیری بے باکی اور جرات پر آفرین و صد تحنیں۔ آج سے تو میرا چراغ میرا نختِ جگر ہے۔ تو میرے لشکر کا نجمِ اسحر اور میرے دستوں کا عظیم سرمایہ ہے۔ عماد الدین یہ نہ دیکھ سکا تھا کہ عامر کا پاؤں کٹ گیا ہے۔

جب وہ علم گاڑنے کے بعد دوبارہ دشمن سے جنگ کرنے لگا تو اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور آگے بڑھ کر جنگ سے منہ موڑنے والے دشمنوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں عامر کے ساتھ لڑنے والوں نے صدر دروازے پر دشمن کا صفایا کر دیا۔ چند سپاہیوں نے عامر کو سنبھال لیا کیونکہ وہ لڑکھڑانے لگا تھا۔ زخم سے زیادہ خون نکل جانے کی وجہ سے اس پر نقابہت طاری ہو رہی تھی اچانک دائیں ہاتھ کے برہوں کے اندر سے دشمن کے کچھ اور دستے نکلے اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ مسلمانوں نے اپنی پوری قوت سے ان کا مقابلہ کیا لیکن دشمن کے کچھ سپاہیوں نے بغا کر تے ہوئے ان مجاہدوں پر حملہ کر دیا تھا۔ اپنی پوری قوت کو مجتمع کر کے عامر آغری بار پھر سنبھلا تھا۔ اور سنبھلتے ڈمک گئے پھر دشمن کے خلاف جنگ کرنے لگا تھا۔ اس کی حفاظت کرنے والے مجاہد شہید ہو گئے تھے۔ دشمن کی دو تلواریں عامر کے شانے پر برس گئیں اور وہ بے ہوش نیچے گر گیا۔ اتنی دیر تک اس کے دستوں نے حملہ آوروں کا خاتمہ کر دیا تھا اور پھر ان کو آن میں جنگ سے فارغ ہونے والے چند جوانوں نے دشمن کے ان سپاہیوں کا بھی خاتمہ کر دیا جو عامر اور اسے سنبھالنے والوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔

شہر کے صدر دروازے پر عامر بے ہوش پڑا تھا۔ تیز ہواؤں میں عماد الدین کا علم دروازے پر پھڑپھڑا رہا تھا اور شہر کے اندر عماد الدین، عز الدین اور رکن الدین دشمن کے مسلح سپاہیوں کا صفایا کر کے مکمل فتح حاصل کر چکے تھے۔ شہر کا نصرانی حکمران اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ کسی خفیہ راستے سے جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔

گو جس وقت صلیبیوں نے یہ شہر مسلمانوں سے فتح کیا تھا اس وقت انہوں نے شہر کے سب مسلمانوں کو مار دیا، کیا عورت سب کا قتل عام کر دیا تھا۔ عماد الدین

کر کے ان کی مرہم پٹی کرنے لگے تھے۔

رکن الدین نے کچھ سوچا پھر اس نے بنو عبس کے دو جوانوں کو اشارے سے اپنے پاس بلا کر سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ تم ابھی اور اسی وقت قبیلہ بنو عبس کی طرف روانہ ہو جاؤ اور عامر کے چچا کو اس کے زخمی ہونے کی اطلاع کرو۔ اسے کہنا آتی دفعہ موصل سے عامر کی بیوی اور بچوں کو بھی یہاں لے آئے اور سنو جلدی لوٹنا۔ امیر کی حالت سے پتہ چلتا ہے ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں لہذا ان کے چچا اور بیوی بچوں کا جلدی یہاں پہنچنا ضروری ہے۔



سورج غروب ہونے کو تھا۔ سائے پھیل کر دھندلے اور مبہم ہونے لگے تھے۔ سورج کی روشنی صرف کوہستانوں کی چوٹیوں میں رہ گئی تھی۔ دوسوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے بنو عبس کی بستی بلاس میں داخل ہوئے تھے۔ عامر کے چچا عمرو بن کعب کی حویلی کے سامنے ان دونوں نے اپنے گھوڑوں کو روک لیا۔ دونوں پہنچے ترے پھران میں سے ایک آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دینے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عامر کے عم زاد عدنان نے دروازہ کھولا اور ان سواروں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ تم تو میرے عم زاد عامر کے پاس جہاد کی غرض سے گئے تھے تم لب لوٹے، میرا عم زاد کیسا ہے۔ عروب بھی اس وقت اپنے باپ کے گھر تھی۔ ان کی گفتگو سن کر وہ صحن میں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے قریب ہی عمرو بن کعب اور عدنان بن یوی سمیرا کھڑے تھے۔ جب کہ حویلی کے ایک کونے میں عدنان کے بچے کھیل رہے تھے۔

بنو عبس کے آنے والے ان دوسواروں میں سے جس نے دروازے پر دستک دی تھی اس نے عدنان کو مخاطب کر کے کہا۔ تمہارے بابا کہاں ہیں۔ انہیں ذرا باہر بلاؤ۔ عمرو بن کعب نے خود ہی سن لیا تھا لہذا وہ آپ سے آپ دروازے کی طرف بڑھا۔ رب اور سمیرا ان کی گفتگو سننے کے لیے دروازے کے پیچھے کھڑی ہو گئی تھیں۔ عمرو بن کعب دروازے کے قریب آیا اور انہیں مخاطب کر کے پوچھا تم دونوں

عماد الدین نے بھی رکن الدین کے یہ الفاظ سن لیے تھے۔ اس نے خفگی اور ڈانٹ میں رکن الدین سے کہا۔ تیرے منہ میں خاک۔ میں اسے اپنا فرزند کہہ چکا ہوں تو اگر اس کی زسیت اور حیات کے لیے دغا نہیں مانگ سکتا تو اس کی موت کی اطلاع مجھے کیوں سنا تا ہے کہ اس کی مرگ مجھ پر گراں اور ناقابل برداشت ہوگی۔

عماد الدین رکا پھر اس نے بنو عبس کے دونوں جوانوں کی طرف دیکھتے ہوئے مجروح آواز میں کہا۔ بہر حال تم دونوں بنو عبس کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ وہ دونوں پاس دہاں سے ہٹ گئے۔ طبیب جب عامر کی مرہم پٹی کر چکے تو عماد الدین نے عز الدین اور رکن الدین سے کہا۔ تم دونوں عامر کو اٹھا کر میرے ساتھ لاؤ۔ عز الدین اور رکن الدین نے عامر کو اٹھا لیا۔ عماد الدین طبیبوں کے ساتھ زخمی اور بے ہوش عامر کو جو سلین کے قصر میں لے گیا تھا جب کہ اس کا لشکر اپنا پڑاؤ اٹھا کر شہر کے اندر لارہا تھا۔



مجھے کیا کہنا چاہتے ہو۔ اسی سوار نے پھر کہا۔ ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔ سلطان عماد الدین نے اڑیسہ شہر پر حملہ کیا تھا۔ اس جنگ میں آپ کا بھتیجا عامر بن نافع زخمی ہو گیا ہے ہم اسی سلسلے میں آپ کو لینے آئے ہیں۔

عمرو بن کعب نے تشویشناک لہجے میں پوچھا۔ کیا اس کی حالت زیادہ خراب ہے جو تم مجھے لینے آ گئے ہو۔ کھل کر کہو۔ مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔ تم جاتو وہ میرے بھائی کی نشانی ہے اسے اگر کچھ ہو گیا ہے تو کہو کہ میں دل پر پتھر رکھ کر اس کی طرف روانہ ہوں۔ وہ میرے بھائی کا خون ہے اور اس کا نقصان میری جان تک لے لیگا۔ عدنان اُداس ہو گیا تھا۔ دروازے کے پیچھے کھڑی عروب بچکیاں لے لے کر رونے لگی تھی۔ اس سوار نے پھر کہا۔ امیر سخت زخمی ہوئے ہیں پھر اس سوار نے عامر کے کندکے ذریعے تفصیل پر چڑھنے، شہر کا دروازہ کھولنے اور صدر دروازے پر اپنا علم نصب کرنے تک کے حالات سنا ڈالے تھے۔ جب وہ خاموش ہوا تو عمرو بن کعب نے پوچھا۔ وہ اس وقت کہاں ہے۔ وہ اڑیسہ شہر میں ہیں اور عماد الدین انہیں شہر کا حاکم مقرر کر چکے ہیں۔

عمرو بن کعب نے کپکپاتی آوازیں پوچھا۔ اسے کہاں کہاں زخم آئے ہیں؛ سوار نے غمزہ آوازیں کہا۔ ان کے بائیں شانے پر دو گہرے زخم آئے ہیں اس کے علاوہ ان کا بائیں پاؤں آدھا کٹ گیا ہے۔ ہم فتح کے فوراً بعد وہاں سے روانہ ہو گئے تھے جس وقت ہم نے وہاں سے کوچ کیا تھا اس وقت امیر عامر بن نافع بے ہوش پڑے تھے اور سلطان عماد الدین پریشانی کی حالت میں ان کے پاس کھڑے تھے۔ ہم یہاں سے موصول جائیں گے اور ان کی بیوی اور بچوں کو وہاں سے لے کر اڑیسہ کی طرف روانہ ہوں گے۔

عدنان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ بڑی شکل اور تکلیف سے اس نے اپنی بچکیوں کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ آہ میرے عم زاد! کاش میں اس وقت تیرے پاس ہوتا۔ دروازے کے پیچھے سے بلند آوازیں روتے ہوئے عروب نے کہا۔ آہ! میں مر گئی

میں مر گئی! کون ہے جو مجھے اپنے بھائی کے پاس پہنچائے۔ آہ! اس کا پاؤں کٹ گیا۔ اس کے شانوں پر گہرے گھاؤ ہیں اور وہ بے ہوش پڑا ہے۔ کاش! یہ خبر سننے سے قبل میں مر گئی ہوتی یا میری سماعت پر مہر لگ چکی ہوتی۔ میری بصارت چلی گئی ہوتی، کہ میں کچھ سن اور دیکھ دے سکتی۔ آہ! میرا بھائی کیسی تکلیف اور اذیت میں ہو گا۔

بوڑھے عمرو بن کعب کی کمر جھجک گئی تھی اس نے دروازے کا سہارا لے لیا تھا اس کی آنکھوں سے تسلسل کے ساتھ آنسو گر رہے تھے۔ گردن جھکائے ہی جھکائے اس نے کہا۔ تم دونوں ایسی خبر لائے ہو جس نے میری کمر توڑ دی ہے۔ میرے دل کو سخت لخت اور میرے سارے جسم کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا ہے۔ گوانظامات مشیت کے سامنے کچھ کہنا عبث ہے پھر بھی اس گویا یاب کو کچھ ہو گیا تو میرے بھائی کا شجرہ بیکار اور نسب ختم ہو جائے گا کہ عامر اس کی واحد نشانی تھی۔ اگر وہ ہم سے پھڑ بیکار تو اس کی یادیں تازہ نہ بن کر مجھ پر بدستی رہیں کہ یہاں اس نے میرے پاس ایک اجنبی اور غریب الوطنی کی سی زندگی بسر کی۔ کاش قبیلے کا ساتھ دیتے ہوئے میں نے اس سے ناروا سلوک نہ کیا ہوتا۔

اے میرے بھائی کے بیٹے! مجھے معاف کرنا میرے بچتے! کہ میں بھٹکا ہوا تھا۔ تو نے اپنا خون دے کر اڑیسہ شہر فتح کرنے میں مدد دی ہے۔ اے خداوند رحمن ورحیم! میں نے اپنی طویل زندگی میں اگر کوئی نیکی اور خیر کا کام کیا ہے تو اس کے اجر میں تم سے میں اپنے بھائی کے بیٹے کی زندگی مانگتا ہوں۔ اسے صحت اور شفا دے میرے مولیٰ!

دروازے کے پیچھے سے اب عروب نے روتے ہوئے بچکیاں لیتے ہوئے کہا اے میرے باپ! ابھی اور اسی وقت کوچ کی تیاری کرو۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ میں اپنے بھائی کو دیکھوں گی کہ وہ کس حال میں ہے۔ اس کی بیوی اور اس کے بچوں کو اپنے ساتھ یہاں لے آؤں گی۔ اے میرے باپ! کوچ کی بات کرو کہ یہاں ٹھہرنا اب میرے ضبط اور تحمل میں نہیں رہا۔ اس بار عدنان نے ان سواروں کو مخاطب

سے اس کمرے میں رکھا گیا تھا۔ جو کبھی جو سلین کی خواب گاہ تھا۔ اس کمرے سے بُت در عورتوں کے برہنہ مجسمے ہٹا دیئے گئے تھے جن سے جو سلین نے اس وسیع کمرے کو سجا رکھا تھا۔

عماد الدین، عز الدین اور رکن الدین بھی اسی کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے اس کے علاوہ عماد الدین کے دو نامور طبیبوں کا قیام بھی عامر کے پاس اسی کمرے میں تھا۔ اگلے روز فجر کی نماز کے لیے جانے سے قبل عماد الدین نے پھر عامر کو دیکھا۔ وہ ویسا ہی بے ہوش پڑا تھا۔

عماد الدین اور زیادہ فکر مند ہو گیا تھا۔ پھر وضو کر کے وہ عز الدین، رکن الدین اور دونوں طبیبوں کے ساتھ اسی کمرے میں فجر کی نماز ادا کرنے لگا تھا۔ نماز کے بعد دونوں طبیب۔ اس کے علاوہ عز الدین اور رکن الدین بھی عامر کے پاس آکر بیٹھ گئے تھے۔

عماد الدین کچھ دیر مصلے پر ہی بیٹھ کر تسبیح کرتا رہا۔ پھر اس نے دعا کے ساتھ اُٹھ پڑا تھا اور اپنی کچلی مصلیٰ آواز میں بڑی عاجزی کے ساتھ اپنے رب کے حضور یہ دعا مانگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اور ہونٹوں پر یہ الفاظ تھے۔

’رب عظیم! میں تیرا ایک عاجز و گنہگار بندہ ہوں۔ تیری راہ میں تیری رضا اور تیری خوشنودی کی خاطر میں نے اپنی تلوار کفار کے خلاف بے نیام کی ہے۔ میرے اللہ! میں عامر بن نافع کو اس شہر کا حاکم مقرر کر چکا ہوں۔ میرے اس فیصلے کی لاج رکھ اور اسے صحت اور شفا دے کہ یہ میرا دایاں بازو بن کر کفار کے خلاف میرا ساتھ دیتا رہے۔

الہی! تو غفور الرحیم ہے۔ تو بدیع و بے نظیر ہے۔ تیرے سامنے میرے اعمال نامے میں شرمساری اور عاجزی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر بھی اپنی ساری عمر تیری راہ میں تیرے

کر کے کہا۔

تم دونوں کب تک یہاں سے کوچ کر سکو گے۔ اس سوار نے کہا۔ مجھے آپ اور امیر کی بیوی بچوں کے ساتھ فوراً واپس آنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اگر آپ لوگ اپنے کوچ کے لیے زیادہ وقت نہ لیں تو ہم ابھی اور ہمیں سے روانہ ہو جائیں گے ہم دونوں اپنے گھروں میں بھی نہ جائیں گے۔

عدنان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ تو پھر یہیں رکو۔ میں اپنا گھوڑا تیار کر کے لاؤں پھر یہیں سے کوچ کرتے ہیں۔ عدنان نے پیچھے ہٹتے ہوئے عمرو بن کعب سے کہا۔ بابا! تم یہیں رہو، میں خود اپنے بھائی کی طرف روانہ ہوتا ہوں۔

عمرو بن کعب سیدھا کھڑا ہو گیا اور دروازے سے ذرا پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے کہا۔ نہیں بیٹے! مجھے تمہارا فیصلہ منظور نہیں۔ میں اور عروب بھی تمہارے ساتھ جائیں گے۔ عروب اس کی بیوی اور بچوں کو سنبھال لے گی۔

عمرو بن کعب نے دوبارہ سواری کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا۔ کیا تمہیں خبر ہے عامر کے کہنے نہ سچے ہیں اور کیا تو نے انہیں دیکھا ہے۔ سوار نے بڑی بجا رگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ لیکن سن رکھا ہے کہ ان کے دونوں بچے ہیں۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام نافع اور لڑکی کا نام ارہ ہے۔

عمرو بن کعب نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ آہا! اس نے بیٹے کا نام اپنے باپ پر اور لڑکی کا نام نوزیبان کے سردار سالم بن عقبہ کی بیٹی کے نام پر رکھا کہ وہ کسی دُور میں اس سے محبت کرتا تھا۔ تم دونوں رکو ہم ابھی آتے ہیں۔

عمرو بن کعب، عدنان اور عروب نے فوراً اپنی تیاری کی پھر وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر باہر آئے اور ان دونوں سواروں کے ساتھ وہ تینوں موصول کی طرف کوچ کر رہے تھے۔

○

عامر آنے والی پوری رات زندگی اور موت کی کشمکش میں بے ہوش پڑا رہا۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں کفار کے خلاف
میں نے جو جہاد کیا ہے۔ اگر وہ تیرے ہاں مقبول و منظور ہے
تو اسے پروردگار! میں اسی صدقے میں تجھ سے عامر بن نافع
کی زندگی اور صحت کی بھیک مانگتا ہوں۔ تو اسے اچھا کر دے
اسے صحت دے میرے مولیٰ! کہ وہ اس شہر کا حاکم بن کر میرا
مددگار اور معاون بن سکے۔

دعا مانگنے کے بعد عماد الدین اٹھا اور جو سلین کے پلنگ پر بے ہوش پڑے
ہوئے عامر کے پاس اس طرف آ بیٹھا جہاں عز الدین اور کن الدین بیٹھے ہوئے تھے۔
پلنگ کے دوسری طرف دونوں طبیب بیٹھے بڑے غور سے عامر کو دیکھ رہے تھے۔
عماد الدین کو بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ عامر کے جسم نے حرکت
کی۔ پھر اس نے پہلو بدلا اور اس کے ساتھ ہی آنکھیں کھول کر وہ سلطان عماد الدین
کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ عماد الدین کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ عز الدین اور
کن الدین خوشی سے پھول کی طرح کھل اٹھے تھے۔

دونوں طبیب بھی عامر کو آنکھیں کھولے اور حرکت میں دیکھ کر مسرت
اور شادمانی کا اظہار کر رہے تھے۔ عماد الدین نے عامر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے
ہوئے پرسکون آواز میں کہا۔ میرے خدا نے آنسوؤں میں ڈوبے میرے ٹوٹے پھوٹے
الفاظ قبول کیے ہیں۔ خدا تمہیں مکمل شفا دے گا اور تم اس شہر کے حاکم بن کر رہو گے۔
ایک طبیب نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کیا آپ کا کھانے کو دل
کرتا ہے۔ اس سے جسم کو توانائی اور قوت حاصل ہوگی۔

عامر نے جب اثبات میں سر ہلا دیا تو کن الدین اٹھا ہوا بولا۔ میں
ابھی کھانا لاتا ہوں۔ عماد الدین عامر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار سے سہلا
لگا تھا۔

عز الدین بڑے شوق اور جش سے عامر کو دیکھ رہا تھا اور کن الدین کھانا

نے کے لیے باہر نکل گیا تھا۔ دونوں طبیب عامر کے زخموں کی دوبارہ مرہم پٹی کرنے
تیار کر کے لگے تھے۔



ایک روز دوپہر کے وقت اپنی موصل کی حویلی میں راشیل گھر کی صفائی کر رہی
تھی۔ بڑھا عمیس اصطبل میں گھوڑوں کو کھریا کر رہا تھا اور دونوں بچے نافع اور
نرہ حویلی کے باغ میں کھیل رہے تھے کہ حویلی کے بیرونی دروازے پر کسی نے دھتک
دی۔ باغ میں کھیلتے دونوں بچے بھاگ کر دروازے کی طرف آ گئے۔

راشیل بھی حویلی کے اندر سے نکل کر دروازے کے قریب آ گئی تھی جب کہ
یس دروازہ کھولنے کے لیے آگے بڑھا۔ ان سب کو امید تھی کہ عامر آ گیا ہے۔
عمیس نے آگے بڑھ کر جب دروازہ کھولا تو وہاں گھوڑوں پر سوار بڑھا
مرد بن کعب، عامر کا بھائی عدنان اور بہن عروب کھڑے تھے۔ ان تینوں کے
پچھے بنو عیس کے دونوں سپاہی بھی تھے جو انہیں لینے گئے تھے۔

عمر بن کعب نے عمیس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کیا یہ عامر بن نافع کی
بی بی ہے۔ عمیس نے بڑی لمبا جت سے جواب دیا۔

آپ نے سچ کہا۔ یہ حویلی عامر بن نافع ہی کی ہے لیکن آپ کون ہیں۔ میں
آپ کو پہچاننا نہیں۔ عمر بن کعب گھوڑے سے اتر گیا اور اس کے پیچھے پیچھے عدنان
عروب بھی اپنے گھوڑوں سے اتر چکے تھے۔

عروب آگے بڑھ کر والہانہ انداز میں دونوں بچوں کو پیار کرنے لگی تھی اس
آنکھیں سوچی ہوئی تھیں جیسے سفر کے دوران وہ لگاتار روتی رہی ہو۔

عمر بن کعب آگے بڑھا اور راشیل کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے اس
کہا۔ اے بیٹی! میں تیرے شوہر عامر بن نافع کا چچا عمر بن کعب ہوں۔ یہ دونوں
ہم کے عم زاد اور میرا بیٹا اور بیٹی ہیں۔ ان کے نام عدنان اور عروب ہیں۔

بچوں کو چھوڑ عروب راشیل کے گلے ملنے لگی تھی۔ راشیل نے بھی اسے

اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

یرنہ لی تھی اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ وہاں سے کوچ کر رہے تھے۔
راشیل، عروب اور دونوں بچے ابھی میں بیٹھ گئے تھے۔ عمرو بن کعب،
ننان اور دونوں محافظ گھوڑوں پر سوار ابھی سے آگے آگے تھے اور اس طرح یہ
تھر سا قافلہ بڑی تیزی سے اڑیہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔



دو گھوڑوں کی ایک گھٹی اور چار سواروں پر مشتمل یہ کاروان جب اڑیہ
پر میں جو سلین کے قصر میں داخل ہوا تو انہوں نے دیکھا ان کی آمد پر عماد الدین عز الدین
رکن الدین ایک کمرے سے نکلے تھے اور بڑے انہماک سے ان کی طرف دیکھنے لگے تھے۔
رکن الدین اپنے بھیجے ہوئے دونوں سواروں کو پہچان گیا تھا لہذا اس نے عماد الدین
مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ یا سیدی! امیر عامر کا چچا اور اس کی بیوی بچے آگئے ہیں۔
عماد الدین ان دونوں کے ساتھ ابھی کی طرف بڑھا۔ ان دونوں سواروں میں
ایک نے عمرو بن کعب کو مخاطب کر کے کہا۔ آنے والوں میں جو درمیان میں ہیں
سلطان عماد الدین ہیں۔ ان کے دائیں جانب ان کے جرنیل عز الدین اور بائیں طرف
ن الدین ہیں۔ وہ آپ ہی کی طرف آرہے ہیں۔

عمرو بن کعب، عدنان اور دونوں سوار اپنے گھوڑوں سے اتر کر کھڑے
گئے تھے۔ راشیل، عمیس اور دونوں بچے ابھی سے نیچے اتر آئے تھے۔

سلطان عماد الدین جب نزدیک ہوئے تو عمرو بن کعب آگے بڑھا اور
ی عاجزی کے ساتھ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سلطان کے ساتھ مصافحہ
تے ہوئے کہا۔

سلطان محترم! میرا نام عمرو بن کعب ہے۔ میں عامر بن نافع کا چچا ہوں
الدین نے خوب گرم جوشی کے ساتھ عمرو بن کعب سے مصافحہ کیا تھا۔ اس کے
عمرو نے عز الدین اور رکن الدین سے مصافحہ کرنے کے بعد سلطان سے اپنے ساتھیوں
نارٹ کر لیا۔

عمرو بن کعب نیچے جھکا پہلے دونوں بچوں کو اس نے خوب پیار کیا پھر
عدنان بچوں کو پیار کر رہا تھا جب کہ عمرو بن کعب نے راشیل کو مخاطب کر کے کہا
تم اپنی تیاری کرو بیٹی! ہم یہاں رکیں گے نہیں۔ عامر ایک جنگ پر
سخت زخمی ہو چکا ہے۔ اس کا بایاں پاؤں آدھا کٹ چکا ہے اور شانے پر دو گھر
زخم آئے ہیں۔ یہ دونوں سپاہی ہمارے قبیلے سے ہیں اور میدان جنگ سے ہمیں لے
گئے تھے۔ ہماری منزل اب اڑیہ شہر ہوگی۔

راشیل چکر آکر رہ گئی اور اس نے دروازے کا سہارا لے لیا تھا۔ ا
کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے وہ برسوں کی علیل و بیمار ہو۔ اس کے چہرے پر
غروب آفتاب کا سا اُداس منظر تھا۔

عامر کے زخمی ہوتے کا سن کر اور اپنی ماں کی حالت دیکھ کر دونوں بچے
رونے لگے تھے۔ عروب اور عدنان ان دونوں کو تسلی دے رہے تھے۔

راشیل فوراً سنبھل گئی اور اپنے بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس
نے ایک عزم اور ایک آن تھک جذبے میں کہا۔ چپ ہو جاؤ میرے بچو! میرے
شوہر اور تمہارے ابا بلیت اور قوم کے ایک عظیم مجاہد ہیں۔ انہوں نے جو قدا
بھی اٹھایا ہوگا۔ اس میں میری بلیت اور میری قوم کی بہتری ہی ہوگی۔ مت رو
میرے بچو! خدا تمہارے باپ کا حامی اور ناصر ہوگا۔ میں فادلا کر کے۔ آنسو
کے اور رو کر اپنے شوہر کے جذبے، ایمانی قوت اور مذہب و بلیت کے لیے
کی قربانیوں کو دھندلانا نہیں چاہتی ہوں۔

پھر راشیل نے گردن جھکا کے اور اُداس کھڑے عمیس کی طرف دیکھتے
کہا۔ اے عم! تم فوراً ابھی تیار کرو۔ میں خود اور بچوں کو تیار کر کے ابھی آ رہی ہوں
تم اپنا ضروری سامان بھی لے کر رکھ لو۔

راشیل نافع اور نائره کو کپڑے کراندر لے گئی۔ اس نے تیاری کرنے میں زبا

عماد الدین نے پہلے عامر کے دونوں بچوں کو پیار کیا پھر راشیل کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے دل جمعی اور اطمینان سے کہا۔ اے بیٹی! تو خوش قسمت ہے۔ قدرت کو شاید تمہارا غم یا مایوسی منظور نہ تھی کہ اس نے تمہارے شوہر کو موت کے منہ سے نکال کر صحت، زندگی اور شفا دی ہے۔ اب وہ اٹھنے بیٹھنے بھی لگا ہے۔

عماد الدین نے ہاتھ سے ایک کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جاؤ اپنے بچوں کے ساتھ اس کمرے میں چلی جاؤ اور اپنے شوہر سے ملو۔ اب وہ تمہارا شوہر ہی نہیں اس شہر کا حاکم بھی ہے۔ نافع اور نازہ کے ہاتھ پکڑ کر راشیل اس کمرہ کی طرف چلی گئی تھی۔

جب وہ اس کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کمرے کے دائیں کونے میں عامر سہری پر بٹھا ہوا تھا اور اس کا کٹا ہوا پاؤں نیچے لٹک رہا تھا اور اس پر ابھی تک خون آلود پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ وہ بہت کمزور، نحیف اور نزار ہو گیا تھا۔

راشیل، نافع اور نازہ بھاگ کر آگے بڑھے اور تینوں ایک ساتھ عامر سے لپٹ گئے تھے۔ عامر کے کٹے ہوئے پاؤں کو دیکھ کر راشیل بچاری کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ بالکل کسی معصوم اور بے بس بچے کی طرح سسکیاں اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی نافع اور نازہ بھی عامر سے لپٹ کر رو دیے تھے۔

عامر نے پیار سے راشیل کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ راشیل! راشیل! اپنے آنسوؤں کو روک لو۔ پاؤں کٹ گیا تو کیا ہوا کیا تم اس امر پر اپنے رب کا شکر ادا نہیں کرتی ہو کہ اس نے مجھے صحت اور زندگی عطا کی ہے۔ اس شہر کی فتح پر میرا ایک پاؤں ہی ضائع ہوا ہے۔ خدا کی قسم اس فتح کے عوض اگر میں شہید ہو گیا تھا تو بھی یہ امر تمہارے لیے باعث افتخار ہوتا کہ تمہارے شوہر نے اللہ کی راہ میں جان دی۔ اپنے آنسو پونچھ لو راشیل اور بچوں کو سنبھالو۔ تم ایک مجاہد کی بیوی ہو اور مجاہدوں کی

لنگی میں ایسے طوفان، ایسی آندھیاں معمول کا ایک حادثہ ہیں۔ عامر کے کہنے پر راشیل نے اپنے آنسو پونچھ لیے اور سنبھل گئی۔ نافع اور نازہ کو بھی اس نے اپنی گود میں لے کر چپ کر لیا تھا۔

راشیل کے سنبھلنے پر عامر نے پوچھا۔ راشیل! راشیل! کیا تم اکیلی آئی ہو۔ راشیل نے عامر کے اچھے بالوں کو پیار سے سنوارتے ہوئے کہا۔ میں اکیل نہیں، میرے ساتھ پ کا چچا، بھائی عدنان اور بہن عروب کے علاوہ عیس بھی ہے۔ وہ باہر کھڑے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو انہیں اندر بلا لوں۔

ہاں! بلاؤ۔ نافع نے فوراً اٹھ کر باہر بھاگتے ہوئے کہا۔ میں خود جاتا ہوں اور اپنے دادا، چچا اور چھوٹی کو بلا کر لاتا ہوں۔

تھوڑی ہی دیر بعد نافع کے ساتھ عروب، کعب، عدنان، عروب اور عیس کمرے میں داخل ہوئے۔ عامر اور راشیل کو پُر سکون اور خاموشی سے بیٹھے دیکھ کر شاید ماحول کو خراب نہ کرنے کی خاطر ان میں سے کسی نے بھی بے ربطی اور بے مضبوطی کا اظہار نہ کیا۔

سب سے پہلے عروب، کعب، عیس اور عدنان نے عامر سے مصافحہ کیا پھر عروب نے عامر سے لپٹ کر اس کے اس شانے پر جو زخمی نہ تھا سر رکھتے ہوئے پُر سکون لہجے میں کہا۔ اخی! ہم خوش قسمت ہیں کہ آپ کو پُر سکون حالت میں راشیل کے ساتھ بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ خدا میرے بھائی کو طویل عرصے کا۔

ان سب نے عامر کا کٹا ہوا پاؤں دیکھ لیا تھا لیکن عروب، کعب نے شام سے سب کو کچھ کہنے سے منع کر دیا تھا۔ شاید اس خاطر کہ عامر، راشیل اور دونوں بچوں کی ان کی ایسی گفتگو سے دل آزاری نہ ہو۔ وہ سب اپنی باتوں اور گفتگو سے عامر اور راشیل کو مطمئن اور خوش رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔



ان سب نے ایک ماہ تک عامر کے پاس قیام کیا۔ اس دوران عامر بالکل

بھی کے گھوڑوں کو عدنان ہانک رہا تھا۔

شہر سے باہر ایک جگہ عامر کے کہنے پر عدنان نے گھبی کو روک دیا۔ گھبی میں بیٹھے ہی بیٹھے عامر نے عمرو بن کعب اور عدنان سے مصافحہ کیا۔ اس دوران عمرو بن کعب درپچوں سے ملنے لگی تھی۔ آخر میں عامر نے نیچے جھک کر عروب کی پیشانی چومی اور بیسی سے اتر گیا۔ راشیل، نافع، نائرہ اور عمیس بھی نیچے اتر گئے تھے۔ عروب نے پردہ اٹھا کر اپنا سر باہر نکالتے ہوئے کہا۔

انھی! صرف ہمارا ہی انتظار نہ کرتے رہنا۔ آپ بھی راشیل اور بچوں کو لے کر اپنی بستی میں آنا۔ عامر کے بجائے راشیل نے مسکراتے ہوئے کہا ضرور آئیں گے۔ پھر عدنان نے گھبی کے گھوڑوں کو ہانک دیا تھا۔ وہ سب وہیں کھڑے ہو کر مٹھیں جاتا ہوا دیکھتے رہے۔

جب گھبی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو عامر بے حدا اس اور افسردہ ہو گیا تھا اور اس کی گردن جھک گئی تھی۔ راشیل، بچاری اس کی پریشانی برداشت نہ کر سکی۔ فوراً آگے بڑھ کر اس نے پیار سے عامر کا ہاتھ اپنے گداز ہاتھ میں لیتے ہوئے اپنی آواز کے پورے ترنم اور تریل میں کہا۔ آئیے چلیں۔

عامر راشیل کا ہاتھ تھامے واپس چل دیا۔ عمیس نے دونوں بچوں کے ہاتھ پکڑ لیے تھے اور اس حالت میں وہ خاموش اور افسردہ سے واپس جا رہے تھے۔



تستہ بالخیر

ٹھیک ہو گیا تھا۔ اس کے بائیں جوتے کے اگلے حصے میں روئی بھری گئی تھی جسے وہ پہن کر چلنے پھرنے کے علاوہ گھوڑے پر سواری بھی کر سکتا تھا۔ اس دوران عماد الدین نے اپنے لشکر کا ایک حصہ شہر میں متعین کر دیا تھا۔ رکن الدین کو عامر کے معادن کے طور پر آڈیسیہ میں رکھا گیا اور عماد الدین شہر کے انتظامات عامر کو سونپنے کے بعد عز الدین کے ساتھ اپنے لشکر کو لے کر وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔

آڈیسیہ سے نکل کر عماد الدین نصرانیوں کے ایک اور قلعہ نامہ شہر مردج پر برق رعد بن کر گرا اور اسے بزور شمشیر فتح کرنے کے بعد موصول کی طرف کوچ کر گیا تھا۔ عماد الدین کی روانگی کے تین روز بعد جب کہ سب اکٹھے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عمرو بن کعب نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ عامر! عامر! میرے بیٹے! تمہیں خبر ہے کہ گھر پر سمیرا اور بچے اکیلے ہیں۔ اب تم صحت مند اور تندرست ہو چکے ہو اگر تم کہو تو آج ہم تینوں یہاں سے رخصت ہو جائیں۔ پیچھے باغات اور فصلوں کی دیک بھال کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔

عامر چند لمحوں تک باری باری عمرو بن کعب، عدنان اور عروب کو دیکھتا رہا پھر گھائل سی آوازیں اس نے کہا۔ اے عم! آپ کی روانگی اور رخصت کو دل مانتا تو نہیں لیکن مجبور ہیں کہ تحت میں ہاں کرتا ہوں۔ اس دعوے کے ساتھ کہ آپ یہاں میرے پاس آتے رہیں گے۔

عمرو بن کعب کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ کیوں نہیں آیا کمزوں کا بیٹے! تم سے میرے خون کا ایک ربط اور تعلق ہے۔ تم سے ہی میرے ساتھ میرے بھائی کا رشتہ اس کی عظمت اور فضیلت منسلک ہے۔

عامر نے عمیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ عمیس! عمیس! اپنی گھبی تیار کرو۔ عم! اور دونوں بہن بھائی گھبی میں یہاں سے کوچ کریں گے۔ عمیس فوراً اٹھ کر باہر نکل اصرطبل میں آکر اس نے گھبی میں گھوڑوں کو جوت دیا۔ اتنی دیر تک سب کمرے۔ اٹھ کر باہر آئے اور گھبی میں بیٹھ گئے عمیس کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ بٹھا لیا اور